گلدستۂ پیامِ یار

ایک مطالعہ

صاحب علی

www.urduchannel.in

فہرست مضامین

☆		حرفِ آغاز	۴
باب اول		**طرحی شاعری کی روایت**	۷
	۱	طرحی مشاعرے کی رویت	۸
	۲	استادی شاگردی کی روایت	۳۳
	۳	موازنہ اور مقابلہ کی روایت	۴۵
	۴	طرحی مشاعروں کے اہتمام سے گلدستوں کی روایت	۶۰
	۵	ماخذ	۷۹
باب دوم		**گلدستۂ پیام یار**	۸۵
	۱	پیام یار کا تعارف	۸۶
	۲	مدیر کا تعارف	۱۱۴
	۳	پیام یار کے اہم شرکاء	۱۵۱
	۴	ماخذ	۱۹۲
باب سوم		**پیام یار کے شعری مشمولات**	۱۹۴
	۱	غزلیات	۱۹۵

www.urduchannel.in

	۲ منظومات	۲۰۴
	۳ قطعات	۲۱۲
باب چہارم	**پیام یار کے نثری مشمولات**	۲۱۶
	۱ ناول	۲۱۷
	۲ انشائیہ	۲۲۵
	۳ مضامین اور خبریں	۲۲۸

www.urduchannel.in

حرف آغاز

گلدستے ہماری ادبی تاریخ کے اس دور کی پیداوار ہیں جب ذرائع ابلاغ کی اتنی بہتات نہ تھی کہ اگر کسی مقام پر کبھی مشاعرہ یا شعری نشست کا انعقاد کیا جائے تو اس کو فوراً ریڈیو سے نشر کیا جائے یا ٹی وی کے ٹیلیکاسٹ انسانی تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جب اخبارات ورسائل کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں کو مشاعروں اور نشستوں کی روداد شائع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو کہ حاضرین مشاعرہ کے علاوہ دور دراز کے قارئین بھی شعری نشستوں میں پڑھے گئے کلام سے گلدستوں کے اجراء کا بنیادی محرک بھی خیال تھا۔ اسی خیال کے پیش نظر اردو میں گلدستوں کی اشاعت کی ابتداء ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے طول وعرض سے گلدستے شائع ہونے لگے۔ مختلف شہروں اور قصبوں سے متعدد گلدستے جاری ہوئے۔ دہلی، آگرہ۔ لکھنؤ، لاہور، کلکتہ، حیدرآباد، رامپور اور میرٹھ سے معیاری گلدستوں کی اشاعت شروع ہوئی، لیکن اس سلسلے میں لکھنؤ کو امتیازی حیثیت حامل ہے۔ یہاں سے تعداد اور معیار دونوں کے اعتبار سے اچھے گلدستے منظر عام پر آئے۔

لکھنؤ سے جو گلدستے نکلے اور مشہور ہوئے ان میں پیام یار، پیام عاشق، گلدستۂ سخن، دامن گلچین اور گلچیں کے نام قابل ذکر ہیں۔ تاہم ان تمام گلدستوں میں پیام یار اپنے معیار ومقام کے لحاظ سے اس گلدستہ کو مشہور زمانہ شعرا اور ادباء کا تیس سال تک قلمی تعاون حاصل رہا۔ پیام یار نے ایک مدت تک اردو وشعر وادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو گلدستوں کی تاریخ میں

www.urduchannel.in

پیام یار کو جو شہرت اور مقبولیت حامل ہوئی، وہ کسی دوسرے گلدستے کو نصیب نہیں ہوئی۔

''پیام یار کا تنقیدی مطالعہ'' میرے مقالہ کا موضوع ہے، جس کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب طرحی شاعری کی روایت سے متعلق ہے۔ اس میں طرحی مشاعرے کی روایت، استادی شاگردی کی روایت، موازنہ ومقابلے کی روایت اور طرحی مشاعروں کے احتشام سے گلدستوں کی روایت کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ تا کہ طرحی شاعری کی روایت میں شاعری بحثیت فن کا تصور واضح طور پر سامنے آ سکے اور مروجہ فنی اقدار کی بھی نشاندہی ہو سکے۔

دوسرا باب پیام یار سے متعلق ہے۔ اس میں ابتداء پیام یار اور اس کے مدیران کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے۔ اس ضمن میں تفصیل سے مدیرانِ پیام یار کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور پیام یار میں شائع ہونے والے ان کے کلام کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کے پیام یار کے اہم شرکا کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جس کا مقصد پیام یا مدیر پیام یار سے ان مشاہیر کے تعلق کی نوعیت واضح کرنا ہے۔

ان پیام یار کے شعری مشمولات کے عنوان سے تیسرا باب ہے۔ جس کا آغاز پیام یار میں شائع شدہ غزلوں کے تجزیاتی مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد منظومات اور قطعات کا الگ الگ تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

چوتھے اور آخری باب میں پیام یار کی نثری اصناف کا علیحدہ جائزہ لیا گیا ہے۔ اولاً پیام یار میں شائع ہونے والے ناولوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ پھر انشائیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں مضامین اور خبروں کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ تا کہ اندازہ ہو سکے کہ پیام یار میں کسی نوع کے مضامین اور خبریں شائع ہوتی تھیں۔

پیام یار کی فائلوں کی تلاش وتحقیق کے سلسلے میں مجھے مولانا آزاد لائبریری علی

www.urduchannel.in

گڑھ کے علاوہ بیان کی مختلف لائبریریوں سے بھی رابطہ قائم کرنا پڑا۔ مزید برآن دہلی لکھنؤ اور رامپور کے متعدد کتب خاتون کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا، مگر پیام یار کے صرف چھ پرچوں کی دستیابی کے علاوہ مایوس ہوئی۔ چنانچہ میں نے مولانا آزادی لائبریری علی گڑھ میں موجودہ پیام یار کے شماروں پر ہی انحصار کیا اور انھیں دستیاب پرچوں سے مقالہ کا مواد اخذ کیا۔

یہ مقالہ مکرم استاد ڈاکٹر علی خان کی نگرانی میں مکمل ہوا۔ مشفق استاد نے اپنی گونا نہ گوں مصروفیات کے باوجود مقالہ کو دیکھنے کی زحمت گوارا کی۔ ان کی عنایت اور توجہ ہی سے مقالہ کا مکمل کرنا ممکن ہوا۔ شکریہ کے روایتی الفاظ، ان کی شفقت کا بدل نہیں ہو سکتے۔ دوسرے اساتذہ، میں صدر، شعبۂ اُردو پروفیسر قاضی عبدالستار کے علاوہ پروفیسر عتیق احمد صدیقی کا بھی متشکر ہوں، جن کی عنایت نے میرے لئے بہت سی آسانیاں فراہم کردیں۔ میں ڈاکٹر قاضی افضال حسین کا بطور خاص ممنون ہوں، جنھوں نے مقالے کی تیاری میں میری مدد کی۔ اس موقع پر شائع قدوائی لکچر شعبۂ صحافت کا بھی شکرگزار ہوں، جنھوں نے پیام یار کے پرچوں کی تلافی اور تخلیق میں معمولی دلچسپی کا اظہار ہی نہیں کیا، بلکہ لکھنؤ کی متعدد لائبریریوں میں ساتھ ساتھ رہے۔

ان حضرات کے علاوہ آخر میں اُن تمام اساتذہ اور دوستوں کا بھی شکرگزار ہوں جو برابر میری مدد اور حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

صاحب علی

شعبۂ اُردو

یونیورسٹی آف ممبئی، ممبئی ۴۰۰۰۹۸

www.urduchannel.in

باب اوّل

طرحی شاعری کی روایت

۱۔طرحی مشاعے کی روایت

۲۔استادی شاگردی کی رویت

۳۔موازنہ اور مقابلہ کی روایت

۴۔طرحی مشاعروں کے اہتمام سے گلدستوں کی روایت

www.urduchannel.in

۱۔ طرحی مشاعے کی روایت

مصفی نے ''تذکرۂ ہندی'' میں لکھا ہے کہ محمد شاہ کے دوسرے جلوس ۱۶۲۰ء میں دیوان ولی دہلی پہنچا[۱] یہ دیوان (اردو) میں تھا۔ اس دیوان کا چرچا دہلی کی ہر محفل اور ہر گھر میں ہونے لگا اور ہر جگہ ولی کے اشعار بڑے شوق سے پڑھے جانے لگے۔ مصفی نے شاہ حاتم کے حوالے سے لکھا ہے کہ ولی کے اشعار چھوٹے اور بڑوں کی زبان پر جاری ہو گئے تھے۔ ''شمالی ہند کے شعراء کو اس دیوان میں اپنی تخلیقی آرزوؤں اور اپنے شاعرانہ آدرش کا جلوہ نظر آیا اس لئے ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی ایسی ہی شاعری اور ایسا ہی دیوان مرتب کریں''[۲] درحقیقت دیوان ولی نے شمالی ہند کی شاعری پر گہرا اثر ڈالا اس نے شمالی ہند کے شعراء کی پہلی نسل کو اس قدر متاثر کیا کہ اردو شاعری کی باقاعدہ روایت کا آغاز ہوا۔ بے شمار شعرا اردو میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ اور طرحی زمینوں میں غزلیں کہہ کر مراختوں میں شریک ہونے لگے۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے دیوان ولی کے سلسلے میں رقم کیا ہے کہ دیوان ولی کے گہرے اثر کا ہی نتیجہ تھا کہ حاتم کے ''دیوان زادہ'' میں سب سے زیادہ، ولی کی زمین میں غزلیں ملتی ہیں[۳] انھوں نے غزلوں کی تعداد تیرہ بتائی ہے لیکن ڈاکٹر عبدالحق ''انتخاب حاتم'' کے مقدمے میں ان غزلوں کی تعداد گیارہ لکھتے ہیں[۴] آبرو، ناجی، مضمون، آرزو، شاہ حاتم، یک رنگ، احسن اللہ احسن، شاہ ولی اللہ، اشتیاق سعادت علی امروہی، میر سجاد بیتاب، عبدالوہاب یک رو، مظہر جان جاناں، صدرالدین فائز اور دوسرے تمام نے اس روایت کو اتنی سرعت سے آگے بڑھایا کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔

www.urduchannel.in

آبرو، آرزو، مضمون، مظہر جانِ جاناں اور ان کے ہم نواؤں کی فکری کاوشوں سے مالا مال ہوکر بارہویں صدی ہجری کے وسط میں اردو وطرحی مشاعرے کی روایت حاتم اور مرزا مظہر کے جن جوان سال اور جوان فکر معاصرین تک پہنچی ان میں مرزا سودا، میر تقی میرؔ، خواجہ میر درداور میر سوز سرفہرست ہیں۔ میر تقی میر نے ''نکات الشعرا'' میں میر محمد سجاد بیتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دلّی میں ان کے گھر پر محفل مراختہ منعقد ہوتی تھی جس میں میر تقی میر بھی شریک ہوتے تھے۵۔

شاہ حاتم کے دیوان میں صرف ولی کی زمینوں میں غزلیں نہیں ہیں بلکہ ان کے کلام میں پیشرو، معاصرین، شاگردوں اور عزیزوں کی زمین میں غزلوں کی ایک معقول تعداد دکھائی دیتی ہے۔ ''دیوان زادہ'' میں گنتی کی دو چار کے علاوہ تقریباً تمام غزلیں زمین طرحی میں ہیں۔ پچیس شعرا کی زمینیں موجود ہیں جن کی تفصیل ڈاکٹر عبدالحق نے ''انتخاب حاتم'' کے دیباچہ میں دی ہے۶۔

''دیوان زادہ'' کی ان طرحی غزلوں سے ان زمینوں کی شہرت اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ طرحی نشستوں کے انعقاد کی تائید ہوتی ہے۔ جو شہر میں ماہانہ اور پندرہ روزہ وقفے کے ساتھ بلا اہتمام منعقد کی جاتیں جن میں اساتذۂ فن اپنے حلقۂ تلامذہ کے ساتھ شریک ہوتے۔ طرحی غزلیں پڑھتے اور داد وتحسین حاصل کرتے حاتم کے متعلق مصفی نے ''تذکرہ ہندی'' میں لکھا ہے۔

> ''درایامیکہ فقیر در شاہ جہاں آباد طرحی مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ می فرمود و در مجلس نشتہ زمانۂ سابق خود رامی ستود''۷

خواجہ میر درد کے یہاں ہر مہینے کی پندرہویں تاریخ کو مجلس ''ریختہ

www.urduchannel.in

گویان'' منعقد ہوا کرتی تھی۔ بعد میں جب کسی مجبوری کی بنا پر ان کے لئے اس سلسلے کو قائم رکھنا ممکن نہ رہا تو انھیں کی خواہش پر میر تقی میر نے اس کی ذمداری سنبھال لی۔ اپنے تذکرہ میں انھوں نے اس واقعہ کو جس انداز کے بیان کیا ہے اس کے اس دور کی اخلاقی روایات اور ارباب فضل و کمال کے لئے جذبۂ احترام کی بھی ایک مثال سامنے آتی ہے۔

''مجلس ریختہ کہ بخانہ بندٗ'' بتاریخ یا نو دہم ہر ماہ مقرر است واللہ بذات ہمیں بزرگ است۔ زیرا کہ پیش ازیں ابن مجلس بخانۂ اش مقرر بود، از گردش گار بے مدار برہم خورد۔ ازیں کہ با این فقیر اخلاص دلّی داشت گفت کہ ابن مجمع را اگر شما بخانۂ خود معین بکنید بہتر است۔ نظر بر اخلاص آن مشفق عمل کردہ آمد۔'' ۷

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے لکھا ہے کہ اس مجلس کے مسومی اول خاں آرزو تھے۔ ان کے بعد اس کا انتظام خواجہ میر درد نے سنبھالا۔ اور پھر میر نے اس دعوے کی تائید میں انھوں نے ''چمنستان شعرا'' اور ''آبِ حیات'' کے حوالے سے بعض واقعات بھی نقل کئے ہیں۔ ''چمنستان شعرا'' میں خان آرزو کے یہاں مشاعرے کے انعقاد کے بارے میں لچھی نرائن شفیق لکھتے ہیں۔

''شاہ عبدالحکیم لاہوری میگوید کہ ابن عزیز بزرگ عالی دود مان (میر درد) را فقیر مکرر بخانۂ خان آرزو روز مراختہ یعنی محبت ریختہ گوبان ہند کہ یا نزدہم ہر ماہے مقرر بود دیدہ ام'' ۹

اس کے علاوہ سجاد اکبرآبادی، جعفر علی خان زکی، حافظ حکیم اور علی تقی کا فر کے

www.urduchannel.in

یہاں بھی با قاعدہ مشاعرہ منعقد ہوتا تھا۔جس میں اہلِ کمال شعرا شریک ہوتے تھے اور طرحی غزلیں پڑھتے تھے''نکات الشعرا'' میں میر نے ان نشستوں کو''مشاعرے'' کے بجائے مجلس یاران ریختہ، مجمع یاران ریختہ، مجمع شاعران ریختہ یا مجلس ریختہ لکھا ہے۔

''گاہ گاہ در مجلس مراختہ کی ابن لفظ بوزن مشاعرہ تر ائیدہ اند ملاقات می شور''[10]

''طبقات الشعرا'' کے مقدمہ میں نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ''قدرت اللہ شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کے بعد منعقد ہوتی تھی۔ غالباً یہ مشاعرہ طرحی ہوتا تھا ''طبقات الشعرا'' میں بیشتر ہم عصر شعرا کی ہم طرحی غزلیں درج ہوئی ہیں۔عجب نہیں کہ یہ انھیں مشاعروں میں بڑھی گئی ہوں''[11]

حکیم قدرت اللہ قاسم کو ابتدائے شعور سے شعر گوئی کا شوق تھا۔خود شعر بھی کہتے تھے اور دہلی میں اپنے مکان پر طرحی مشاعروں کا اہتمام بھی کرتے تھے[12] اس کے علاوہ دوسرے مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔میر محمد شرف کے یہاں محفل مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔حکیم صاحب ان ایام میں محض مبتدی فن تھے لیکن مشاعروں میں ضرور شامل ہوتے تھے۔ اسی زمانے میں مصفی دہلی میں مقیم تھے اور اپنے گھر طرحی مزاعرے کراتے تھے۔حکیم قدرت اللہ قاسم ان مشاعروں میں شریک ہوتے تھے[13] یہ مشاعرہ تقریباً بارہ تیرہ سال تک ہوتا رہا، میر مہدی علی خان عاشق بارہ سال تک ہر جمعہ کو اپنے یہاں اس پابندی کے ساتھ مجلس مشاعرہ کا اہتمام کرتے رہے کہ کوئی بڑی رکاوٹ بھی ان کی راہ میں حائل نہ ہوتی۔حتیٰ کہ ایک بار انھوں نے مرحوم بیٹے کے سوئم کے دن

www.urduchannel.in

بھی فاتحہ وغیرہ سے فراغت پاکر حسب معمول دو پہر کے بعد اس مجلس کا انتظام کیا تھا۔۱۴؎ بہادر خان بیگ غالب بھی دہلی میں اپنے مکان پر مشاعرہ منعقد کرتے اور مشاعرے میں انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات سے حاضرین کی تواضع کرتے تھے۔ نواب ظفر یاب خان بہادر کو بھی مشاعروں کے انعقاد سے کافی دلچسپی تھی۔ چنانچہ دہلی کے زمانۂ قیام میں وہ بھی اکثر مصرع طرح تجویز کر کے شعرا کو طبع آزمائی کی دعوت دیتے رہتے تھے۔ فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون کے زیر اہتمام شاہ صاحب کے برائے مدرسے میں ہر ماہ ایک طرحی مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ جس میں شہر کے تمام سو بر آورد شاعر شریک ہوتے تھے۔۱۰؎ ''مجموعہ نغز'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مشاعروں کے علاوہ حمید الرحمٰن عرف میاں جان انھیں، عظیم الدین خان عرف بھورے خان آشفتہ اسد بیگ رفیق اور راجا شنکر ناتھ صبا کے یہاں بھی مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ شاہ نصیر دہلوی ہر مہینے کی پندرہویں اور انیسویں تاریخ کو طرحی مشاعرے کراتے اور خصوصیت کے ساتھ سنگلاخ زمینیں اختراع کرتے تھے۔ ایک دفعہ مشاعروں میں طرحی ہوئی ''یار شباب'' اور ''تلوار شباب''۔ شاہ نصیر نے جو غزل کہہ کر بڑھی تو اس میں قطعہ تھا کہ

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے
انوری نے دیا دیوان الٹ اے یار شباب
پھر بڑھا ہم نے جو مضمون بیاں گر دن
سن اسے ہو گیا جب قاسم انوار شباب ۔۱۶؎

دہلی میں اگست ۱۸۵۲ء میں مرزا سلیمان شکوہ کے انتظام واہتمام میں ایک طرحی مشاعرے ہوا اس میں غالب نے اپنی مشہور و معروف غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں تھا میں نمایاں ہو گئیں

www.urduchannel.in

خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

ان کے علاوہ سلیمان شکوہ اور بادشاہ ظفر نے بھی اس طرح میں غزلیں پڑھیں۔

دہلی میں اجمیری گیٹ کے باہر دلّی کالج میں منشی فیاض پارسا کی طرف سے بڑے اہتمام کے ساتھ بزم میں مشاعرہ منعقد ہوئی تھی۔ قادر بخش صابر دہلوی کی روایت کے مطابق اس بزم میں مشاہیرے شعرائے سخن شاہ نصیر دہلوی، ظفر اللہ بلا ولا اور مومن خان مومن، شیخ ابراہیم ذوق، مغفور اور ان کملائے قادر سخن کے تلامیز اور موزون طبعان شہر جمع ہوکر مستمعان سخن فہم کے پردہ گوش کو رشک گلستان کرتے تھے۔ ۱۸؎ اس مشاعرے کے سلسلے میں مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ یہ مشاعرہ اس شاہ وشکوہ سے جاری ہوتا تھا کہ پھر کوئی (ایسا) مشاعرہ دلّی میں نہیں ہوا۔ ۱۹؎ اس مشاعرے میں شاہ نصیر نے ایک مرتبہ شعرائے لکھنو کی فرمائش پر کہی ہوئی دو غزلیں ''قفص کی تیلیاں''، ''مگس کی تیلیاں'' اور ''دھن بہتر کے''، ''کفن پتھر کے'' سنائی تھیں۔ جن کی بے پناہ مقبولیت ہوئی اور ان کے حریفوں کے لئے باعث رشک ثابت ہوئیں چنانچہ اس کے نتیجے میں عرصے تک جوابی غزلوں کا سلسلہ قائم رہا۔ بالخصوص اول الذکر ردیف وقوافی میں اہلِ مجلس کے اس فیصلے کے تحت کہ ہر مشاعرے میں طرحی غزل کے ساتھ ایک غزل اس زمین میں بھی پڑھی جائے، مہینوں طبع آزمائی ہوتی رہی آخر میں ذوق نے اس زمین میں ولیعہد سلطنت مرزا ابوظفر کی مدح میں ایک مرصع قصیدہ تصنیف کیا اس کے چند روز بعد مجلس برہم ہوئی۔ ۲۰؎

اس قسم کی دلچسپ اور ہنگامہ خیز محفلوں کے پہلو بہ پہلو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا فضل حق آرزو، نواب الٰہی بخش خان معروف، مفتی صدرالدین آزردہ، امام بخش صہبائی شہید، اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جیسے جلیل القدر ادباء اور شعرا کی سنجیدہ صحبتوں میں بنی ادبی مسائل پر تبادلہ خیال کا سلسلہ اور شعر و شاعری کا دور چلتا

www.urduchannel.in

رہتا تھا۲۱؎ مولانا فضل امام کے گھر پر عصر کی نماز کے بعد ہمیشہ ادبی محفلیں ہوتی تھیں ۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے صاحبزادے مولانا فضل خان نے ان روایات کو زندہ رکھا اور انتہائی پابندی سے یہ نشستیں منعقد کرتے رہے ۲۲؎ وہی فضل حق خیر آبادی ہیں جن کی پیہم تہدید پر مرزا غالب نے طرز بیدل کی پیرونی سے کنارہ کش ہو کر اپنے اردو کلام کا دو تہائی حصہ دیوان سے خارج کر دیا تھا ۲۳؎

قلعہ معلیٰ میں مشاعرے بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتے تھے ان مشاعروں میں تمام ممتاز شعرا شرکت کرتے اور دیئے ہوئے مصرعہ طرح پر اپنا کلام سناتے اور داد تحسین حاصل کرتے ۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ظفر کی ادب نوازی اور شعرو شاعری کی بدولت قلعہ معلیٰ ادبی سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز بن گیا تھا ۔ رام بابو سکینہ لکھتے ہیں کہ مرزا ابو الظفر ولیعہد سلطنت کے یہاں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے ۔ اور بسا اوقات غزلیں فی البدیہہ کہی جاتی تھیں ۔ جس سے شاعرانہ جودت اور تیز ہوتی تھی اور نو آموز شعرا کا شوق اور زیادہ ہوتا تھا ان مشاعروں میں اکثر پرانے اور کہنہ مشق شاعر مثلاً فراقؔ، احسانؔ، شکیباؔ، قاسمؔ، عظیمؔ اور منتؔ وغیرہ برابر شریک ہوتے تھے'' ۲۴؎

پروفیسر نور الحسن ہاشمی بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری کے ادبی ماحول کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں ہر کس و ناکس شعر و شاعری کی طرف راغب اور متوجہ نظر آتا ہے ۔ چاہے کسی امیر کا خدمتگار ہو یا کسی درگاہ کا جاروب کش ہو یا کوئی معمولی حجام ۔ شاعری کی ایک روتھی جو تمام تہذیب میں سرایت کیے ہوئے تھی ۲۵؎ اس عہد کے تذکرون کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مشاعروں کا رواج عام تھا ۔ مرزا جوان بخت جہاندار شاہ کے یہاں مہینے میں دو مرتبہ مشاعرہ ہوتا تھا ۔ '' دستور الفصاحت '' سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مرزا حاجی مولوی

www.urduchannel.in

محبّ اللہ اور مہر اللہ خان غیور کے یہاں پابندی سے مشاعرے کا انعقاد ہوتا تھا۔ نواب مرزا مینڈ ہو کے یہاں زمانۂ کے رواج کے مطابق مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں دلّی کے باکمال شعرا جمع ہو کر اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ اِنھیں کے دربار میں انشاء اور مرزا عظیم کا ادبی معرکہ پیش آیا تھا۔

مشاعروں اور بطور خاص طرحی مشاعروں کی گرم بازاری صرف دہلی ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کے اثرات مضافات میں دور دور تک پہنچ گئے تھے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ اپنی جاگیر کے انتظام اور دیکھ بھال کی غرض سے زیادہ تر جہانگیر آباد میں مقیم رہتے تھے تو وہاں بھی دہلی کی طرح مشاعرے کرواتے اس کے علاوہ میرٹھ میں غلام محی الدین عشق و مبتلا کا مکان بھی ادبی شعری سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہاں پر طرحی مشاعرے برابر ہوا کرتے تھے، سکندر آباد ضلع بلند شہر میں لالہ ہرگوپال تفتہ اور خیرانی لال جگر شعر سے خاص شغف رکھتے تھے۔ مشاعرے خود منعقد کراتے اور دوسرے مشاعروں میں بھی زرکت کرتے۔ اس کے علاوہ بھی موقع بہ موقع شہر میں مختلف لوگوں کے یہاں طرحی مشاعرے منعقد ہوتے رہتے تھے۔ مغلیہ سلطنت آمادہ زوال ہوئی تو دہلی کے شرفا اور اہلِ علم کی مہاجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور آہستہ آہستہ مرزا مظہر شاہ حاتم اور خواجہ میر درد جیسے چند قناعت پسند اور توکل شعار بزرگوں کے علاوہ جنھیں نہ دربار کے اعزاز و اکرام سے سروکار تھا اور نہ دلّی کی مفارقت ہی گوارا تھی۔ تقریباً تمام ہی بڑے ادباء اور شعرا دلّی کے اجڑے ہوئے بام و در پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے طرحی مشاعرے کی روایت ساتھ لے کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ اور مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی دہلی کی یہ ادبی محفلیں برہم ہو گئیں اور شعرائے دہلی تلاش معاش میں مختلف چھوٹی بڑی ریاستوں کی طرف ہجرت کر گئے۔ ٹانڈہ، رامپور، لکھنو، عظیم آباد اور فرخ آباد کی

www.urduchannel.in

ریاستوں نے ان شعرا کو پناہ دی۔شجاع الدولہ کے عہد میں آرزو، اشرف علی فغان اور ان کے بعد سودا، میر سوز ترکِ وطن کر کے لکھنؤ اور یہیں سپرد خاک ہوئے۔ان کے علاوہ مرزا جعفر علی حسرت، میر حیدر علی حیران، مرزا فاخر مکین، میرزا ضاحک اور پھر میر حسن بھی یہیں چلے آئے محمد باقر شمس نے اپنی تصنف ''لکھنؤ کی زبان'' میں مندرجہ بالا شعرا کے علاوہ شعرائے مہاجرین کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے۔اس میں شیخ عبدالضا متین، اشرف علی خان اشرف، سید قیام الدین قائم، رائے سرب سنگھ دیعانہ، مرزا محمد علی شہرت، منشی کشن چند مجروح، مرزا اسمعیل طپش، بقاء اللہ خان بقا، میر شمس الدین فقیر، میر خلیق، میر غلام حسن حسن، میر مظہر علی زار، میر قمرالدین منت، میر نظام الدین ممنون، شیخ قلندر بخش جرأت، میر محمد راحم، شیخ محمد محسن، می انشاء اللہ خان انشاء، میر شیر علی افسوس، مرزا سعادت یار خان رنگین، غلام ہمدانی مصحفی، مرزا کاظم علی جوان، مرزا اشرف الدین وفا، میر غلام حسین برشتہ اور مرزا ابوعلی ہاتف کو خاص اہمیت حاصل ہے۔شعرا کی آمد کا سلسلہ آصف الدولہ کے عہد میں تیز ہو گیا تھا۔آصف الدولہ شعر وسخن کا صرف قدردان ہی نہ تھا بلکہ سخن گو اور سخن شناس بھی تھا۔جس انھوں نے اودھ کا دارالسطنت لکھنؤ منتقل کہا تو سب ہی مشاہیر شعرا لکھنؤ آ گئے اس طرح لکھنؤ میں پہلی بار شعر وسخن کی محفل آراستہ ہوئی جس نے رفتہ رفتہ ایک نئے دبستان کی تشکیل کی۔

آصف الدولہ سے لے کر واجد علی شاہ تک دربار کے علاوہ لکھنؤ میں اربابِ کمال کی کچھ پناہ گاہیں بھی تھیں جہاں شعروادب کی محفلیں نعقد ہوتی تھیں۔اس سلسلے میں میر حسن نے نواب سالار جنگ کے بیٹے مرزا نوازش علی خان کے دربار کا ذکر کیا ہے مرزا علی لطف لکھتے ہیں کہ جب صاحبِ عالم جہاندار شاہ لکھنؤ میں چند دنوں کے لئے قیام پذیر ہوا تو اس شہزادے کی طبعیت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے میں دو مرتبہ مشاعرہ

www.urduchannel.in

کرواتے اور شعرائے باوقار کو اپنے جو بدار کو بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر شخص کے نہایت الطاف وعنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے ۲۶ لکھنؤ میں مصحفی کی آمد کے بعد سب سے پہلے مرزا رضا قلی آشفتہ نے طرحی مشاعرہ منعقد کیا ۲۷ اس میں تمام شعرا شریک ہوتے تھے۔ مرزا سلیمان شکوہ کے دولت خانہ (لکھنؤ) پر ایک عرصہ دراز تک مشاعرے ہوتے رہے۔ متعدد مشہور شعرا اس دربار سے وابستہ رہے ان مشاعروں کو جہاں بہت سے نامور اساتذہ اپنی موجودگی سے رونق بخشتے تھے وہیں ان کے شرکاء میں بڑی تعداد بساط سخن کے تازہ واردین کی بھی ہوتی تھی۔

اس دور میں خواص اور عوام کو ادبی دلچسپیوں اور شعر وشاعری سے اتنا شغف ہوگیا تھا کہ شہر میں مختلف لوگوں کے یہاں آئے دن طرحی مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ خود مصحفی نے اپنے ایک عزیز شاگرد محمد تنہا کے ایماء پر تلامذہ کی تربیتِ ذوق اور طبعیت کی جلا کاری کے لئے شہر سے باہر ایک ویرانے میں طرحی مشاعرہ کی بنیاد ڈالی ۲۸ مرزا محمد تقی ہوس بھی مشاعروں کے انعقاد میں بڑا اہتمام کیا کرتے تھے۔ ہمدم کے ذکر میں مصحفی نے ان کے ایک مشاعرے کی ''شہر آشوبی'' کا تذکرہ کیا ہے۔ ۲۹ انھوں نے اس کی طرحی غزلوں کے اشعار کئی شاعروں کے انتخاب میں نقل کئے ہیں۔ مرزا محمد علی بیگ نامی نے ان غزلوں کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا۔ ۳۰ حسین خان اثر، حکیم سید محمد، میر صدر الدین صدر، غلام اشرف، منور خان غافل، میر مہدی کوثر، لالہ قومی رام، مرزا حاجی قمر اور مرزا محمد جان تالانہ کو بھی مشاعروں اور طرحی مشاعروں کے انعقاد سے کافی دلچسپی تھی۔ تذکروں میں مختلف مقامات پر ان لوگوں کے یہاں منعقد ہونے والے مشاعروں اور طرحی مشاعروں کا ذکر ملتا ہے۔

مولوی فصیح اللہ وفا کا بیان ہے کہ آتش اور تاریخ کے زمانے میں جو مشاعرے

www.urduchannel.in

ہوتے تھے ان میں ایک قافیہ لازم قرار دیدیا جاتا تھا۔ ایک بار مشاعرہ ہوا اس میں طرح مقرر ہوئی۔

ع اپنے بیمار سے بھاگو نہ مسیحا ہو کر

اس میں ''میلا'' کا قافیہ لازم قرار دیا گیا اس پر سب شاعر زور دے کر شعر کہتے تھے ۳۱؎ شیخ فضل احمد کیف لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ طرح ہوئی ''زوال نہیں''، ''انتقال نہیں'' اس میں ''بول چال'' کی قید تھی ہمیں بھی ''طرح'' کا مصرعہ آیا، غزل کہی۔ غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کسی نے باغ میں ایسا شگوفہ چھوڑا ہے
کہ آج تک گل و بلبل میں بول چال نہیں ۳۲؎

''تذکرہ آب بقا'' میں ایک شاہی مشاعرے کا ذکر ہے جس میں مصحفی اور محمود بھی شریک تھے۔ طرح تھی ''نکالے بلبل''، ''آئے بلبل'' میر صاحب کا شعر ہے

گوش گل کے ترے نالوں نے نہ پردے کھولے
اب تو نالوں سے زبان اپنی لگائے بلبل

نواب اصغر حسین فاخر کے یہاں ہر مہینے میں ایک مشاعرہ ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ طرح تھی۔

ع فاخر ہمارے گھر بہ وہ آکر پلٹ گئے

اس مشاعرے میں جلال لکھنوی کا ایک شعر بہت مشہور ہوا۔

لو امتحان تم مرے نالوں کا شوق سے
کیوں ڈر کے آسمان کے نیچے سے ہٹ گئے

۲۲ر جنوری ۱۸۶۱ء کو لکھنو میں مشاعرہ ہوا جس مصرعہ طرح یہ تھا۔

ع کیا وصل کے اقرار سے شرماتے ہیں معشوق ۳۳؎

www.urduchannel.in

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے کہ جانِ عالم واجد علی شاہ کو شعر و شاعری سے خاص دلچسپی تھی چنانچہ بادشاہ کی قدر دانی نے شعر و شاعر کا ذوق وشوق عام کر دیا تھا۔ لکھنو میں آئے دن مشاعرے ہوتے اور ادبی صحبتیں منعقد ہوتیں۔ سلطانِ عالم خود مشاعرے میں شریک ہوتے۔ دربار کی طرف سے مشاعرے کا اہتمام خاص شاہی تکلفات کے ساتھ ہوتا تھا۔

لکھنو کے آخری شاہی مشاعرے کا ذکر کرنا یہاں غیر ضروری نہ ہوگا اس مشاعرے سے ہمیں اس وقت کے لکھنو کی ادبی فضا کے متعلق خاص معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ لکھنو کا آخری مشاعرہ ۱۸۰۱ء میں سلطان عالم واجد علی شاہ کے زمانے میں بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا۔ یہ مشاعرہ درحقیقت لکھنو کے گزشتہ شاہی مشاعروں اور ادبی صحبتوں کا موقع ہے۔ جس میں شاہی کے تاریخی مشاعرے وعلمی صحبتوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس مشاعرہ میں مندرجہ ذیل مصرعہ طرح دیئے گئے تھے۔ ع

۱۔ عشق ہے جس طرح اک کوہ گران بالائے سر

۲۔ سر کھل گیا نکل گئے باہر کفن کے پاؤں

۳۔ ہاتھ ہاتھ کے مضمون پر بھی اشعار ہوں اس میں کوئی قید طرح کی نہیں یہ مضمون ہاتھ کا بے قید ہے جس ردیف قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاہے، پڑھے۔ اس مشاعرے میں دوست علی خان خلیل، میر اسد صبر، فدا حسین فدا، نواب ظفر یاب خان راسخ، مرزا شناور، میر جمال الدین عارف، شیخ عبدالرؤف شعور، شیخ ولایت علی گویا، مرزا مغل بیگ فریاد، اصغر علی خان نسیم، حکیم مسیط، علی محمد خاں ولی، آغا کلب حسین خان نادر، عنایت حسین خان مہجور، مرزا مہدی کوثر، میر حسن عسکری عرش میر وارث علی جوش، امجد علی خان عاشق، مرزا محمد علی خان علی، شیخ امان علی سحر، شیخ امداد علی بحر، میر علی اوسط رشک، محسن علی محسن کاکوری،

www.urduchannel.in

امیر اللہ تسنیم، برق، مہر، وزیر، قلق، صبا، رند، امانت لکھنوی، مہدی علی خان قبول، منیر شکوہ آبادی، غالب دہلوی*، امیر مینائی، ذوق دہلوی**، اور جلال لکھنوی نے اپنی اپنی طرحی غزلیں پڑھیں اور داد و تحسین حاصل کیں۔ آخر میں واجد شاہ اختر نے اپنی تین غزلیں تینوں مصرعہ طرح میں پڑھیں۳۴؎

اس کے بعد مشاعرے کا اختتام ہوا۔ لکھنؤ میں علی خان کے یہاں بھی مشاعرے منعقد ہوتا تھا ایک مشاعرہ کی طرح ''دل سے''، ''بسمل سے'' تھی۔ لکھنؤ میں آئے دن ایسے مشغلے اور دن رات کوچہ بہ کوچہ شعر و شاعری اور طرحی شاعری کی چہل پہل تھی مشاعروں میں ادبی معرکہ آرائیاں بھی ہوتی تھیں۔ ان ادبی معرکہ آرائیوں میں مشاعروں نے مجادلے کا روپ اختیار کر لیا تھا۔

لکھنؤ کے علاوہ عظیم آباد میں بھی شعر و سخن کے قدر دان موجود تھے۔ جب دہلی پر تباہی آئی اور وہ آہستہ آہستہ اجڑنے لگی تو کچھ اہلِ کمال شعرا عظیم آباد چلے آئے۔ میر محمد باقر حزین، محمد فقیع درد، مرزا گھسیٹا، محمد علی عرف مرزا ہجو ندوی، اشرف علی خان فغان اور میر ضیاء الدین ضیا نے یکے بعد دیگرے اس گوشۂ عافیت میں پناہ لی۔ اور ساری عمر یہیں گزار دی۔ اس زمانے میں میر محمد رضا جرأت، میر غلام حسین شورش، علی ابراہیم خلیل، ہیبت قلی خان حسرت، خواجہ معین الدین امین، محمد عابد دل، محمد روشن جوشا ور غلام علی راسخ جیسے باصلاحیت فنکار خود عظیم آباد کی زمین سے اٹھے۔ شورش عظیم آبادی جو مرزا گھسیٹا عشق کے تلامذہ میں سے تھے اپنے یہاں تقریباً ایک سال تک باقاعدگی کے ساتھ ہر جمعہ

---

*۔ مرزا غالب بذات خود مشاعرہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ فدا حسین فدا کے توسط سے اپنی ایک طرحی غزل ردیف ''پاؤں'' میں لکھ کر بھیجی تھی، پڑھی گئی۔

**۔ مرزا غالب کی طرح ذوق نے بھی اپنی ایک طرحی غزل ردیف ''ہاتھ'' میں لکھ کر بھیجی تھی۔ یہ غزل

www.urduchannel.in

میر اسد صبر نے پڑھی۔

کومحفلِ مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اس مشاعرے میں عظیم آباد کے تمام اردو شعرا اور ادب دوست حضرات پابندی سے شرکت کرتے اور خراجِ تحسین حاصل کرتے تھے۔ میر غلام حسین شورش اپنے تذکرے میں اس دور کے عظیم آباد کی ادبی درگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بعد نادر شاہی میر باقر حزین موصوف از شاہ جہاں آباد تشریف بہ عظیم آباد آوردو گفتگو شعر وشاعری بطور مرزا موصوف (مرزا مظہر) رواج یافتہ.........بعد ازاں خمسہ مرزا محمد رفیع سودا سلمہ اللہ تعالی کہ این مصرع یقین غفرلہ

ع کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیئے

مصرعہ'' پنجم او بود، شہرت یافتہ۔ بعد غزل مرزا او اشعار خواجہ میر درد وغیرہ از دہلی رسیدہ وہ شہرت یافتہ وطرز سخن بطور دیگر گردیدہ'' ۳۵؎

''حسب اتفاق درصوبہ داری'' میر محمد کاظم بہادر احترام الدولہ محفل مشاعرہ بروز جمعہ قرار یافت...............میر غلام علی اظہر گفت کہ شاہ رکن الدین عرف حضرت مرزا گھسیٹا صاحب مدظلہ.......... بہ عظیم آباد تشریف آوردہ اند۔ اگر در این محفل مشاعرہ آئینہ احسن است، احقر ہمراہ میر مذکور رفتہ ملازمت نمود۔ از راہ نوازش قبول فرمودند۔ تا محفل مشاعرہ کم از کم ایک سال ماند تشریف مع میر محمد آمین دیوانہ غفرلہ ارزان می فرمودند'' ۳۶؎

www.urduchannel.in

اردو کے تمام تذکرے شاہد ہیں کہ عظیم آباد میں اکثر و بیشتر چھوٹے اور بڑے پیمانے پر مشاعرے منعقد ہوتے رہے۔ ۱۹۰۲ء میں یہاں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں چھ مصرعہ طرح دیئے گئے تھے۔ یہ مشاعرہ مسلسل ایک ہفتہ تک چلتا رہا، چھ مصرعہ طرح مندرجہ ذیل ہیں۔ ع

۱۔ ہمراہ شب تار سر دوش ہوئی دھوپ

۲۔ قد ناپتی ہے زلفِ رسا سر سے پاؤں تک

۳۔ موت کا پیغام ہے اپنے لئے تا خبر صبح

۴۔ پرنور صورت رخ روشن ہے آفتاب

۵۔ تمہارے کوچے میں میری تربت برائے نام ونشان رہے گی

۶۔ پر جھاڑتے ہیں مرغ سحر بولتے نہیں

اس مشاعرے میں نو مشق اور کہنہ مشق اساتذہ فن نے دل کھول کر حصہ لیا اس میں اس دور کے تمام ممتاز شعرا شریک ہوتے تھے مثلاً شاد عظیم آبادی، امداد امام اثر، شوق، شہباز، مضطر مظفر پوری، شاہ رحمت اللہ عشرت گیاوی، مشرقی منیری، نذیر الرحمٰن حفیظ، مبارک عظیم آبادی، باقر عظیم آبادی، عطا بہادری اور احقر بہادری۔

اس مشاعرہ میں شاد عظیم آبادی نے زمانۂ مستقبل کے لئے طرحی غزل میں کتنی صحیح پیشنگوئی کی تھی۔

اجل سلا دیگی آخر کسی بہانے سب کو تھپک تھپک کر
نہ ہم رہیں گے نہ تم رہو گے نہ شاید یہ داستان رہے گی

عظیم آباد کی علمی اور شعری انجمنوں کو دیکھ کر صغیر بلگرامی نے کہا تھا کہ عظیم آباد دہلی اور

www.urduchannel.in

لکھنؤ کے بعد تیسرا مرکز ہے جس کی تائید مولانا سلیمان ندوی نے بھی کی تھی۔

لکھنؤ کی یہ ادبی فضا واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد قائم نہ رہ سکی اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد یہاں کے شرفا اور اہلِ کمال شعرا دہلی کی طرح منتشر ہونے لگے۔ کوئی آگرہ پہنچا تو کوئی رامپور، غرض کہ جو شاعر جہاں گیا اپنے ساتھ طرحی شاعری کی روایت لے کر گیا۔ رامپور میں تو اب یوسف علی خان بہادر ناظم کے یہاں جا کر کچھ لوگوں نے ملازمت اختیار کر لی رامپور کے نوابین خود شاعر تھے اور شعرا کی بڑی قدر کرتے تھے چنانچہ دہلی اور لکھنؤ کی ویرانی کے بعد جو شاعر وہاں سے باہر نکلے، کثرت سے رامپور پہنچے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مرزا غالب، میر حسن تسکین، مظفر علی تسلیم، منیر، قلق، عروج، حیا اور اُنس اور اس کے علاوہ بیشمار شعرا دربار رامپور سے وابستہ تھے۔ دہلی اور لکھنؤ کی طرح اب یہاں بھی شعر و ادب کی محفلیں گرم ہونے لگیں، آئے دن مشاعرے ہونے لگے۔ چونکہ اپنے عہد میں فرمانروائے رامپور مشاعروں میں کافی دلچسپی لیتے تھے اس لئے شعر و شاعری کی فضا پوری ریاست میں اس قدر پروان چڑھی کہ دربار رامپور کے علاوہ مختلف جگہوں پر شرفا اور روشا خود اپنے یہاں مشاعرہ منعقد کرواتے، ان مشاعروں میں دیئے ہوئے مصرع پر اہلِ فن طبع آزمائی کرتے۔ ''طبقات الشعرا'' کے مقدمہ میں نثار احمد فاروقی ''مثنوی پدماوت'' کے دیباچہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قدرت اللہ شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کے بعد محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی۔ غالباً یہ مشاعرہ طرحی ہوتا تھا۔ ''طبقات الشعرا'' میں بیشتر ہم عصر شعرا کی طرحی غزلیں درج ہیں [۳۷] مولوی فقیہ الدین فقیہ کو شاعری کا بہت ذوق تھا، چنانچہ زمانے کی رواج کے مطابق اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر شرکت کرتے تھے۔ ان مشاعروں میں ادبی نوک جھونک بھی ہو جایا کرتی تھی مولوی نجف علی نجف کا شمار داغ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ آپ

www.urduchannel.in

کا قیام کچھ دنوں تک کلکتہ میں رہا۔ دوران قیام کلکتہ میں پابندی سے مشاعرہ کرواتے تھے۔ اور جب داغ دہلوی کلکتہ گئے تو مزید کئی جلسے اور مشاعرے کروائے۔ نجف نے حالات شعرا میں ''غنچۂ ارم'' شائع کیا ۹۳؎ مشیا برج کلکتہ میں بھی شعرا کا مجمع تھا نواب واجد علی شاہ کے ساتھ ان کے افقاء و مصاحبین برق، کوکب، درخشاں، گلشن الدولہ بہادر مظفر علی ہنر اور نظم طبا طبائی بھی مشیا برج میں رہتے تھے۔ وہاں آئے دن مشاعرے منعقد ہوتے تھے، جس میں مقامی شعرا بھی شریک ہوتے تھے۔ رابابو سکسینہ نے لکھا ہے کہ مشیا برج سواد کلکتہ نہیں بلکہ لکھنو کا ایک محلّہ معلوم ہوتا تھا۔ ان مشاعروں سے زبان اور اردو شاعری کا بنگال میں بہت چرچا ہوا۔ ۴۰؎

مذکورہ بالا مراکز کے علاوہ فرخ آباد، مرشد آباد، ٹانڈہ (ضلع بریلی) حیدر آباد، ٹونک، مگرول وغیرہ کے درباروں میں اور شرفا و روسا کے مکانوں پر شعر و سخن کا کافی چرچا رہتا تھا، اور بڑے اہتمام سے مشاعرے ہوتے تھے۔ تمام شعرا بزمِ مشاعرہ میں شریک ہوتے اور اپنا کلام سناتے تھے۔

طرحی مشاعرے اور طرحی شاعری کی مخالفت میں سب سے پہلے جس نے آواز بلند کی وہ آزاد اور حالی تھے۔ ان اشخاص نے اردو شاعری کا جائزہ جس خلوص اور دیانتداری سے لیا اس میں آج بھی کسی کو کلام نہیں۔ حالی کے نزدیک شاعری صرف قواعد و عروض کی پابندی کا نام نہیں۔ وہ شاعری کو محض دل بہلانے کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ شاعری کی مقصد اور سماجی اہمیت کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں کرنل ہالرائڈ کی تائید سے آزاد نے پنجاب میں ایک نئے طرز کے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی، تو حالی بھی پیش پیش رہے۔ اس مشاعرہ میں بجائے مصرعہ طرح کے نظام کا عنوان دیا جاتا تھا۔ آزاد اور حالی کی کوششوں سے قومی، نیچرل اور بیانیہ نظمیں لکھی جانے لگیں۔ جو پرانی قیود و جنز بندیون

www.urduchannel.in

سے بالکل آزاد ہوتی تھیں، جس سے شاعری کے میدان کا دائرہ کافی وسیع ہوتا گیا۔ اس طرح طرحی غزلوں کا زوال پنجاب کے اس مشاعرے سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور اب ادبی محفلوں میں مصرعہ طرح کا رواج ختم ہو گیا ہے۔

تذکروں کے مطالعے سے معلوم بیشتر ذی علم لوگ طرحی مشاعرے کی طرف راغب تھے۔ امرا اور روشا کا قدر شناس طبقہ اپنی بساط کے مطابق اس کی سر پرستی میں مصروف رہتا تھا۔ جا بجا موقع بہ موقع مقررہ اوقات پر مشاعرے منعقد ہوتے تھے اور خواص و عوام پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ ان مشاعروں میں فن شعر کے اصول و آداب پر بحث و مباحثہ اور کبھی کبھی نوک جھونک کے علاوہ جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ ہر طرح اہلِ فن کو اپنی طبعیت کے جوہر دکھانے کا پورا موقع ملتا تھا جس کی بدولت رکاکت و ابتزال معمور ہجو یہ نظموں کے ساتھ کچھ ایسے گرانقدر کارنامے بھی معرخ وجود میں آجاتے تھے جو عظیم ادبی سرمایے کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں ممد و معاون ہوتا طرحی مشاعروں کا خاص طرہ امتیاز رہا ہے۔

مشاعروں میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مصرعہ طرح تو تمام شعرا کو بھجوا دیا جاتا، لیکن اگر کوئی شاعر کسی عذر سے بزم مشاعرہ میں شریک ہو پاتا تو اپنی طرحی غزل اپنے کسی شاگرد یا کسی اور معتمد شخص کے ذریعے مہتم مشاعرہ کے پاس بھجوا دیتا، چنانچہ یہ غزل یا تو خود مہتم مشاعرہ بڑھ کر سناتا یا جو غزل لے کر آتا اسے پڑھنے کی اجازت دیدی جاتی۔ مثلاً لکھنو کا آخری شاہی مشاعرہ جو واجد علی شاہ اختر کے عہد (<u>۱۸۵۱ء</u>) میں منعقد ہوا تھا۔ مذکورہ مشاعرہ کا مصرعہ طرح غالب اور ذوق کے پاس پہنچ گیا۔ لیکن خود وہ اہلِ کمال مشاعرہ میں شرکت نہ کر سکے چنانچہ غالب نے اپنی طرحی غزل اپنے خط میں بند کر کے شیخ

www.urduchannel.in

فدا حسین فدا کے توسط سے بھیجی۔[۴۱] اور اسی طرح ذوق نے بھی اپنی طرحی غزل میر اسد صبر کے ذریعے بھیجی تھی[۴۲] اس کے علاوہ جب دہلی کا ایک یادگار شاہی مشاعرے بہادر شاہ ظفر کے عہد ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۶ء میں ہوا تو ظلل سبحانی خود مشاعرہ میں شریک نہ ہو سکے اور غزل لکھ کر مرزا کے ہاتھ بھجوادی[۴۳]

مشاعروں کے متعلق اس نکتہ کی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جتنے بھی قدیم مشاعرے ہوتے تھے، وہ سب طرحی ہوتے تھے۔ مشاعروں میں مصرعہ طرح دیا جاتا تھا۔ شعرا مصرعہ طرح غزلیں لکھ کر مشاعرہ میں سناتے اور داد حاصل کرتے۔ رام بابو سکسینہ مشاعرے کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ مشاعرے میں گو اور سخن جمع ہوتے ہیں اور کسی طرح میں طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے اردو شاعری کو بہت ترقی ہوئی ہے[۴۴]

اس کے علاوہ چند ایسے واقعات درج کئے جاتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ مشاعرے طرحی ہوا کرتے تھے۔ فرحت اللہ بیگ بیان کرتے کہ کریم الدین خان پانی پتی نے ظللِ سبحانی بہادر شاہ ظفر سے دہلی میں مشاعرہ کرانے کے لئے جب ملاقات کا شرف حاصل کیا تو ظللِ سبحانی نے فرمایا ''ہاں یہ تو بتاؤ'' کہ تم نے ''طرح'' کیا رکھی ہے۔ ''طرح'' ہی تو بڑے جھگڑے کی چیز ہے۔ یہ ذرا سوچ سمجھ کر دینا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بازو سے آواز آئی ''اے ہے، یہ انا بچہ کیا بے طرح سلا گئی ہے''۔ یہ سنتے ہی بادشاہ سلامت نے فرمایا ''لو بھائی یہ خود فال گوش مل گئی۔ تم اس مشاعرے میں کوئی ''طرح'' ہی نہ دو۔ جس شخص کا جس بحر، جس ردیف، قافیہ میں غزل پڑھنے کو دل چاہے پڑھے۔ نہ لینا ایک نہ دینا دو''[۴۵]

بالاخر مشورے کے بعد کریم الدین نے باکمال شعرا کے یہاں حاضر ہوکر

www.urduchannel.in

مشاعرہ میں شرکت کی درخواست کی لیکن ہر ایک نے تین سوالات کا اظہار کیا یعنی مشاعرے کی تاریخ، مقام اور مصرعہ طرح کیا ہے؟ اولاد شیخ محمد ابراہیم ذوق کے وہاں حاضری کا شرف حاصل ہوا، تو موصوف نے بے ساختہ فرمایا ''یہ تو بتاؤ ''طرح'' کیا رکھی ہے۔ کریم الدین نے عرض کیا حضرت ظللِ سبحانی نے ''طرح'' کا جھگڑا ہی نکال دیا ہے۔ جو شخص جس بحر ردیف و قافیہ میں چاہے آ کر غزل پڑھے ۴۶

اسی طرح کریم الدین، مومن خان مومن کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مومن نے بھی وہی تین سوالات کیے کریم الدین نے مشاعرہ کی تاریخ اور جگہ بتا کر ''مصرعہ طرح'' کے متعلق جہاں پناہ کے حضور میں جو باتیں ہوئی تھیں اس کو بیان کر کے کہنے لگے ''شاید ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوگا، جس میں ''طرح'' نہ دی گئی ہو'' ۴۷

مذکورہ بالا بیانات سے اس بات کی بخودی تصدیق ہوتی ہے کہ قدیم مشاعروں میں ''مصرعہ طرح'' ضرور دیا جاتا تھا کیوں کہ کریم الدین نے جب اساتذۂ فن سے مشاعرہ میں شرکت کی درخواست کی تو انھوں نے حسب معمول بے ساختہ ''مصرح طرح'' کا سوال کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مصرعہ طرح'' اور مشاعرہ دونوں لازم وملزوم تھے اور طرحی مشاعرے کا رواج عام تھا خود ظللِ سبحانی کی گفتگو اس کی مشیر ہے کہ غیر طرحی مشاعرے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ کریم الدین کا یہ کہنا کہ ''ایسا مشاعرہ کہیں بھی نہ ہوا ہوگا، جس میں ''طرح'' نہ دی گئی ہو'' ہر دعوے کی بین دلیل ہے کہ ''مصرعہ طرح'' کے بغیر مشاعرے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

محمد حسین کا یہ قول بھی ''طرح'' کے لازم ہونے کی توثیق کرتا ہے کہ ''خاصا باشعور مبتدی بھی استاد کو طرحی غزل سنائے بغیر شرکت مشاعرہ کی جرأت نہ کرسکتا ۴۸

مزید براں مرزا جعفر حسین (جو قدیم لکھنؤ کی تہذیبی زندگی کے معتبر راوی

www.urduchannel.in

ہیں) کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

''ہر مشاعرہ طرحی ہوتا تھا۔ بانی مشاعرہ طرح دیتا تھا''۔ ۴۹

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ قدیم مشاعروں میں جتنی غزلیں پڑھی جاتی تھیں وہ سب ''طرحی'' ہوتی تھیں اور مشاعرے ہمیشہ ''طرحی'' ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کسی نے خوب لکھا ہے کہ ''مشاعروں کو مطارحہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا''۔ یہاں مطارحہ کا مفہوم کسی ایک چیز پر مشورہ کرنے کے ہیں یعنی کس طرح کسی ایک موضوع پر تمام اہلِ کمال یکجا ہوکر مختلف زاویہ نگاہ سے آزادانہ طور پر اپنے اپنے خیالات کا مدلل اظہار کرتے ہیں لیکن سب کا موضوع ایک ہی ہوتا ہے۔اس طرح تمام سخنور ایک جگہ جمع ہوکر ایک ہی مصرعہ طرح پ مختلف اشعار پڑھتے ہیں مگر ''طرح'' سب کی ایک ہی ہوتی ہے۔

مشاعروں میں ادبی معرکہ آرائی کی ابتدا تو دہلی میں ہوچکی تھی، لیکن مشاعرے لکھنؤ میں پہنچ کر مجادلے کی صورت میں بگڑ گئے اور معرکہ آرائیاں اس قدر کثرت سے ہونے لگیں کہ فن پر اپنی قدرت اور اپنے زورِ طبعیت کا اظہار بھی ان مشاعروں کا مقصد ہوگیا۔ چنانچہ لکھنؤ کے مشاعروں میں سنگلاخ زمینوں اور مشکل قافیوں کا رواج عام ہوا۔جن پر اساتذہ فن سخن اپنی قدرت بیان کی نمائش کے لئے طبع آزمائی کرتے۔ دہلی میں مشاعرے بیشتر مختلف شعرا کے گھروں پر منعقد ہوتے ایک مصرعہ طرح دیدینا ہی کافی ہوتا تھا۔ دہلی میں شعر کے حسن وقبع کا معیار تجربے کے فنّی اظہار کی نوعیت سے مقرر ہوتا۔لیکن لکھنؤ میں فن پر گرفت کی نمائش ہی مقصد شاعری تھا جس سے لمبی ردیفوں اور مشکل و تنگ قافیوں کا چلن عام ہوا۔مثلاً لکھنؤ میں ایک بار

www.urduchannel.in

مصرعہ طرح ہوا جس میں ''دھن بگڑا'' یا ''سمن بگڑا'' قوافی و ردیف تھے۔ اس زمین میں خواجہ آتش کی غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

امانت کی طرح رکھا زمین نے زور محشر تک
نہ ایک موکم ہوا اپنا نہ ایک تار کفن بگڑا
منھ بھی چڑانے دیتے گالبان صاحب
زیادہ بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دھن بگڑا

اس زمین میں مصحفی کے شاگرد میر حسن کے بھی دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

لکھا ہے خاک کوئے یار سے اے دیدۂ گریاں
قیامت میں کروں گا گر کوئی حرف کفن بگڑا
نہ ہو محسوس جو شئے کس طرح نقشہ ٹھیک اترے
تشبیہہ یار کھنچوائی کمر دھن بگڑا

اس کے علاوہ مصرعہ طرح بھی ایسا ہوتا جس میں قافیہ کا ردیف اتصال خاصا مشکل ہوتا مثلاً بار مصرعہ طرح ہوا۔

ع داغ دل، داغ جگر ہیں مہمان اہلِ درد

امیر مینائی کی طرحی غزل کے چند اشعار یہ ہیں۔

حکیم ہے اس شاخ کو تڑپیں نہ وقت ذبح بھی
ایسی بے دردی سے ظالم امتحان اہلِ درد
سامنے موسیٰ کے برق طور کی حالت تو دیکھ
لوٹ جانے کی جگہ ہے آستان اہلِ درد
رہ گئے بے درد ہی بے درد نیا میں امیر

www.urduchannel.in

اہل درد اب ہیں نہ کوئی قدر دان اہل درد

اس ''طرح'' میں جلال لکھنوی کے چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

کوئی حد بھی ہے تا کجا ضبط فغان اہل درد
بن گیا غماز آخر راز دان اہل درد
ہم سے پوچھو گل سے کہتی ہے بلبل باغ میں
درد والے ہی سمجھتے ہیں زبان اہل درد
دم نکلنے کی ہے دیر آ جائے گا چین اے جلال
اور ہیں ایزائیں چندے مہمان اہل درد

اول تو یہ ہی مشکل تھا ''طرح'' کے قوافی میں ہم قافیہ الفاظ تلاش کئے جائیں۔ مزید یہ کہ قوافی ردیف سے کامل اتصال کے لئے ایک خاص نوع کی فنی چابکدستی کا تقاضا کرتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی غزلیں دلچسپ ہیں لیکن یہ انتہائی سنگلاخ زمینوں اور بہت مشکل قوافی اور ردیف میں کہی گئی ہیں۔ مگر ان ''طرحوں'' کو شعرائے لکھنو نے جس فنکاری سے برتا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال بھی نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ لکھنو میں ''طرح'' کے ساتھ کسی ایک قافیہ کی پابندی کا بھی اضافہ کر دیا گیا مثلاً ایک بار ایک ''مصرعہ طرح'' ہوا۔

ع اپنے بیمار سے بھاگو نہ مسیحا ہو کر

اس میں ''میلا'' کا قافیہ لازمی قرار دیا گیا۔ نواب سید محمد خاں رند کی طرحی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

اگری کا ہے گمان شک ہے ملا گیری کا
رنگ لایا ہے دوپٹہ ترا میلا ہو کر

www.urduchannel.in

اس مصرعہ طرح میں میر وزیر علی صبا نے بھی غزل کہی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

باغبان بلبل کشتہ کو کفن کیا دیتا
پیرھن گل کا نہ اترا کبھی میلا ہو کر

اس طرح ایک بار اور ایک مصرعہ طرح کی زمین تھی ''باتوں میں''، ''گھاتوں میں'' اس میں ''خراباتوں'' کا قافیہ لازم کر دیا گیا۔ اس قافیہ کو امیر مینائی نے اس طرح باندھا ہے۔

مسجدوں میں ہیں یہ ہو حق کے کہاں ہنگامے
رنگ توحید اچھلتا ہے خراباتوں میں

داغ نے بھی اس زمین میں شعر کہے ہیں۔ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد
خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں

یہ محض مثالیں ہیں، ورنہ لکھنو کے تقریباً تمام لائق الذکر شعرا کے دواویں میں اس نوع کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

لکھنو میں طرحی کی ان خصوصیات کے علی السغم دہلی میں مصرعہ طرح چھوٹی بحروں میں اور آسان زمینوں میں دی جاتی تھیں۔مصرعہ طرح میں قوافی و ردیف ایسے ہوتے تھے کہ قافیہ کے زیادہ سے زیادہ ہم قافیہ الفاظ ڈھونڈنے میں دشواری نہ ہو اور قافیہ کا ردیف سے اتصال بھی مشکل نہ ہو۔یعنی قوافی و ردیف بھی آسان دئے جاتے تھے۔اس کے علاوہ یہاں قوافی مخصوص کرنے کا رواج بھی نہیں تھا۔ چنانچہ دہلی میں طرح طرح کی نایاب و نادر اور تازہ قافیہ کے لئے شعرا کو زیادہ ریاض کرنے کی ضرورت نہیں آتی تھی۔ مثلاً دہلی میں مصرعہ طرح ہواع جانے کیا اس کا انجام ہوگا۔

www.urduchannel.in

دہلوی شعرا نے طبع آزمائی کی۔ شاہ نصیر دہلوی کی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

نہ سمجھو کہ آغاز خط عارضی ہے
خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

عبدالرحمٰن خان احسان کی غزل کا ایک ملاحظہ ہو۔

سنو جب کہ آغاز الفت ہے یہ کچھ
خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

اس طرح ایک دفعہ قلعہ دہلی میں مشاعرہ ہوا۔ مصرعہ طرح کی زمین ''یار دے''، ''بہار دے''، ''روزگار دے'' تھا۔ حکیم آغا جان عیش نے ایک غزل بڑہی۔ غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزاردے

ذوق کا بھی ایک شعر اسی زمین میں ملاحظہ ہو۔

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات
رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے

دہلی کے مقابلے میں لکھنو کی ''طرحوں'' نے دیگر تہذیبی مظاہر کی طرح اپنی ایک الگ شناخت قائم کی۔ جس میں مشکل قوافی، طویل ردیفیں اور ردیف وقوافی کے اتصال کی دقت، بنیادی اجزا کی حیثیت رکھتے ہیں۔

www.urduchannel.in

۲۔ استادی شاگردی کی روایت

اردو شاعری کی کلاسیکی شکل فارسی شاعری کا چربہ ہے لیکن فارسی میں استاد شاگرد کی روایت نہیں ملتی۔ ودکی، فردوسی، انوری، نظامی، عطار، سنائی، خیام، رومی، سعدی اور جامی جیسے مشہور اور عہد ساز شعرا کے استادوں کے نام کہیں نہیں ملتے۔ مکتبوں، مدرسوں میں جو بھی علم عروض پڑھایا گیا وہی ان بزرگوں کے لئے بس تھا۔ لیکن اردو میں شاگردی کی روایت شمالی ہند میں اس کے ابتدائی عہد میں ہی قائم ہوگئی۔ فارسی کے علی الرغم اردو شاعری کی روایت میں اس بنیادی اضافے پر اظہار خیال کرتے ہوئے عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے ''شعرائے عرب صرف خدا کے شاگرد ہوتے تھے۔ دنیا میں ان کو کسی استاد کی ضرورت نہ تھی۔ شعرائے ایران میں جو مشہور اساتذہ گزرے ہیں انھوں نے بھی غالباً اپنا کوئی استاد نہیں بنایا۔ اردو شاعری کی ابتدائی دور میں بھی غالباً ہر شخص خود اپنا استاد رہتا تھا۔ چنانچہ شعرائے دکن میں میر حسن نے صرف فطری کو ولی کا شاگرد لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کو دکنی شعرا کے اساتذہ کا حال معلوم نہیں۔ لیکن قدما کے پہلے دور سے اردو شاعری نے بالکل ایک کسبی فن کی صورت اختیار کر لی اور شاگردی استادی کا باضابطہ سلسلہ قائم ہوگیا۔ اس لئے شعرائے اردو کے کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ جس کو اردو شاعری کی تاریخی کے سلسلے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، تلامذہ کی ترتیب وبرداعت ہے'' ۵۰؎

استادی شاگردی کے سلسلے میں مولانا محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہے کہ انگریزی شاعری میں چاسر،

www.urduchannel.in

فارسی میں رودکی اور عربی میں مسلسل کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ اور وہ ثبوت میں مشہور عربی قول ''الشعرا'' تلامیذ الرحمٰن پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی بات کی مزید تصدیق کے لئے دانائے فرنگ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ''شاعر اپنی شاعری ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے''۔ ۵۱

اردو شاعری میں استادی شاگردی کی روایت کا باضابطہ آغاز قدما کے پہلے دور سے ہوتا ہے۔ خان آرزو اور جان جاناں مظہر کے ذریعے اردو شاعری میں استادی شاگردی کی باقاعدہ، ابتدا ہوئی۔ اس دور کے اکثر بڑے بڑے شاعر یا تو براہ راست انھیں دونوں اساتذہ کے شاگرد تھے یا پھر انھوں نے بالواسطہ ان کی تربیت کے اثرات قبول کئے تھے۔ محمد شاہی دور کے سب سے بڑے شاعر شاہ مبارک آبرو، خان آرزو کے شاگرد تھے۔ شرف الدین مضمون کو میر تقی میر اور میر حسن دہلوی نے خان آرزو کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔ ۵۲

مصطفے خان یکرنگ، ٹیک چند بہار اور آنند نرائن مخلص انھیں کے شاگرد و تربیت یافتہ تھے۔ نئی نسل کے شعرا میں، سودا، درد نے خان آرزو کی ہی صحبت کے فیض اٹھایا تھا۔ میر اپنا ابتدائی کلام اپنے ماموں خان آرزو کو دکھاتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے شعرا اور اہل علم و ادب اپنا کلام اور مسودات انھیں اصلاح کے لئے بھیجتے تھے۔ خوشگو نے اپنا تذکرہ ''سفینۂ خوشگو'' اصلاح کے لئے خان آرزو کی خدمت میں پیش کیا تھا ۵۳ حکیم لاہوری نے لکھا ہے کہ میں نے اپنا دیوان ان کی خدمت میں پیش کیا کہ غور و فکر کی نظر سے دیکھ کر اس کے حسن و قبح سے آگاہی بخشیں ۵۴ خواجہ محمد یحییٰ خان خود نے بھی اپنی غزل آرزو کے سامنے اصلاح کے لئے پیش کی تھی ۵۵ مرزا مظہر جانِ جاناں کے شاگرد انعام اللہ خان یقین دہلوی، شیخ علی حزین اور دردمند تھے۔ اس کے علاوہ خواجہ

www.urduchannel.in

احسن دین خان بیان بھی مرزا مظہر جان جاناں کے شاگرد تھے۔اس کا اعتراف انھوں نے ذیل کے شعر میں کیا ہے۔

جب شاگرد ہوا حضرت مظہر کا بیان
کیا شاگردی کا اقرار سب استاد ون نے

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ مرزا مظہر جان جاناں اپنے شاگردوں کی اصلاح وتربیت ہی کے لئے اردو میں فکر سخن کیا کرتے تھے ۵۶ عبدالوہاب یکرو، محمد حسن فدوی، ناجی سید غلام غلام، شہاب الدین ثاقب اور محمد عارف آبرو کے شاگرد تھے۔صلاح الدین اور میر مکھن پاکباز یکرنگ کے شاگرد تھے۔ان شاگردوں کے علاوہ کچھ ایسے شعرا بھی تھے جنھوں نے براہ راست زانوئے تلمذ تہ نہ کیا تھا، لیکن آرزو، مظہر اور آبرو کے رنگ سخن سے فیض اٹھایا تھا۔شاہ حاتم نے مرزا محمد رفیع سودکو ''دیوان زادہ'' میں اپنے شاگردوں کے زمرے میں شمار کیا ہے۔وہ اپنی اس خوش قسمت پر نازاں بھی تھے کہ انھیں ایسا استاد زمانہ شاگرد ملا ۵۷ روایت مشہور ہے کہ شاہ حاتم جب سودا کی غزل کو اصلاح دیتے تھے تو اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

از ادب صاحب خموشم ورنہ در ہر وادیٔ
رتبۂ شاگردیٔ من نہست استاد مرا

میر قاسم نے لکھا ہے کہ حاتم نے ''دیوان زادہ'' کے دیباچے میں اپنے پینتالیس شاگردوں کا نام درج کیا ہے۔جن میں سودا، تابان، مرزا عظیم بیگ عظیم، مرزا محمد یار بیگ، مرزا سلیمان شکوہ، بقاء اللہ بقا، شیخ محمد امان نثار، لالہ مکند سنگھ فارغ، بیدار اور رنگین کے نام مشہور ہیں۔

صوفیوں کے سلسلوں کی طرح اردو شاعری میں بھی استادی شاگردی کے

www.urduchannel.in

باقاعدہ سلسلے قائم ہوئے اور انھیں صوفی سلسلوں کی طرح شاعری میں بھی جانشیں استاد کی روایت نے جنم لیا۔ بعض اوقات جانشیں کے لئے بیک وقت کئی دعویدار بھی پیدا ہو جاتے تھے مثلاً سائم دہلوی کے شاگردوں نے دہلی میں خوب اودھم مچایا۔ کچھ شاگردوں نے نوح ناروی کو جانشیں مانا تو اہل بہار نے مبارک عظیم آبادی کو داغ کا جانشیں قرار دیا۔ اسی طرح بنگال میں بھی وحشت کے انتقال کے بعد ان کی جانشیں کا قبضہ بے خود اور شاکر کلکتوی کے ماننے والوں کے درمیان کچھ عرصہ تک کشیدگی کا باعث رہا۔

اردو شاعری کے چھوٹے بڑے کئی مراکز تھے جو اپنے طور سے اردو شعر و ادب کی خدمت کر رہے تھے۔ دہلی، لکھنو، عظیم آباد، رامپور، مرشد آباد اور کلکتہ وغیرہ میں شعر و شاعری کی محفلیں منعقد ہوتی اور اہلِ کمال شعرا اپنے شاگردوں کو لے کر شعری نشستوں میں شریک ہوتے تھے۔ مذکورہ بالا مراکز میں دہلی کو اولیت حاصل تھی۔ اردو شاعری کی باضابطہ ابتدا یہیں سے ہوئی۔ اور یہیں پر اساتذۂ فن نے اسے پروان چڑھایا۔ مگر جب دہلی پر تباہی آئی تو تمام شعرا نے یہاں سے ہجرت کر کے دوسرے شہروں میں پناہ لی۔ یہ اساتذہ فن جہاں کہیں بھی گئے استادی کی روایت ساتھ کر گئے چنانچہ مراکز میں اگر استادی شاگردی کی کڑیاں تلاش کی جائیں تو ناسخ لکھنوی کے سلسلے کے سوا بقیہ سلسلوں کی آخری کسی نہ کسی دہلوی استاد کے ہاتھ میں نظر آئے گی۔ مثلاً مرثیہ کو جو فروغ لکھنو میں ہوا اور فنی تکمیل کی جس بلندی پر پہنچا اس کی کوئی مثال اردو و شاعری کے دوسرے مراکز حتیٰ کہ دہلی میں بھی نہیں ملتی لیکن لکھنو میں مرثیہ کے فروغ کا یہ سلسلہ بھی براہ راست دہلوی شعرا سے جا کر مل جاتا ہے۔ میر خلیق کے والد میر حسن نے سودا سے اصلاح لی اور میر خلیق نے صنف مرثیہ میں طرز جدید کی بنا ڈالی اور ان کے بیٹے میر انیس نے اسے فنی کمالات سے آراستہ اور مزین کیا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے میر نفیس نے اس

www.urduchannel.in

طرح یہ سلسلہ بیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوتے میر عشق عاشق اور تعشق تک پہنچا اور پھر اس سلسلے کے بعد مرثیے میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ حتیٰ کہ میر ضاحک، صغیر، خلیق، دبیر وانیس اور ان کے جانشینوں نے مرثیہ کو ایسی ترقی دی کہ شاعری میں اسے مستقل اور اہم فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ درحقیقت لکھنو میں مرثیہ کی باقاعدہ فنی ترقی خلیق ہوئی جو سلسلہ مصحفی کا فیضان ہے۔ خلیق اور صغیر مصحفی کے شاگرد تھے۔ اور صغیر کے شاگرد مرزا دبیر تھے۔ انشا مصحفی و ناسخ، غالب، مومن اور ذوق دہلوی کے سلسلے دہلی سے لکھنو، عظیم آباد، رامپور اور کلکتہ وغیرہ شعری مراکز تک کچھ اس طرح پھیلے کہ کڑیاں الجھ کر رہ گئیں۔ اگر صرف مصحفی ہی کے سلسلے پر غور کریں تو یہ سلسلہ مصحفی کے شاگرد اسیر، اسیر کے شاگرد امیر مینائی اور امیر مینائی کے شاگرد وسیم خیرآبادی اور وسیم خیرآبادی سے ہوتا ہوا فراق گورکھپوری تک آتا ہے۔ دراصل جتنے اساتذۂ فن سلسلہ مصحفی میں نکلے اتنے کسی اور کے سلسلے کو نصیب نہیں ہوئے۔

استادی بہت سے شعرا کے لئے ذریعۂ معاش بھی رہی۔ مصحفی مالی پریشانیوں کے سبب اپنے اشعار فروعت کر لیتے تھے۔ رام بابو سکسینہ مصحفی لکھتے ہیں

''مشاعروں کے لئے بکثرت کہتے معمولی غزلیں خریداروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے اور منتخب اشعار اپنے لئے رکھ لیے اس خیال کی تائید مولانا محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں اور ڈاکٹر ابولیت صدیقی نے ''لکھنو کا دبستان شاعری'' میں بھی کی ہے۔ شاکر کلکتوی بھی ان کے شاگردوں کی جانب سے ماہانہ ملتا تھا۔ بہزاد لکھنوی کے استاد ذاکر لکھنوی فی غزل ایک روپیہ بطور نذرانہ لیتے تھے۔

استادی شاگردی کی روایت میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ اکثر شعرا اساتذہ فن کے سامنے اس وقت تک زانوئے شاگردی تہ نہ کرتے تھے جب تک کہ ان کی

www.urduchannel.in

شاعرانہ استعداد کو پرکھ نہ لیتے تھے۔ اس سلسلے میں نوح ناروی کا دلچسپ واقعہ بیان کرنا غیر ضروری نہ ہوگا۔

نوح ناروی نے ایک بار ایک غزل اصلاح کے لئے امیر مینائی کے پاس رامپور بھیجی انھوں نے اصلاح دیکر غزل نوح ناروی کو واپس بھیج دی نوح نے امیر مینائی کی اصلاح کردی غزل کو مزید ایک غزل کے ساتھ جلال لکھنوی کے پاس بھیجا۔ جلال نے تازہ غزل پر اصلاح دے ہی دی اور امیر مینائی کی اصلاح کعدی غزل میں بھی ترمیم و تنسیخ کی اور تحریر کیا کہ اصلاح کا معاوضہ فی غزلی ایک روپیہ۔ پھر جس نئ غزل پر جلال نے اصلاح دی تھی اسے امیر مینائی کے پاس بھیجا امیر مینائی نے اصلاح شدہ غزل میں بہت کچھ تبدیلیاں کر دیں۔ ان اصلاحوں کو دیکھ کر نوح ناروی دونوں ہی طرف سے بد دل ہو گئے چنانچہ ایک نئ غزل بغرض اصلاح داغ دہلوی کے پاس حیدرآباد بھیجی وہاں سے غزل اصلاح ہو کر واپس آئی تو اس کی دو نقلیں کر کے ایک امیر مینائی اور دوسری جلال لکھنوی کے پاس روانہ کی اس پر دونوں اساتذہ نے کوئی نقطہ نہیں لگایا چنانچہ داغ دہلوی کی اصلاحیں مکمل طور سے کسوٹی پر پوری اتریں۔ اور نوح ناروی داغ دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔

اردو شاعری میں استادی شاگردی کی روایت مفید بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ مفید اس لئے کہ زبان و بیان محاورہ و روزمرہ اور فنِ شعر کی باریکیاں اساتذہ فن سے مشورہ کے بغیر گرفت میں نہیں آتیں۔ اور استاد شاگرد کی پکڑ کہیں نہ کہیں ضرور ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اساتذہ فن میں اپنے شاگردوں کے کلام کی غلطیوں پ نشاندہی کیں اور اصلاحیں دیں۔ مثلاً غالب نے منشی حسیب الدین سوزاں سہارنپوری کے ایک شعر پر اصلاح دی اور غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اصلاح کا کواز بھی فراہم کیا شعر ہے۔

www.urduchannel.in

جو دل میں ہے وہ کہہ نہیں سکتا کسی طرح
چپ ہوں اگرچہ لذت جلوہ چشیدہ ہوں

غالب نے اصلاح دی۔

جو دل میں ہے کہا نہیں جاتا زبان سے
میں مثل گزگ لذت حلوہ چشیدہ ہوں

اصلاح دینے کے بعد غالب نے فرمایا کہ دونوں مصرعوں میں تصرف اس حسن سے کیا گیا ہے کہ شعر روانی وسلاست کے علاوہ لطفِ زبان پیدا ہوگیا ہے۔ ''کہا نہیں جاتا زبان سے'' اس ٹکے کی کیا بات ہے اور دوسرے مصرعے میں ''مثل گزگ'' کی کیا تعریف ہو۔ بے ساختہ یہی مصرعہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

سجادہ تلمیز داغ نے ایک غزل اصلاح کے لئے استاد کے پاس بھیجی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

اس کو خنداں دیکھ کر خنداں جام خنداں رہ گیا
شیشۂ گریاں بھی مجھ گریاں پہ گریاں رہ گیا

داغ کی اصلاح کے بعد شعر کے حسن میں اضافہ ہوگیا۔

اس کو خنداں دیکھ کر خنداں رہا جام شراب
شیشۂ گریاں میرے گریہ پہ حیراں رہ گیا

اصلاح سے قبل شعر نہایت بے کیف اور زبان شعر بے حد ناہموار تھی۔ پہلے مصرعہ میں خنداں تین مرتبہ ایک دوسرے سے متصل آئے تھے۔ داغ نے ان میں ایک ''خنداں'' کم کیا مزید کہ ''جام شراب'' کی ترکیب کے ذریعے مصرعہ کی بندش چست کی۔ اس

www.urduchannel.in

بندش میں ''رہ گیا'' کی جگہ داغ کے ''رہا'' نے معاونت کی۔ دوسرے مصرعہ میں ہر تین مرتبہ گریاں آیا تھا، جس میں داغ نے ضرب کی گریاں کی جگہ ''حیراں'' رکھا ہے۔ حیرانی ایک نفسیاتی صورت حال ہے، جس کے ''شیشۂ گریاں'' پر اخلاق سے ایک پیکر کی تخلیق ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ بقیہ دو گریاں میں بھی ایک کی انفی آواز (نون غنہ) کم کیا جس سے شعر میں بے جا تکرار کا عیب دور ہو گیا چنانچہ اصلاح کے بعد اس مفہوم پر شعر کی زبان و بیان میں صفائی اور روانی آ گئی۔

اسی طرح لکھنوی شاعری کے آخری نمائندہ امیر مینائی نے اپنے ایک شاگرد زاہد کے کلام پر غلطیوں کی نشاندہی کر کے اصلاحیں دیں شعر یہ تھا۔

آہ ہم سے دوستوں نے دشمنی کی کس قدر
دشمنوں کی دشمنی کا سب گلہ جاتا رہا

لیکن اصلاح امیر مینائی سے شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

دوستوں نے درست بن کر دشمنی کی اس قدر
دشمنوں کی دشمنی سب گلہ جاتا رہا

اصلاح کے بعد فرماتے ہیں کہ بیان میں سلاست اور بندش میں ذرا چستی آ گئی ہے۔ اور الفاظ کا تناسب بھی ٹھیک ہو گیا ہے۔

پھر زاہد کا یہ شعر۔

گیا جو وقت اسے سمجھو گیا، پھر کر نہیں آتا
نہ پاؤ گے نہ پاؤ گے کہیں دیکھو کہیں ڈھونڈو

استاد امیر مینائی نے اصلاح دی۔

گیا جو وقت وہ پھر نہیں آتا

www.urduchannel.in

نہ پاؤ گے نہ پاؤ گے کہیں دیکھو کہیں ڈھونڈو

امیر مینائی فرماتے ہیں کہ مصرعہ ثانی میں جو ''نہ پاؤ گے'' کہ تکرار مفید تاکید ہے اس کے مقابل مصرعہ اولیٰ میں ''نہیں آتا'' کی تکرار زیادہ مناسب وموزوں ہے۔ مالک رام نے استادی شاگردی کے افادی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> ''اگر استاد شاگرد کے کلام پر فنی پہلو سے اصلاح دے، اسے عرض کے نکات بتائے زبان کی نزاکتوں سے آگاہ کرے، فصاحت کے مدارج کی تعلیم دے دوسرے لفظوں میں اگر وہ اپنے خیالات ورجحانات شاگرد پر نہ ٹھونسے بلکہ صرف اس کی ذاتی قابلیتوں کی کرے یا اس کی مخفی شاعرانہ قوتوں کو ابھارنے میں اس کی مدد کرے تو وہ شاگرد استاد سے استفادہ کرنے کے بعد ماہر فن ہوجائے گا اور اگر واقعی قدرت نے اس میں صحیح شاعرانہ ذوق ودیعت کیا ہے تو اس کی شاعری غیر معمولی طور پر کامل عیار ہوجائے گی''۵۹

یہ روایت نقصان دہ اس لئے ہے کہ شاگرد اجتہادی فطرت کا مالک نہیں ہوتا وہ استاد کی لکیروں کا فقیر بن کر اپنی شخصیت کھو بیٹھتا ہے استاد چاہتا ہے کہ شاگرد اس کا ہم خیال ہو ورنہ بجائے اصلاح مصرعوں کے مصرعے بدل ڈالتا ہے۔ چنانچہ بہت سے شاگرد چاہتے ہوئے بھی استاد کے رنگ سخن کو ترک نہ کر سکتے تھے کیوں کہ یہ اس دور کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس کا لازم نتیجہ یہ نکلا کہ شاگردوں کی اپنی شخصیتیں استاد کی شخصیت میں ضم ہو گئیں اور ان کی ذاتی استعداد کی تقریت نہ ہوسکی۔ استادی شاگردی کے منفی پہلو کو رام

www.urduchannel.in

بابو سکسینہ نے ان الفاظ میں اجاگر کیا ہے۔

''شاگرد عموماً'' اپنے استاد کا متبع کرتے ہیں۔ استاد سے انحراف کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اس اتباع کی وجہ سے قدرتی ذہانت اور طباعی کا خون ناحق ہوتا ہے۔ اور شاعری بھی رسمی رہ جاتی ہے۔ کبھی کبھی البتہ کوئی خاص آدمی اس دائرہ اتباع سے علاحدہ ہو کر شہرت حاصل کر لیتا ہے'' ۶۰؎

استادی شاگردی کے منفی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر آل احمد سرور نے صحیح لکھا ہے کہ

''استادی شاگردی کی روایت صنعتی معیار سے آگے بڑھ کر شاعر کی رائے کو مقید کرتی تھی'' ۶۱؎

''شعرالہند'' کے مصنف نے شاعری کے کسبی (اکتسابی) اور وہبی فن ہونے کی بحث کو بھی اس رقابیت سے منسلک کیا ہے۔ شاعری کی صلاحیت وھبی ہے۔ یہ اکتساب سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ جس میں شاعری کا مادہ ہوتا ہے وہی شاعر بنتا ہے۔ شاعری کی سب سے پہلی علامت موزونی طبع ہے۔ جو انسان یہ ملکہ مان کے پیٹ سے لے کر پیدا ہوتا ہے۔ وہ خود بہ خود شاعری کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور شعر کہتے کہتے معراج کمال حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی وضاحت مولانا الطاف حسین حالی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''جن لوگوں کی فطرت میں اس کا ملکہ ہوتا ہے ان کی طبعیت ابتدا ہی سے راہ دینے لگتی ہے۔ اگر وہ کسی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو طبعیت کا اقتضا ان کو جبراً اس کی طرف کھینچ کر لاتا ہے۔ وہ جب اس کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ان کو کچھ نہ کچھ

www.urduchannel.in

کامیابی ضرور ہوتی ہے۔اوراس لئے ان کا دل روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ان کو اپنی قوت ممیّزہ پر پورا بھروسا ہوتا ہے۔ وہ اپنے کلام کی برائی و بھلائی کا بغیر اس کے کہ کسی مشورہ یا اصلاح لیں آپ اندازہ کر سکتے ہیں ان کی طبعیت میں ہر حالت اور ہر واقعہ سے خواہ وہ حالت اور واقعہ خود ان پر گزرے یا زید وعمر پر یا چیونٹی پر متاثر ہونے کی قابلیت ہوتی ہے اور اس قابلیت سے اگر وہ چاہیں تو بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں ان کو خارج سے اپنی شاعری کا مسالہ فراہم کرنے کی صرف اسی قدر ضرورت ہوتی ہے جس قدر بیے کو اپنے گھونسلے کے لئے بھونس اور تنکوں کے باہر سے لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ وہ سلیقہ جو الفاظ وخیالات کی ترتیب وانتخاب کے لئے درکار ہے۔ وہ اپنی ذات میں اس طرح پاتے ہیں جس طرح کہ بیا گھونسلا بنانے کا ہنر اور سلیقہ اپنی ذات میں پاتا ہے''۶۲ے

حالی نے مندرجہ بالا اقتباس ملکہ شاعری کے وہبی ہونے کی توثیق کی ہے۔ایک حقیقی شاعر کے لئے کسی استاد سے وابستہ ہونا ضروی نہیں، کیوں کہ یہ قدرت کی طرف سے عطا کردہ وہ صلاحیت ہے جسے روایتی ''اصلاح'' کی چنداں ضرورت نہیں۔اس میں شک نہیں کہ اصلاح سخن کے ذریعے شاعری کو جلا ملتی ہے۔استاد اصلاح فن سے زبان و بیان اور شعر کے تمام عروض وفنّی نکات درست کرسکتا ہے۔مگر شاگرد میں شاعری کا مدہ نہیں پیدا کرسکتا چنانچہ اس سے نفسِ شعر میں ترقی نہیں ہوسکتی اور نہ تو شاگرد ذاتی استعداد ہی حاصل کرسکتا ہے۔اس نکتے پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا الطاف حالی رقمطراز ہیں۔

''ہمارے ملک میں جو شاعری کے لئے ایک استاد قرار دینے کا دستور اور اصلاح کے لئے ہمیشہ اس کو اپنا کلام دکھانے کا قاعدہ قدیم سے چلا آتا ہے اس سے شاگردی کے حق میں معتد بہ فائدہ مترتب ہونے کی امید نہیں ہے۔استاد شاگرد کے کلام میں اس سے زیادہ اور کیا کرسکتا ہے کہ کوئی گریمر کی غلطی بنادے یا کسی عروضی یا لغزی کی

www.urduchannel.in

اصلاح کر دیں لیکن اس سے نفس شعر میں کچھ ترقی نہیں ہوسکتی رہی یہ بات کہ استاد شاگرد کے بہت کلام کو بلند کر دے یا شاگرد کو اپنا ہمسر بنا دے سو یہ امر خود استاد کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے۔ اگر استادوں میں شاگردوں کو اپنا ہمسر بنانے کی طاقت ہوتی تو ملا نظامی صاحب زاد کو یہ نصیحت نہ کرتے۔

در شعر مجو بلند نامی کاین ختم شدت بر نظامی

اور اگر کمال شاعری کسی کا تلمذ اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے تو سنائی، نظامی، سعدی، خسرو اور حافظ ضرور ایسے استاد نکلتے جن کی شہرت شاگردوں سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر یا ان سے کم تو ضرور ہوتی''۶۳؎

اس کے باوجود شاعری میں ''اصلاح'' کی روایت سے ایک بڑا فایدہ یہ ہوا کہ جہاں شاگردوں میں تنقدی بصیرت کو تقویت اور جلا ملتی تھی وہیں انھیں مشق کی بھی عادت پڑتی تھی تاکہ کے ان کے کلام میں فن شعر کے تسامح کا امکان باقی نہ رہے۔ مشق و محنت ہی سے اعلیٰ درجے کا کلام وجود میں آتا ہے بقول اقبال۔

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

بیشتر شعرا نے شعر کو ''مناعی'' کے مترادف قرار دیا ہے۔ آتش کا مشہور شعر ہے۔

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کی

حالی لکھتے ہیں کہ جس طرح ریچھنی اپنے بدشکل بچوں کو چاٹ چاٹ کر چکنا اور چمکدار بناتی ہے۔ اس طرح شاعر اپنے شعر کو سنوارتا ہے۔

درحقیقت اکتسابی فن سے زبان و بیان کی خامیوں سے ہماری شاعری عہد بہ

www.urduchannel.in

عہد پاک ہوتی رہی۔ اکتسابی شاعری کا حال یہ ہے کہ وہ اصول سے ناپ کر اور قواعد کے تول کر شعر کہنیت کی عادت ڈلواتی ہے۔ شاعری کے اکتسابی اور وہبی فن کی مختصر سی بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہبی شاعری عروض وقواعد کے جامد اصولوں سے آزاد ہوتی ہے۔ جب کہ اکتسابی شاعری عروض وقواعد اور قوافی و ردیف کے جامد اصولوں کی جکڑ بندیوں میں پھنسی رہتی ہے۔ اکتسابی اور وہبی شاعری کی حدود کے سلسلے میں مالک رام رقمطراز ہیں۔

> ''جہاں تک نفس شاعری کا تعلق ہے یہ نبوت کی طرح ایک وہبی چیز ہے۔ اور اسے اکتساب سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رہا اس کا خارجی لباس یعنی الفاظ تو ظاہر ہے کہ چیز علم وفن سے تعلق رکھتی ہے۔ اور دوسرے علوم وفنون کی طرح اسے بھی با قاعدہ حاصل کرنا پڑے گا۔''۲۴

اکتساب فن کی اس روایت سے نقد شعر کا معیار متاثر ہوا۔ قواعد زبان کی پابندی اور صنائع پر قدرت اچھے شعر کے لوازم مقرر ہوئے اور شاعر کی تخلیقی جدوجہد کا مرکز انفرادی تجربے کے بجائے محسناتِ شعر قرار پائیں۔

۳۔ موازنہ اور مقابلہ کی روایت

اردو شاعری میں موازنہ اور مقابلہ کی روایت بہت قدیم ہے۔ تذکرے

www.urduchannel.in

تواریخ، ادب اور شعرائے دواوین کے اوراق اشارہ کرتے ہیں کہ قدیم طرحی مشاعرے کی روایت کے ساتھ ہی ساتھ موازنہ اور مقابلہ کی روایت کا آغاز ہوا۔ مشاعرہ میں مصرعہ طرح پاتا۔ اہل فن ایک سے بڑھ کر ایک نادرونایاب مصرعہ لگاتے اور کوشش کرتے کہ اس زمین میں کوئی اچھا قافیہ چھوٹنے نہ پائے۔ پس پردہ ہر ایک شاعر کہ یہ کوشش ہوتی کہ میں جو مصرعہ اور قافیہ باندھوں وہ دوسرے کے حصے میں نہ آئے۔ گویا ہر ایک شاعر دوسروں پر سبقت لے جانے کا جذبہ رکھتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شعرا اپنے کلام کو سنوارتے اور نکھارنے میں ساری صلاحیتیں صرف کرتے تھے۔ مشاعروں میں شرکت کرنے کے لئے بہتر سے بہتر اشعار کہنے کی کوشش ہوتی تھی اس لئے یہ محفلیں ذوق سخن کی تربیت گاہ تھیں جہاں ذوق سلیم کی تربیت ہوتی تھی۔ سخن فہمی اور نکتہ شناسی کے جوہر نمایاں ہوتے تھے۔ اس امر پر کبھی کبھی مشاعروں میں نوک جھونک اشارتا'' وکنایتا'' چوٹیں، فی البدا شعار ہوا کرتے۔ مثلاً ایک مرتبہ مشاعرہ میں ایک شاعر نے یہ شعر پڑھا۔

اہلِ جوہر نہیں جھکتے ہیں کسی کے آگے
ٹوٹتی ہے وہی تلوار جو فولادی ہے

تمام مشاعرے نے خوب داد دی لیکن ان کی حریف نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

نیک و بد سب جھک کے ملتے ہیں
دونوں ناکوں پہ تیغ کستی ہے

لیکن ایسا بھی ہوتا تھا کہ یہ لطیف وپُر مذاق چوٹیں ہجریات کی صورت اختیار کر لیتی تھیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں کہ حاتم کے دور میں میر گروہ بند میں لگے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ سب استادوں کو راستے سے ہٹا کر خود صدر مجلس بن جائیں۔[۶۵] حاتم پرانے استاد

www.urduchannel.in

تھے ان کے شاگرد سارے دلی میں پھیلے ہوئے تھے۔ میر کچھ کہتے تو شاگردان حاتم ان کی خبر لیتے۔ حاتم کے شاگرد بقاءاللہ خان بقا سے میر کا جھگڑا ہوا تو طرفین نے ہجویں لکھیں۔ میر نے انھیں ایک مشاعرہ میں مثنوی ''آژدرنامہ'' سنائی۔ جس میں اپنے آپ کو ایک بڑا اژدھا ثابت کیا۔ اور اپنے معاصریں کو کیڑا مکوڑا کہا۔ اس مثنوی کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

میری قدر کیا ان ان کے کچھ ہاتھ ہے
جو اللہ ہے میرا وہ میرے ساتھ ہے
کہاں پہنچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

حاتم کے شاگرد محمد امان نثار نے سر مشاعرہ جواباً یہ شعر پڑھا۔

پگڑی اپنی سنبھالئے گا میرؔ اور بستی نہیں یہ دلی ہے

اردو ادب میں میر و سودا انشا و مصحفی آتش و ناسخ، انھیں و دبیر شاہ نصیر و ذوق اور امیر و داغ کی معرکہ آرائیوں نے تاریخی حیثیت اختیار کر لی ہے ابتدائی مقابلے معاصرانہ چشمک تک محدود تھے میر کی اصلاحوں پر سودا کا نہایت لطیف طنز یا سودا اور میر کے ایک دوسرے کے متعلق بعض اشعار اس کی مثال میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن لکھنو میں ان چشمکوں نے بھکڑ یں اور ابتز ال کی صورت اختیار کر لی تھی۔ انشاء و مصحفی کے درمیان اس قدر اختلاف ہوا کہ فوجداری تک نوبت پہنچی۔ انیس و دبیر کی مجلس گروہ بندی کو مولانا محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ہر ایک کے مداحوں کو انیسے اور دبیریے کے نام سے یاد کیا ہے۔ ناسخ اور آتش کی فرقہ بندی اور نوک جھونک سے اس عہد یں لکھنو دو گروہوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ امیر و داغ کی معاصرانہ

www.urduchannel.in

چشمکیں آخر تک رہی ہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے فراق و اثر میں خوب لے دے رہی ہے۔ بہرکیف یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو ہر دو بڑے فنکاروں کے درمیان رہا ہے۔ اور رہے گا ڈاکٹر عابد پیشاوری لکھتے ہیں۔

''معرکوں اور مناقشوں میں عموماً دو طرح کے ادیب ملوث ہوتے ہیں ایک وہ جو خود دوسروں پر انگلی اٹھاتے ہیں اور جواباً چھیڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پہلا گروہ احساس برتری کا شکار ہوتا ہے اور دوسرا پاس خودی سے مجبور''۶۶؎

اردو شاعری میں ایسی ہی ایک روایت انشا اور مصحفی کی ہے اس دور کے لکھنؤ میں موازنہ اور مقابلہ تا عہد شباب انھیں دونوں اساتذہ کے دور سے وابستہ ہے۔ انشا و مصحفی اور ان کے معاصرین کے آپس موازنہ اور مقابلوں سے اردو شاعری کو بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ جس طرح دہلی میں مرزا مینڈ ھوں کے یہاں مشاعرہ ہوتا تھا اور ان مشاعروں میں انشا اور ان کے معاصرین میں خوب مقابلہ ہوتا تھا اسی طرح لکھنؤ میں مرزا سلیمان شکوہ جو بادشاہ شاہ عالم (دہلی) کے بیٹے تھے، لکھنؤ میں قیام پذیر تھے۔ خود شعر کہتے تھے اور شعرا کی قدر کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے دربار میں انشا مصحفی جرأت اور اس عہد کے دیگر شعرا کو باریابی حاصل تھی یہاں آئے دن مشاعرے ہوتے جس میں خاص طور سے انشا مصحفی اور رنگین کے علاوہ میر سوز جرأت، مرزا نعیم بیگ جوان، شیخ محبّ اللہ محبّ شریک ہوتے تھے۔ یہی وہ دربار ہے جہاں انشا اور مصحفی نے بڑے بڑے مقابلے ہوئے دربار میں ایک دن مشاعرہ ہوا جس لکھنؤ کی مروجہ رواج کے مطابق عجیب قوافی و ردیف کی ''طرح'' دی گئی مصحفی نے غزل پڑھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

www.urduchannel.in

سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن
نے موٹے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن
وہ ہاتھ میں ماہی سقنقور کی گردن
دل کیونکہ پری، حور کا، پھر اس پہ نہ پھسلے
صانع نے بنائی ہے تری بلور کی گردن

انشا نے سر مشاعرے اس غزل پر فنی و ادبی اعتراضات کئے بھلے ایک قطعہ کہا اور پھر جواب میں ایک غزل پڑھی۔ اعتراضات کی نوعیت یہ تھی کہ غزل میں خوشگوار تغزل آمیز قوافی کو برتنا چاہئے نہ کہ غیر مانوس اور ثقیل قوافی استعمال کئے جائیں۔ اس کے علاوہ لفظ ''بلور'' حالانکہ تشدید کے ساتھ درست ہے لیکن بغیر تشدید ہے۔ اس لئے اس کا قافیہ بلور نہ لکھنا چاہئے دوسرے یہ کہ مضامین میں بھی غزل کی مناسبت کے شگفتگی اور طراوت ہونا چاہیے نہ کہ ''کافور'' کا مضمون لکھ کر ذہن کو مردوں کی تجہیز و تکفین کے عمل کی طرف راغب کیا جائے۔ ''سقنقور کی گردن'' اور ''کڑوی کمان'' بولنا خلاف قاعدہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ اس قطعہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں۔

بلور گو درست ہے لیکن ضرور کیا
خواہی نہ خواہی اس کو غزل میں کھپائیے
دستور و نور طور ہیں قافیے بہت
اس میں چاہئے تو قصیدہ سنائیے
کیا لطف ہے گردن کافور باندھ کر
مردے کی باس زندوں کو لا کر سنگھائیے
گردن کا دخل کیا ہے سقنقور میں بھلا

www.urduchannel.in

سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائے
مشفق کڑی کمان کو کڑوی نہ بولئے
چلا کے مفت تیر ملامت نہ کھائے
اردو کی بولی ہے یہ بھلا کھائے قسم
اس بات پر اب آپ ہی مصحف اٹھائے

اس کے بعد مصحفی کی زمین میں انشا نے غزل پڑھی۔ انھوں نے غزل میں مضامین کی ندرت اور زبان و بیان کی شگفتگی کا زیادہ خیال رکھا مخس قافیہ پیمائی نہیں کی ہے غزل کے چند اشعار یہ ہیں۔

اچھلی ہوئی ورزش سے تیرے ڈنڈ کی مچھلی
رکھ دونگا وہاں کاٹ کے ایک حور کی گردن
آئے کئے گرسیر کرے شیخ تو دیکھئے
سر خرس کا منھ خوک کا لنگور کی گردن
اے دیو سفید سحری کاش تو توڑے لک
اک مکے سے حور کے شب دیجو کی گردن
توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن
ہے نام خدا جیسے سقنقور کی گردن

اس کے بعد مصحفی نے اعتراضات کا جوب دیا اور انشا کی غزل پر اعتراضات بھی کئے۔ اور بتایا کہ ''بلور'' تشدید کے ساتھ درست ہے تو کیوں نہ باندھا جائے۔ ''کافور'' سے مطلب ''سفیدی'' ہے ''ٹھنڈک'' نہیں۔ ''سقنقور'' لفظ ''ماہی'' کے بغیر میں نے نہیں دیکھا اور تم نے جو بغیر ''ماہی'' کے لکھا ہے وہ غلط ہے اور تم نے جو غلطیاں کی ہیں ان کا کیا

www.urduchannel.in

جواب مثلاً ''خم بادۂ انگور کی گردن'' ٹھیک نہیں، صارحی کی گردن البتہ ہوتی ہے۔ اس طرح تم نے جو ''شب دیجور کی گردن'' باندہی ہے یہ کیا شئے ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

میں لفظ سقنقور مجرد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن
لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
اس واسطے باندہے کوئی لنگور کی گردن
گردن صراحی کے لئے وضع ہے ناداں
بیجا ہے خم بادۂ انگور کی گردن
جو گردنیں باندھیں ہیں میں لا تجھ کو دکھادوں
تم مجھ کو دکھا دے شب دیجو کی گردن
کافور تو میت کار سے سمجھے یہ ایں عقل
اور آپ جو پھر باندھے تو کافور کی گردن
لفظ مشد بھی درست آیا ہے تجھ سے
خم ہوتی ہے میری کوئی بلور کی گردن

اردو شعر و ادب کی ترغیض و ترقی میں موازنہ اور مقابلہ کا کفی دخل ہے۔ ادبی مقابلے بھی ایک نوع کے ہوتے تھے۔ اگر کوئی شاعر کلام میں کسی قسم کی فنی غلطی کر جاتا تو اسے محفل ٹوک دیا جاتا تھا۔ چنانچہ مشاعروں میں شعرا جو غزلیں پڑھتے ان کی نوک و پلک درست کرنے میں کافی ریاض کرتے تھے۔ اس کے باوجود کلام میں اگر کوئی خامی نکل گئی تو مشاعرہ ہی میں بڑی لے دے ہوتی۔ نوبت یہاں تک پہنچتی کہ بقول پروفیسر آل احمد

www.urduchannel.in

سرور۔

''موقع پڑے تو زبان کے ساتھ تیغ و تفنگ کی وار بھی آزمائے جائیں'' ۶۷

انشاو مصحفی کی شاعرانہ چشمک کی طرح ناسخ و آتش کی معاصرانہ شکر نجی کا بھی ذکر ہوتا ہے یہ دونوں استاد شعرا میں سے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ لکھنو کی شاعری ان ہی دونوں اساتذہ کی ممنوں ہے۔ ناسخ اور آتش کے وقت سے جتنے ممتاز غزل گو لکھنو میں گزرے ہیں ان ہی دونوں استاد فن کی پیروی کرنے والے نظر آتے ہیں۔ ناسخ اور آتش میں شاعرانہ مقابلے ہوا کرتے تھے اور بڑے بڑے مشاعرے ان ہی کے دم سے قائم ہوتے تھے۔ اس عہد میں لکھنو دو گروہوں میں بٹا ہوا تھا ایک جانبدارانِ ناسخ دوسرا طرفدارانِ آتش۔ آپس کے ادبی مقابلے سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ دونوں استادِ سخن مقابلہ کے خیال سے طبعیت پر زور دے کر کلام کہتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی لطیف پیرائے میں ایک دوسرے سے نوک جھونک ہوتی تھی۔ مولانا محمد حسین آزاد ناسخ اور آتش کے مقابلوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

> ''وہ (آتش) شیخ ناسخ کے ہم عصر تھے۔ مشاعروں میں اور گھر بیٹھے روز مقابلے رہتے تھے۔ دونوں کے معتقد کہ انبوہ درانبوہ تھے............کبھی کبھی نوکا چوکی ہوجاتی تھی کہ وہ قابل اعتبار نہیں'' ۶۷

ایک بار مشاعرے میں خواجہ آتش نے یہ مطلع پڑھا۔

سرمہ منظور نظر ٹھرا ہے چشم یار میں　　　　تیل کا گنڈا پہنچایا مردم بیمار

یہ مطلع سنتے ہی آتش کے حریف شیخ ناسخ نے کہا سبحان اللہ خواجہ صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے۔

www.urduchannel.in

سرمہ منظور نظر ٹھہرا جو چشم یار میں
نیلگوں گنڈا پہنایا مردم بیمار میں

خواجہ صاحب نے الٹا سلام کیا اور کہا ''جائے استاد خالی است'' ''مشاطہ'' سخن کے مصنف صفدر مرزا پوری لکھتے ہیں۔

''(ایک مشاعرہ) میں آتش و ناسخ مع اپنے شاگردوں کے تشریف لائے۔ میاں مصحفی استاد آتش مرحوم سے بھی وعدہ تھا۔مگر وہ ابھی مشاعرے میں نہ آئے تھے۔ مشاعرہ شروع ہوا ایک نومشق کم سن لڑکے نے ایک مطلع پڑھا۔

جس کم سخن میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال وہ ہے کہ تصور بول اٹھے

اس پر مشاعرہ کی چھتیں اڑ گئیں اور ناسخ محوم نے کئی بار اس مطلع کو پڑھوایا اور اس لڑکے کو خلافِ معمول بے حد داد دی۔ اس کے بڑھ لینے کے بعد مشاعرہ میں مصحفی تشریف لائے۔اہل بزم تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور صدر میں جگہ دی۔شیخ صاحب نے اپنے دل میں عزم کرلیا کہ استاد مصحفی کی باری آئے تو میں ان کو نیچا دکھاؤں۔ چنانچہ جب سب کے آخر میں شمع گردی کرتی ہوئی ان کے سامنے آئی ناسخ نے کہا کہ استاد آپ کے تشریف لانے کے قبل (لڑکے کی طرف اشارہ کرکے) اس لڑکے نے ایسا بے مثل مطلع پڑھا جس کی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ مصحفی نے کہا ہاں میاں پڑھا ہوگا۔ کہا کہ خواہش ہے کہ آپ بھی سن لیں۔ یہ کہہ کر اشارہ کیا اور ان کے ایک شاگرد نے استاد مصحفی کے آگے سے شمع اٹھا کر اس لڑکے کے سامنے رکھ دی اور لڑکے سے مخاطب ہوکر کہا کہ میاں ذرا اپنا مطلع استاد کو بھی سنا دو اس نے پھر وہی مطلع پڑھا آتش اپنے استاد کے آگے سے شمع اٹھوا لینے پر آگ ہو گئے۔اور ناسخ سے مخاطب ہوکر کہا۔ کہ کیا ایک غلط مطلع پر اس

www.urduchannel.in

قدر ناز کیا جاتا ہے۔تصویر کم سخن ہونا دوراز قیاس ہے۔اس وقت اصلاح دے کر لڑکے سے مخاطب ہوکر کہا کہ میاں اسے یوں پڑھو۔

جس بے زبان سے میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال وہ ہے کہ تصویر بول اٹھے

''آتش مرحوم کے اس جدت طبع میاں مصحفی دل میں اچھل پڑے اور شیخ صاحب صورت تصویر خاموش ہو گئے''۶۹؎

آتش اور ناسخ کے مقابلوں کا اثر لکھنو میں یہ ہوا کہ دونوں کے شاگردوں کے درمیان بھی موازنہ اور مقابلہ کا سلسلہ اس قدر جاری ہوا کہ مدتوں چلتا رہا۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں اساتذہ کے اکثر مقابلے شاعرانہ فن کے حدود میں رہے اور آپس میں ایک دوسرے سے احترام اور محبت بھی قائم رہی۔ چنانچہ ناسخ کی وفات کا آتش کو اتنا غم ہوا کہ انھوں نے پھر شعر کہنا ترک کردیا۔مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ

''جب شیخ ناسخ کا انتقال ہوا تو خواجہ صاحب نے ان کی وفات کی تاریخ کہی اوراس دن سے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ کہ کہنے کا لطف سننے اور سنانے کے ساتھ ہے۔جس سے سنانے کا لطف تھا جب وہ رہا تو اب شعر کہنا بکواس ہے''۷۰؎

شاہ نصیر اور ذوق کا بھی شاعرانہ موازنہ اور مقابلہ قابل ذکر ہے۔ان دونوں اساتذہ میں سرِ مشاعرہ ہی خوب سوال و جواب ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ شاہ نصیر کو

www.urduchannel.in

ذوق نے اپنی ایک تازہ غزل سنائی۔ انھوں نے خلافِ فطرت خوب تعریف کی اور کہا کہ تم اس غزل کو مشاعرہ میں ضرور پڑھنا۔ ذوق نے مشاعرہ میں غزل کا مطلع پڑھا تو اتفاق سے اس میں سرے ہی پر سبب خفیف کی کمی تھی۔ شاہ نصیر نے کہا کہ میاں ابراہیم مطلع تو خوب کہا ہے۔ ذوق کو شعبہ ہوا، غور کیا تو سبب خفیف کی کمی سمجھ گئے۔ ساتھ میں مناسب لفظ بھی یاد آ گیا اور انھوں نے مطلع دوبارہ پڑھا۔

(جس) ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے گر اس میں زلف سرکش ہو
زلف بنے وہ دست موسیٰ جس میں اخگر آتش ہو

ذوق نے جب مطلع دوبارہ پڑھا تو اتشاق یہ کہ مطلع کے مصرع دوم میں ''پھر'' کا لفظ نہ تھا چنانچہ شاہ نصیر نے خوب تعریف کی اور کہا کہ بھائی مطلع تو پھر پڑھنا۔ ذوق کے کہ کیا بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی ذہن نے مناسب لفظ بھی آ گیا انھوں نے مطلع سہ بارہ پڑھا۔

جس ہاتھ خاتم لعل کی ہے گر اس میں زلف سرکشی ہو
پھر زلف بنے وہ دست موسیٰ جس میں اخگر آتش ہو

شاہ نصیر کو ذوق کی جدتِ طبع پر بڑی حیرت ہوئی چنانچہ انھوں نے سرِ مشاعرہ پھر یہ اعتراض کیا کہ اس بحر میں شعر کہنا جائز نہیں۔ کسی استاد نے اس میں غزل نہیں کہی ہے۔ ذوق نے جواب دیا کہ بحریں آسمان سے نازل نہیں ہوتیں بلکہ موزوں طبع لوگوں نے حسب ضرورت ایجاد کی ہیں۔ مگر اس پر بھی شاہ نصیر مطمئن نہ ہوئے ایک بار کا ایک واقعہ اور ہے کہ ذوق نے ایک مشاعرہ میں پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

نرگس پھول بھیجے ہیں بٹوے میں ڈال کر
ایماں یہ ہے کہ بھیج دو آنکھیں نکال کر

اس مطلع پر شاہ نصیر نے سرِ مشاعرہ اعتراض وارد کیا کہ میاں ابراہیم پھول بٹوے میں

www.urduchannel.in

ڈالے نہیں جاتے۔ اس طرح کہو۔ ع نرگس کے پھول بھیجے ہیں دونے میں ڈال کر ذوق نے کہا استاد دونے میں رکھے جاتے ہیں ڈالے نہیں جاتے۔ اس لئے یوں کہنا چاہیئے۔

بادام دو جو بھیجے ہیں بٹوے میں ڈال کر
ایما یہ ہے کہ بھیج دے آنکھیں نکال کر

اس شاعرانہ موازنہ اور مقابلہ کی ایک کڑی انیس و دبیر کی ادبی مقابلہ آرائیاں ہیں۔ جو طویل مدت تک جاری رہیں۔ اور ان دونوں اساتذہ کی معرکہ آرائیاں ادب کا ایک حصہ بنیں۔ ان اساتذہ کے کلام میں تمام اشعار ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے جواب میں کہے گئے ہیں یا ایک ہی مضمون پر مختلف انداز میں طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اس طرح ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش ہوتی تھی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

انصاف کہاں سے ہو کہ دل صاف نہیں ہے
دل صاف کہاں سے ہو کہ انصاف نہیں ہے

(دبیر)

عالم ہے مکدور کوئی دل صاف نہیں ہے
دنیا ہے سب کچھ مگر انصاف نہیں ہے

(انیس)

انیس اور دبیر کے چند اشعار ایسے بھی ملاحظہ ہوں جن سے ایک دوسرے پر سرقے کا الزام لگایا گیا ہے۔ دبیر کہتے ہیں۔

سرقہ مضمون کا زبوں ہوتا ہے
یعنی علم نظم نگوں ہوتا ہے
پر ان میں جو مندرج ہے حال شہدا

www.urduchannel.in

اس سے مرے مرثیے کا خون ہوتا ہے

اور مرزا انیس کہتے ہیں۔

بہتا ہے انیس خون انصاف

مضمون مرے ہو رہے ہیں

اس دور کے اہل ذوق شعرا دو جنہوں میں منقسم تھے اور وہ انیسیے یا دبیریے کہلاتے تھے۔ ان میں برابر نوک جھونک رہتی تھی۔ بعض وقت تو یہ لوگ عین مجلس میں ایک دوسرے پر اعتراضات کی بوچھار کرتے تھے۔ ایک بار میرا انیس نے ایک مصرع پڑھا۔ ع جس طرح کہ نغمے کی صدا ساز یہ دوڑے

یہ مصرع سنتے ہی دبیریئے چلائے کہ اے حضور کیا خوب فرمایا ''بدوڑے'' پھر زحمت فرمائے۔ یا اس طرح ایک بار کا اور واقعہ ہے کہ مرزا دبیر نے ایک مجلس میں یہ مصرعہ پڑھا۔ ع گنج نبی کہ گوہر یکتا حسین ہیں۔

انیسڈے آئی پر کب چوکنے والے تھے۔ اے حضور سبحان اللہ ''گنجے نبی'' ہوہ ہوہ مرزا کو احساس ہوا اور انھوں نے فوراً مصرعہ بدل کر یوں پڑھا۔

ع کان نبی کے گوہر یکتا حسین ہیں

انیسڈے پھر نکتی نکالے واہ کیا خوب ''نبی گنجے تھے'' اب ''کانے ہوگئے''۔ چشم بدور چشم بدور میری آنکھوں میں ہف۔ مرزا دبیر نے سہ بار مصرعہ یوں پڑھا۔ ع بحر نبی کے گوہر یکتا حسین ہیں۔

انیسڈے پھر گوشہ نکالے سبحان اللہ ابھی تک نبی گنجے'' اور کانے تھے'' اور اب ''بحرے'' بھی ہوگئے۔ صلی علی، فصاحت کا دریا موج زن ہے۔ سامعہ کوثر وسبیل میں غوطے کھا رہا ہے۔

www.urduchannel.in

غرض اس طرح دونوں استاد زمانہ ایک دوسرے پر اعتراض وارد کرتے اور ایک دوسرے کے شعر کا جواب بھی دیتے رہتے تھے یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ ایک نے دوسرے کے جواب میں پورا پورا مرثیہ کہہ ڈالے۔ اس کے علاوہ ہمدرد داناں انیس و دبیر بھی ایک دوسرے کے نقائص و عیوب کو تلاش کرنے میں دن رات ایک کر دیتے تھے۔ اعتراضات ہوتے تھے اور جوابات دئے جاتے تھے۔اس سے انیسڈے اور دبیرئے مخالف گروہ سے چوکنا اور ہمیشہ رواں دواں رہتے تھے۔ اس لئے ان دونوں گروہوں کی ادبی معرکہ آرائیاں ضرب المثل بن گئی تھیں۔ مولانا امجد علی اشہری نے لکھا ہے کہ مرزا غالب کے شاگرد میر قربان علی سالک اپنی بیاض میں ۱۸۶۱ء کی یادداشت لکھتے ہیں۔

> ''میں دو مہینے سے لکھنو میں وارد ہوں۔ دلی میں مرزا غالب اور استاد ذوق کی چوٹیں دیکھتا سنتا تھا، مگر یہاں میر انیس اور مرزا دبیر کی معرکہ آرائی کا عالم نرالا ہے۔ ایک طرف کا معتقد دوسری طرف والوں میں ایسے دیکھا جاتا ہے جیسے موحدیں میں مشرک اور مسلمانوں میں کافر''۲۱

مختصر یہ کہ اس طرح کی ادبی سرگرمیاں اہلِ لکھنو کی شعری صلاحت اور تنشیدی شعور کو جلا بخشتی تھیں۔

اردو شاعری میں ہی ایک اور مثال امیر مینائی اور داغ دہلوی کی بھی ہے۔ جن کی شاعرانہ اور حریفانہ چشمکو ن سے ایک عرصہ تک رامپور اور حیدرآباد کی ادبی محفلیں گرم رہی ہیں۔ امیر و داغ کے کچھ ایسے اشعار پیش کئے جا رہے ہیں جو مشاعروں میں

www.urduchannel.in

ایک ہی زمین ایک دوسرے کے مقابلے میں کہے گئے تھے ایک زمین ہے ''آہ میں'' ''چاہ میں'' اس میں ''نگاہ'' کا قافیہ مخصوص ہے۔اس پر دونوں اساتذہ نے طبع آزمائی کی۔امیر مینائی کی غزل کا شعر ملاحظہ ہو۔

آنکھ اپنی فتنہ ہائے قیامت پر کیا بڑے
جس کے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں

اور داغ نے یہ شعر پڑھا۔

دل میں سما گئی ہے قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

اس طرح ایک غزل کی زمین ہے ''رواں کی طرح''، ''جہاں کی طرح'' اس میں ''خزاں'' کا قافیہ مخصوص تھا۔اس کو دونوں اساتذہ نے یوں نظم کیا۔امیر مینائی کہتے ہیں۔

نوید وصل مٹاتی ہے دل کے داغوں کو
بہار لوٹتی ہے باغ کو خزاں کی طرح

اور داغ کہتے ہیں۔

جلا کے داغ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

اس طرح کی اور بہت سی طرح غزلیں امیر اور داغ کے کلام میں ملتی ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں کہی گئی ہیں۔

موازنہ اور مقابلہ کی مذکورہ روایت میں تقابل بیشتر فنی بنیادوں پر ہی کیا جاتا تھا معترضیں ہمیشہ قافیہ کی نا مزونیت،بعض الفاظ کے غلط استعمال کو ہدف اعتراض بناتے

www.urduchannel.in

دیکھا جاتا کہ طرحی غزل کے مخصوص قافیے کو دو استادوں نے کس طرح نظم کیا اور مزید یہ کہ قافیہ کے لئے کس استاد نے کتنا نادر مضمون باندھا۔ بحور کی غلط استعمال یا ناقص استعمال پر اعتراض کی مثالیں بھی ملتی ہیں شعرا کے اس باہم تقابل اور موازنہ میں فنی خوبیوں اور خامیوں پر اسرار کے سبب لکھنو میں شاعری زبان کے ایک انتہائی لطیف کھیل میں تبدیل ہوگئی تھی، جہاں زبان کا صحیح استعمال، قافیوں کا مضمون سے تعلق اور ظاہری رعایتوں پر فنکارانہ قدرت اچھی ہی شاعری کی اساس شرط کی حیثیت رکھتے تھے۔

۴۔ طرحی مشاعروں کے اہتمام سے گلدستوں کی روایت

یوں تو غزلوں کے اخباروں میں چھپنے چھپانے کا سراغ اس وقت سے ملتا ہے جب سے اردو اخبارات ہمارے ملک میں شائع ہونا شروع ہوئے۔ اردو کا سب سے پہلا اخبار ''جام جہاں نما'' تھا۔ اس اخبار میں خبریں بھی ہوتی تھیں، غزلیں بھی اور تاریخی مواد بھی۔ صاحبِ تاریخ صحافت اردو نے ''جام جہاں نما'' (۲۸/اپریل ۱۸۲۷ء) کے حوالے سے ایک انگریز بہادر مسٹرڈ کاستا کی غزل کے چند اشعار کی نقل پیش کی ہے۔

کل ہم تمہارے کوچے میں آئے چلے گئے
ہے ہے ہزار شک بہائے چلے گئے
ہم ہیں فقط دل جو گنواتے ہیں ورنہ سب
آکر جہاں میں کچھ تو کمائے چلے گئے
کل اس پی کی بزم میں سب مل کے برملا

www.urduchannel.in

تیری غزل ڈکاستا گائے چلے گئے۲۲؎

لیکن جہاں تک طرحی غزلوں کے شائع ہونے کا تعلق ہے تو اس کے نقوش ''دہلی اردو اخبار'' میں ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ اخبار زمالی ہند کا اور اردو کا دوسرا اخبار تھا۔ اس کو دہلی سے ۱۸۳۷ء میں مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے ''اردو اخبار'' کے نام سے نکالنا شروع کیا تھا۔ اس اخبار میں خاص طور سے دہلی سیاسی، مجلس اور تمدنی زندگی پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اندرون اور بیرون ممالک کے بڑے بڑے شہروں کی خبریں بھی ناسخ ہوتی تھیں۔ گویا یہ اخبار خبروں کا مجموعہ تھا لیکن اس میں ادبی مضامین کا بھی کالم ہوتا تھا۔ زبان اور بیان اور محاورات کی بحثیں درج ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ ذوق، غالب، بہادر شاہ ظفر، مومن، حافظ، غلام رسول، مرزا علی بخت، مرزا حیدر شکوہ اور مرزا جوان بخت وغیرہ کی غزلیں اور کبھی کبھی طرحی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ مولانا امداد صابری نے ۸؍ستمبر ۱۸۵۲ء ''دہلی اردو اخبار'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''مرزا سلیمان شکوہ'' کے انتظام و اہتمام سے جو مشاعرہ اگست ۱۸۵۲ء میں ہوا تھا اس کی تفصیل اس اخبار میں شائع ہوئی۔ مرزا سلیمان شکوہ کی طرحی غزل کا مطلع یہ تھا۔

لو دعائیں مستجاب شاہ مردان ہوگئیں
شکر ہے سب مشکلیں شاہی کی آسان ہوگئیں

مرزا غالب نے اپنی مشہور و معروف غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

بہادر شاہ ظفر نے غزل ارشاد فرمائی جس کا مطلع یہ تھا۔

www.urduchannel.in

چار آنکھیں تری اے آفت جان ہوگئیں
تیر سے اس کی جگر سے بار مژگاں ہوگئیں[۲۳]

اس طرح دہلی میں جو طرحی مشاعرے ہوتے اس کی اکثر غزلیں ''دہلی اردو اخبار'' میں شائع ہوتی تھیں۔ پریس کی آسانی اور مشاعروں کی کثرت کے باوجود گلدستوں کو اشاعت قدرے دیر سے شروع ہوئی۔ بقول امداد صابری، اردو کا پہلا گلدستہ ''گل رعنا'' ہے جسے ''طبقات الشعرا'' کے مصنف مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵ء میں دہلی سے ناسخ کرنا شروع کیا تھا۔لیکن ڈاکٹر نادر علی خان نے اپنی کتاب ''اردو صحافت کی تاریخ'' میں اپنے زورِ تحقیق اور طرزِ استدلال سے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ اردو کا سب سے پہلا ادبی گلدستہ ''معیار الشعرا'' ہے جو ۱۸۴۸ء کے اواخر میں آگرہ سے ناسخ ہونا شروع ہوا تھا۔اس گلدستہ کے سلسلے میں ڈاکٹر خان موصوف لکھتے ہیں۔

> ''۱۸۴۸ء کے اواخر میں آگرہ سے ہندوستان کا سب سے پہلا ادبی گلدستہ بنام ''معیار الشعرا'' جاری کیا گیا۔ یہ پندرہ روزہ پرچہ تھا جو مثل اخبارات کے عموماً چار صفحات پر طبع ہوتا تھا اور چار آنہ ماہانہ قیمت علاوہ محصول ڈاک مقرر تھی''[۸۴]

''معیار الشعرا'' کے اجرا سے قبل اس کے مالک وایڈیٹر نے اس کے جاری ہونے کا اشتہار کئی اخباروں کو بھیجا تھا چنانچہ پندرہ روزہ اخبار ''فوائد الناظرین'' (دہلی) بابت نومبر ۱۸۴۸ء میں یہ اشتہار شائع ہوا۔

> ''واضح ہو کہ تفریح طبع کے واسطے پندرہویں روز مجلس

www.urduchannel.in

مشاعرہ راقم کے مکان پر منعقد ہوتی ہے۔ چونکہ سب اضلاع کے رئیس اس سے حاصل نہیں کر سکتے لہذا راقم کو یہ منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورق پر مشتمل اخبارات کے طبع ہوا کریں اور چونکہ بعض شعرا علم عروض قافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں اس لحاظ سے نصف آخیر صفحہ میں اس کا بیان ہے کہ خریدار علم وعروض و قافیہ سے واقف ہوجائیں......... ہاں اگر غزل زیادہ ہوگئی اور پرچہ اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ تو فی ورق کچھ مناسب قیمت زیادہ کرنی پڑے گی اور مصرعہ طرح مشاعرہ آئندہ کا اس کے آخیر میں طبع ہوگا لہذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے''۵ے

یہ معیاری گلدستہ تھا۔ علمی وادبی طبقہ میں پڑھا جاتا تھا۔ اس گلدستہ کے مرزا غالب بڑے قدردان اور مداح تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو یہ گلدستہ خریدنے کے لئے اور اس میں اپنی غزلیں چھپوانے کے لئے ہدایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ معیارالشعرا کی اتنی شہرت ہوگئی تھی کہ ہر شاعر اس میں اپنا کلام چھپوانے کی کوشش میں رہتا تھا۔ مرزا غالب نے اپنے ایک دوست کا کلام چھپوانے کی۔ سفارش اس اخبار کے مہتمم کو ۱۲ جون ۱۸۵۱ء کے ایک خط میں کی تھی۔

''میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میر دوست ہیں اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر تخلص ہے۔ لکھنو کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے

www.urduchannel.in

روشناس اور مصاحب رہے ہیں۔ اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ ان کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر نام ان کی غزل چھاپ دو'' ۸٦؎

اردو کا دوسرا اور مشہور گلدستہ ''گلدستۂ شعرا'' ہے۔ یہ گلدستہ پہلی بار دسمبر ۱۸۵۹ء کو لکھنو سے شیخ قادر بخش مہتم کے اہتمام سے چھپ کر شائع ہوتا تھا۔ یہ مہینے میں دو بار شائع ہوتا۔ اس کے تمام شماروں میں مصرع طرح اس غرض سے شائع کئے جاتے تھے کہ شعرا ان پر غزلیں کہہ سکیں، یہ غزلیں مقرر تاریخ پر منعقد ہونے والے لکھنو کے پندرہ روزہ طرحی مشاعروں میں پڑھی جاتی تھیں اور بعد کو یہ تمام غزلیں گلدستہ کی شکل میں شائع ہو جاتی تھیں۔ اس گلدستہ کے شماروں میں یہ التزام رکھا جاتا کہ ان مصرعوں کی ردیفیں حروف تہجی کے لحاظ سے سلسلہ وار ہوں۔ اس طریقۂ کار سے ہر شاعر ردیف وار اپنی غزلوں کو دیوان کی شکل میں مرتب کر سکتا تھا۔

لکھنو کے ان طرحی مشاعروں میں شعرا کو اپنی غزلیں خود پڑھنا ہوتی تھیں البتہ بیرونی شعرا کی دستیاب غزلیں مہتم پڑھنا تھا۔ اس میں نامور شعرا جو استاد کا درجہ رکھتے تھے۔ ان کا کلام ناسخ ہوتا تھا۔ اس گلدستہ میں خصوصاً لکھنوی شعرا کی غزلیں چھپتی تھیں۔ جن میں مظفر علی خان اسیر، حامد حسین خان حامد، یوسف علی خان عزیز مرزا آغا حیدر افسوس، نواب حسن علی خان امیر، نواب احمد خان جوش، میر یار علی خان، مرزا حسین خان فراق، نواب اشرف علی خان اوج، منشی امیر مینائی، نواب شاہ، مرزا آزاد، صغیر بلگرامی، محمد حسین علی سلطان نسیم، اور کشوری لال شور قابل ذکر ہیں۔

۱۹؍دسمبر ۱۸۵۹ء کے طرحی مشاعرے کی زمینیں تھیں۔

ع بعد دو ہفتہ کے اب دوسرا جلسہ ٹھہرا

اس زمین میں خواجہ آتش کی جو غزل گلدستہ میں چھپی اس کے دو شعر یہ ہیں۔

www.urduchannel.in

کام آجا مرے داغ جگر روشن ہو
روح بھاگے گی جو تربت میں اندھیرا ٹھہرا
آج دنیا میں ہے کل روح کرے گی پرواز
یہ سکونت نہ گھڑی یہ بسیرا ٹھہرا

اس زمین میں میر علی خان جان کی شائع شدہ غزل کا شعر ملاحظہ ہو۔

پیٹ پر بیٹ گرا نہ میرا بیٹ ٹھہرا
جان لیوا ہوا جو بیٹ میں بچہ ٹھہرا
جب سے باہر تو نکلنے لگی اے یک قدم
گھر میں یک دم نہ ترا پاؤں نگوڑا ٹھہرا

مذکورہ گلدستوں کی اشعت سے فن شعر کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اسی کے پیش نظر گلدستوں کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی اورضرورت کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے گلدستوں کی اشاعت میں ترقی ہوتی گئی چھاپہ خاتون کے مسلسل اضافے سے اردو کے اخبارات، رسائل اورگلدستوں کی اشاعت میں زبردست اضافہ ہوا چنانچہ مذکورہ بالا گلدستوں کے علاوہ شعرائے اردو کے کلام اور ان کے مختصر سے تعارف کے ساتھ متعدد گلدستے نائع ہونے لگے۔جن کے ناموں کی نشاندہی امداد صابری نے کہ ہے۔

۱۔گلدستۂ شعرا فتح گڑھ ۱۸۶۳ء۔گلدستہ بدایوں، ۱۸۷۴ء

۳۔گلدستہ شعرا، لکھنو ۱۸۷۴ء۔ ۴۔گلدستہ سخن، لکھنو ۱۸۷۶ء

۵۔ریاض الاشعار، لکھنو ۱۸۸۱ء۔ ۶۔گلدستہ نتیجۂ سخن، کلکتہ ۱۸۸۲ء

www.urduchannel.in

۷۔ بہار انجمن، فیض آباد ۱۸۸۲ء۔ ۸۔ گلدستہ بنارس، ۱۸۸۲ء

۹۔ گلدستہ سخن آگرہ ۱۸۸۲ء۔ ۱۰۔ پیام یار، لکھنو ۱۸۸۳ء

۱۱۔ مشاعرہ، دہلی ۱۸۸۳ء۔ ۱۲۔ گل کدۂ شفیق، سید پور ۱۸۸۳ء

۱۳۔ پیام عاشق، قنوج ۱۸۸۳ء۔ ۱۴۔ فیض سخن، ۱۸۸۳ء۔ ۱۵۔ گل کدۂ مشتاق، حیدرآباد ۱۸۸۳ء۔ ۱۶۔ مذاق سخن، حیدرآباد ۱۸۸۳ء۔ ۱۷۔ رعنا، لکھنو ۱۸۸۳ء۔ ۱۸۔ گلدستہ انجمن لاہور ۱۸۸۳ء۔ ۱۹۔ گوہر، کلکتہ ۱۸۸۳ء۔ ۲۰۔ فیض سخن، لکھنو ۱۸۸۳ء۔ ۲۱۔ گل کدۂ زینت سخن، آگرہ ۱۸۸۳ء۔ ۲۲۔ نالۂ عشاق، مدراس ۱۸۸۴ء۔ حدیقۂ الشعرا، مدراس ۱۸۸۴ء۔ ۲۴۔ شمع سخن، بنگلور ۱۸۸۴ء۔ ۲۵۔ نامۂ یار، رتلام ۱۸۸۴ء۔ ۲۶۔ تحفہ عشاق لکھنو ۱۸۸۳ء۔ ۲۴۔ گلدستہ ناز، بمبئی ۱۸۸۴۔ ۲۸۔ چمن سخن، آنولہ ۱۸۸۴ء۔ ۲۹۔ کرشمۂ دلبر، خیرآباد ۱۸۸۴ء۔ ۳۰۔ چمنستان سخن، کانپور ۱۸۸۴ء۔ ۳۱۔ نالۂ عشاق، اجمیر ۱۸۸۴ء۔ ۳۲۔ آشوب محشر، فرخ آباد ۱۸۸۵ء۔ ۳۳۔ بہار سخن، رتلام ۱۸۸۵ء۔ ۳۴۔ ریاض سخن، رامپور ۱۸۸۵ء۔ ۳۔ دامن گلچین، لکھنو ۱۸۸۵ء۔ ۳۶۔ گلیں سخن، میرٹھ ۱۸۸۵ء۔ ۳۴۔ خنجر عشق، لکھنو ۱۸۸۵ء۔ ۴۰۔ گل کدۂ بہار، سہسوان ۱۸۸۵ء۔ ۴۱۔ جوہر سخن، حیدرآباد ۱۸۸۵ء۔ ۴۲۔ بہار سخن، کانپور ۱۸۸۵ء۔ ۴۳۔ نامۂ عشاق، بنارس ۱۸۸۵ء۔ ۴۴۔ نامۂ دلوز، اندور ۱۸۸۵ء۔ ۴۵۔ نالۂ عشاق، پٹنہ ۱۸۸۵ء۔ ۴۶۔ خیال یار، متھرا ۱۸۸۵ء۔ ۴۷۔ آئینۂ سخن، انبالہ ۱۸۸۵ء۔ ۴۸۔ تصویر سخن، متھرا ۱۸۸۶ء۔ ۴۹۔ ریاض ہند، امرتسر ۱۸۸۶ء۔ ۵۰۔ تہذیب سخن، گھولا پور ۱۸۸۶ء۔ ۵۱۔ گلستہ کلام، دہلی ۱۸۸۶ء۔ ۵۲۔ غنچۂ مراد، شملہ ۱۸۸۶ء۔ ۵۳۔ نالۂ زخمی، شیوراج پور ۱۸۸۶ء۔ ۵۴۔ آئینۂ سخن، فتح پور ۱۸۸۶ء۔ ۵۵۔ ریاض النبوی، شیوراج پور ۱۸۸۲ء۔ ۵۶۔ خیال محبوب، حیدرآباد دکن ۱۸۸۷ء۔

www.urduchannel.in

۵۷۔ بہارِ سخن، گورکھپور ۱۸۸۷ء۔ ۵۸۔ بہار ہند، لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ ۵۹۔ گلزار سخن حیدر آباد دکن ۱۸۸۷ء۔ ۶۰۔ گل وبلبل، حیدرآباد دکن ۱۸۸۷ء۔ ۶۱۔ تہذیب سخن، کانپور ۱۸۸۲ء۔ ۸۳۔ مطلع سخن، اورنگ آباد ۱۸۸۷ء۔ ۶۳۔ شورعنادل علی گڑھ ۱۸۸۷ء۔ ۶۳۔ داغ، اجمیر ۱۸۸۶ء۔ ۶۵۔ آفتاب سخن، مرادآباد ۱۸۸۸ء۔ ۶۶۔ گلشن داغ، رتلام ۱۸۸۸ء۔ ۶۷۔ انتخاب، لکھنؤ ۱۸۸۹ء۔ ۶۸۔ میماب سخن، جودھپور ۱۸۸۹ء۔ ۶۹۔ گلچیں، گورکھپور ۱۸۸۹۲ء۔ ۷۰۔ دامن بہار، آگرہ ۱۸۹۲ء۔ ۷۱۔ جلسۂ احباب، شعلہ، مظفرنگر ۱۸۹۲ء۔ ۷۲۔ عروج بہار، بمبئی ۱۸۹۳ء۔ ۷۳۔ گلدستہ سخن، لدھیانہ ۱۸۹۵ء۔ ۷۴۔ گلدستۂ مداح النبی، چھجر ۱۸۹۵ء۔ ۷۵۔ پروانہ، میرٹھ ۱۸۸۶ء۔ ۷۶۔ پیام محبوب، حیدرآباد دکن ۱۸۹۸ء۔ ۷۷۔ پنجۂ نگاریں، دہلی ۱۸۹۹ء۔ ۷۸۔ جلوۂ سخن مدراس ۱۸۸۲ء۔ ۷۹۔ ریاض المصطفٰے، کانپور ۱۸۸۲ء۔ ۸۰۔ کلید جنت، لاہور ۱۸۸۲ء۔ ۸۱۔ مہر انتخاب، کلکتہ ۱۸۸۲ء۔ ۸۲۔ مرقع نگار، لکھنؤ ۱۸۸۴ء۔ ۸۳۔ وظائف خلد، میسور ۱۸۸۵ء۔ ۸۳۔ گلدستہ ریاض، خیرآباد ۱۸۷۵ء۔ ۸۴۔ فتنہ اورعطر فتنہ، گورکھپور ۱۸۸۰ء۔

ان کے علاوہ بھی اور گلدستے شائع ہوتے تھے مثلاً ریاض سخن، مارہرہ ۱۸۹۶ء، دامن گلچیں، رامپور ۱۸۹۹ء۔ گلدستہ چمن سخن، بدایوں ۱۹۰۹ء اورانجمن رفیق الشعرا، پٹنہ سٹی ۱۹۴۹ء وغیرہ۔

اردو کے ان تمام گلدستوں میں کچھ تو کافی مشہور ہوئے اور کچھ کافی دیرپا بھی تھے لیکن جو دائمی شہرت ''پیام یار'' کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے گلدستے کو نصیب نہیں ہوئی۔ ''پیام یار'' چوبیس صفحات پر مشتمل ایک ماہانہ گلدستہ تھا جون ۱۸۸۳ء میں لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کے مہتم اور مرتب منشی محمد نثار حسین نثار تھے۔ ''پیام یار'' کے سرورق پر یہ شعر

www.urduchannel.in

لکھا ہوا تھا۔

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ک
اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

یہ گلدستہ دو حصوں میں منقسم ہوتا تھا۔ ایک حصے میں نظم اور دوسرے حصے میں نثر۔ نظم کے حصے میں زیادہ تر طرحی غزلیں اور کچھ غیر طرحی غزلیں ہوتی تھیں۔ نثر کے حصے میں ناول بالاقساط شائع ہوتے تھے اور مضامین وغیرہ بھی۔ شمارہ مئی ۱۹۰۲ء کا مصرع یہ تھا۔

ع اک بجز عشق کے ہر کام آسان دیکھا

اس زمین میں غلام حسین خان آفاق کی غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

کون آفت تھی جو جھیلی نہ تری فرقت میں
کون سا رنگ نہ ہم نے شب ہجراں دیکھا
دل عشاق ہو یا زلف پری رویاں ہو
ہم نے دونوں کو ہر پریشاں دیکھا

اور اس زمین میں انور علی انور کی غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

لاکھ سمجھایا نہ آیا میرے سمجھانے سے باز
میں نے تجھ سا نہ کوئی ناسخ ناداں دیکھا
بے وفائی میں نہیں ہے کوئی ثانی تیرا
دیکھا دیکھا تجھے اے عمر گریزاں دیکھا

ان کے علاوہ اس گلدستہ میں تمام شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا۔ لیکن امیر مینائی داغ دہلوی، جلال لکھنوی ریاض خیر آبادی، تسلیم لکھنوی، پاس لکھنوی، احسان شاہجہان پوری، عشرت لکھنوی اور وسیم خیر آبادی کافی مشہور و معروف ہیں۔

www.urduchannel.in

''گل کدۂ ریاض'' بھی کافی مشہور اور ہر دلعزیز گلدستہ تھا۔ یہ ایک معیاری گلدستہ شعر وسخن تھا۔ اس کی یہ خوبی تھی کہ شعر کے انتخاب میں قطعاً جانبداری نہیں ہوتی بلکہ سختی برتی جاتی تھی۔بعض پرچوں میں اسیر جیسے استاد کی غزل کا صرف ایک شعر ہی چھپا ہوا نظر آتا ہے۔ امیر مینائی کے مختلف اشعرا کا مجموعہ ''گوہر انتخاب'' سب سے پہلے ''آب گوہر'' کے نام سے بطور ضمیمہ اس گلدستے میں شائع ہوا تھا اس میں خبریں اور مضامین بھی شائع ہوا کرتیں نظموں کے حصے میں طرحی غزلوں کے انتخاب چھپتے تھے۔ جب ریاض خیرآباد سے ۱۸۸۱ء میں گورکھپور گئے تو اس گلدستہ کو بھی ساتھ لے گئے ۔جس زمانے میں یہ گلدستہ نکلنا شروع ہوا تھا اس وقت لکھنئو میں دو چار گلدستے چھپتے تھے اس گلدستے نے مقررہ قافیہ میں کہے گئے اشعار کی اشاعت کا اہتمام بھی شروع کیا۔

منشی بھگو خان رحیم کا ''پیام عشق'' بھی ایک مایہ ناز گلدستہ تھا۔ جو بیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔اس گلدستے کا پہلا شمارہ ۱۴۔اپریل ۱۸۸۳ء کو شائع گلدستہ میں زیادہ تر طرحی غزلیں اور بہت کم غیر طرحی غزلیں شائع ہوئی تھیں ۔اس کے علاوہ خبریں اور مختلف موضوعات پر مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔اپریل ۱۸۹۷ء کے پرچہ میں امیر مینائی کی طرحی غزل سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کود تیرے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسے لے لو
اور معشوق کی ہوتی ہے اجازت کیسی
دل اڑا لے گئے دکھلا کے وہ جو بن کا ابھار
سینہ زوری جسے کہتے ہیں خیانت کیسی

''تحفۂ عشق'' بھی شعر وشاعری کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔اس کو لکھنئو سے مولوی معصوم علی نے ۱۰۔مئی ۱۸۸۴ء کو نکالنا شروع کیا تھا جو ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ گلدستہ انگریزی

www.urduchannel.in

مہینے کی ہر دس تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر نے اپنے اصول کے مطابق ایک غزل کے صرف نو اشعار چھاپتے تھے۔ اس سے زیادہ شعر چھپوانے والے شعرا سے فی شعر ایک آنہ معاوضہ لیتے تھے۔ یہی قاعدہ غیر طرحی غزلوں کے لئے بھی تھا۔ گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج رہتا تھا۔

سنے ہونگے چمن میں سینکڑوں نالے ہزاروں کے
کلیجے تھام لو اب دل جلے فریاد کرتے ہیں

ا رمئی ۱۸۸۴ء کے پرچے میں حیدر مرزا ادیب کی طرح غزل کے منتخب دو شعر یہ ہیں۔

ہنس کے کہتے ہیں خوشی سے نہ کہیں مرجاؤ
وصل کی شب جو کوئی آئے وہ قاتل ٹھرے
یاد تھا تیری طبیعت کا تلون جو انھیں
کبھی تڑپے، کبھی دم بھر ترے بسمل ٹھہرے

اسی زمین میں شیخ محمد الدین خان تمنا کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ہے ضیائے رخ پر نور سے روشن عالم
آپ اے جان جہاں رونق محفل ٹھہرے
جان و دل مفت میں لے کر بھی مکرنا کیا خوب
ہم تو ناقص ہوئے الفت میں وہ کامل ٹھہرے

۱۸۸۴ء جاری ہونے والے گلدستوں میں ''گلدستۂ ناز'' بھی کافی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ایک ماہانہ گلدستہ تھا جو بمبئی سے ۱۰/جون ۱۸۸۴ء میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ یہ بیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس کے مالک بلقیس جہاں بیگم ناز، ایڈیٹر ناظمہ بیگم اور مہتم منشی

www.urduchannel.in

ریاض علی عاشق تھے۔اس گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوتا تھا۔

نقد دل نقد سخن دے کر زیارت کر لیں
ہیں کہاں ناز حسینوں کے اٹھانے والے

۱۰؍مئی ۱۸۸۵ء کے شمارہ میں محمد یعقوب، یعقوب اجمیری تلمیذ داغ دہلوی کی طرحی غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

بد نام کردیا ہے قیامت کو مفت میں
انداز تیری چال میں سب پائے جاتے ہیں
یعقوب بے وفائی کا ان سے نہ کر گلہ
وہ خود نظر چراتے ہیں شرمائے جاتے ہیں

اوراسی زمین میں کرامت اللہ خان تلمیذ داغ دہلوی کے یہ دو شعر

اے دل کہیں نکالا نہ جاؤں کہ حشر میں
صورت سے مہہ جبیں مری گھبرائے جاتے ہیں
کیا کیا تماشے کرتے ہیں پردے کی موت میں
کیا کیا جوان خاک میں ملوائے جاتے ہیں

شعروسخن کا ایک مشہور گلدستہ ''ریاض سخن'' تھا۔ جورامپور سے ۲۰؍جنوری ۱۸۸۵ء کو نکلنا شروع ہوا تھا۔اس کے مالک ومہتم احمد علی خان شوق تھے۔اس گلدستہ میں طرحی غزلیں کثرت سے چھپتی تھیں۔اور غیر طرحی کلام بہت کم شائع ہوتا تھا یہ گلدستہ انگریزی مہینے کی ہر بیس تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔امداد صابری نے شمارہ ۲۰؍جنوری ۱۸۸۵ء کے حوالے سے مالک گلدستہ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے۔جس سے گلدستہ کی اشاعت کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔

www.urduchannel.in

''اردو شاعری کے اساتذہ دہلی اور لکھنو کے منتخب لوگ اہل زبان، صاحب کمال آجکل ریاست رامپور میں جمع ہیں۔ وہ کون ہے جو داغ، عروج، جلال اور غنی کو نہیں جانتا۔ ان لوگوں کا کمال اظہر من الشمّس ہے فی الحال غریب خانہ پر یک جنوری سے ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو ایک جلسہ مشاعرہ کا طے ہوا۔ جس میں تمام ارباب کمال قدم رنجہ فرما کر اپنے اپنے کلام کے ارشاد سے جلسہ کو عزت بخشتے ہیں۔ ان کے علاوہ تمام نامی شعرا اس ریاست کے جمع ہوتے ہیں.......... لہذا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ ماہوار ایک گلدستہ موسوم بہ ''ریاض سخن'' ہر انگریزی مہینے کی ۲۰/تاریخ کو شائع ہوا کرے۔'' ۲۸

گلدستہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

ادھر ہو تم اے عند لیبان معنی
چلو پھول لوٹو ریاض سخن کے

۲۰/جنوری ۱۸۸۵ء کے پرچے میں محمد خان بشیر رامپوری شاگرد داغ دہلوی کی طرحی غزل کے دو شعر یہ ہیں۔

کیا کہوں تم سے میں اے تازہ اسیراں جنون
ابتدا عشق کی کیسی ہے نتیجہ کیسا
محو الفت ہوں کچھ ایسا کہ سمجھتا ہی نہیں
دشمن و دوست ہے کیسا اپنا پرایا کیسا

www.urduchannel.in

اسی زمین میں محمد رفیع الدین خان دانش شاگرد داغ دہلوی کے بھی دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ہم ہیں بد مست مئے الفت ساقی واعظ
فکر امروز نہیں یہاں غم فردا کیسا
خواہش دل ہے کہ جو کچھ ہوا بھی ہو جائے
صبر امروز کسے وعدۂ فردا کیسا

شعر و سخن کا ایک ماہانہ گلدستہ ''نغمۂ بہار'' بھی تھا۔ یہ ۱۰ر ستمبر ۱۸۸۶ء کو لکھنو سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ یہ چوبیس صفحات پر مشتمل ہر دلعزیز گلدستہ اس کے مالک مہدی حسن عقیل اور مہتم یعقوب علی خان نصرت تھے۔ اس میں طرحی غزلوں کا انتخاب شائع ہوتا تھا۔ اس گلدستہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں خاص طور پر لکھنوی شعرا کا کلام چھپتا تھا۔ شعرائے کلام کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی قائم ہوتی تھی۔ گلدستے کے سرورق یہ شعر درج ہوتا تھا۔

ہر شاخ گل یہ ہے یہی نغمہ ہزار کا
آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا

۱۰ر جنوری ۱۸۸۷ء کے شمارہ میں محمد سلیمان اسد تلمیذ اسیر لکھنوی کا دو شعر ملاحظہ ہوں۔

بہار آئی ہے خوش ہیں میکش، شراب خم سے چھلک رہی ہے
شگوفے بھولے ہیں گل کھلے ہیں چمن میں بلبل چہک رہی ہے
خیال ہے ایک شعلہ روکا برنگ آتش کدہ ہے سینہ
بھکے نہ کیوں کر جگر اسد کا کہ آگ دل میں دھک رہی ہے

اسی زمین میں صاحبزادہ محمد مرتضی بسمل کے دو شعر یہ ہیں۔

بڑے ہیں دونوں یہ کشمکش میں، امنگیں جوش شباب کی ہیں

www.urduchannel.in

کسی کی انگیا وصال کی شب، کسی کی چولی مسک رہی ہے
یہ کون سویا ہے چودھویں شب، نقاب رخ سے الشعرا کے چھت پر
نظارہ بازی میں آنکھ انجم کی آسمان پر جھیک رہی ہے

''گلشن داغ'' سولہ صفحات پر مشتمل ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔ انگریزی مہینے کی ہر پہلی تاریخ کوشائع ہوتا تھا۔ یہ گلدستہ رتلام منشی محمد عبدالرحیم صبا کی ادارت میں جولائی ۱۸۸۸ء سے نکلنا شروع ہوا تھا اس کے سرورق پر داغ دہلوی کے تین شعر اور سرورق کے چاروں طرف داغ دہلوی ہی کے متعدد اشعار لکھے ہوتے تھے۔ سرورق کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

اس میں طرحی اور غیر طرحی دونوں قسم کے کلام شائع ہوتے تھے۔ لیکن طرحی کلام کو غیر طرح برترجیح حاصل ہوتی تھی۔ اس گلدستہ میں زیادہ داغ کے شاگردوں کا کلام چھپتا تھا۔ اگست ۱۸۸۸ء کے شمارہ میں شعرا کی غزلوں کے دو دو شعر ملاحظہ ہوں۔ خاقاں حسین توقیر دہلوی شاگرد داغ دہلوی۔

گلہ کیا کریں گے جفا کیجیے
کہ اب لب ہلانے کی طاقت نہیں
شکایت جفاؤں کی سن کر کہا
مجھے رحم کرنے کی عادت نہیں

عبدالعزیز عزیز تلمیذ داغ دہلوی۔

ستم بھی کریں اور یہ بھی کہیں
مجھے آپ سے کچھ عداوت نہیں

www.urduchannel.in

ملا دو ہمیں خاک میں ایک دن
اگر تم کو ملنے کی فرصت نہیں

''انتخاب'' بھی شعروسخن کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا یہ ۱۸۸۹ء کو لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر ومہتم مولوی اصطفی خورشید لکھنوی تھے یہ گلدستہ سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔گلدستہ خاصا معیاری تھا۔اس میں مستند شعرا کا منتخب کلام شائع ہوتا تھا۔طرحی غزلیں کثرت سے شائع ہوتی تھیں ۲۴/اکتوبر ۱۸۸۹ء کے شمارہ میں دو شاعروں کی طرحی غزلوں کا دو دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔جلال لکھنوی۔

ہر غمزہ اس حسین کا ہے امید وار دل
اک دل ہمارے پاس سو خواستگار دل
تیور درست صبح شب ہجر بھی نہیں
اللہ دے انتشار حواس اضطرار دل

مولوی حسین فاخر

آندھی جو آتی ہے کعبہ کی سمت سے
پھیلا ہے اٹھ کے کیا یہ کسی کا فرار دل
پھٹ پھٹ کے اس کے زخم شگفتہ ہوئے ہیں گل
ہے پہلوئے خزاں بھی دبائے بہار دل

جنوری ۱۸۹۱ء کو لکھنؤ سے ایک ماہانہ گلدستہ ''گلچیں'' جاری ہوا۔اس میں شعرا کا طرحی اور غیر طرحی کلام چھپتا تھا۔اس کے مرتب ومہتم محمد عسکری وسیم نگراں فضا اور جگر تھے۔ابتدا میں یہ گلدستہ لکھنؤ میں چھپتا تھا مگر ۱۸۹۲ء میں ''گلچیں'' گورکھپور منتقل ہوگیا، اور وہیں سے نکلنے لگا اور اس کا تعلق ''ریاض الاخبار'' پریس سے ہوگیا۔امداد صابری لکھتے ہیں کہ

www.urduchannel.in

''یہ رسالہ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۲ء کے اوائل میں بند ہوگیا
تھا۔ دوبارہ لکھنؤ سے غالباً جون ۱۹۱۷ء کو جاری
ہوا'' ۲۹

گلدستہ جب دوبارہ جاری ہوا تو مقبول زمانہ شعرا کی طرحی غزلیں خوب شائع ہونے لگیں۔ اپریل ۱۸۹۲ء کے شمارے کے دوشاعروں کی طرحی غزل کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔ منشی نواز ثاقب گورکھپوری۔

ہم رشک سے جلتے ہیں تیری بزم میں آکر
دشمن ہے کہ واصل بجہنم نہیں ہوتا
اک ذکر ہمارا ہے کہ جس سے ہے تنفر
اک تذکرہ غیر ہے جو کم نہیں ہوتا

امیر حسن فروغ لکھنوی شاگرد بقا لکھنوی۔

معشوقوں کو مرنے کا مرے غم نہیں ہوتا
غم بھی میرا محنت کش ماتم نہیں ہوتا
ہے صبح کو بکھری ہوئی زلفوں کا عجب رنگ
کچھ رات کو چہرے کا یہ عالم نہیں ہوتا

مذکورہ بالا گلدستوں میں سے بعض گلدستے بہت زیادہ مشہور ہوئے اور بعض کافی دیرپا تھے۔ ان گلدستوں کا اپنے زمانے کے نوآماز اور نوآورد شاعروں کو استادی کا درجہ دینے میں بڑا اہم رول ہوتا تھا۔ معمولی شعرا کو بھی عوام اور خواص سے روشناس کرا کے نامورو معروف بنانا اور انھیں اعلیٰ مدراج پر پہنچانا، ان گلدستوں کی کرامت تھی۔

گلدستے عموماً دو حصوں میں منقسم ہوتے تھے۔ پہلا حصہ نظم پر مشتمل ہوتا تھا،

www.urduchannel.in

اور دوسرا نثر پر۔ نظم کے حصے میں پہلے شعرا کا نام مع استاد کے لکھا جاتا تھا۔ اور پھر نام نیچے سے طرحی غزلیں چھاپی جاتی تھیں۔ پھر غیر طرحی غزلوں کو جگہ ملتی۔ اس کے بعد کبھی کبھی نظم، قطع، رباعی وغیرہ بھی شائع ہوتی تھیں۔ نثر کے حصے میں اکثر قسط وار ناول شائع ہوتے تھے اور مختلف قسم کے مضامین اور بھی ہوتی تھیں۔

مغرب میں صنعتی انقلاب کا دور شروع ہوا تو اس سے ملک بھی متاثر ہوا۔ اس انقلاب کا اثر ہندوستان کے تمام شعبہ ہائے زندگی پر پڑا، جس سے ہمارا ادب بھی متاثر ہوا۔ چنانچہ کرنل ہالرائڈ کے وسیلے سے اور آزاد و حالی کی کوششوں سے لاہور میں ۱۸۷۴ء میں ایک نئے مشاعرہ کا آغاز ہوا۔ جس میں بجائے مصرع طرحی نظموں کا عنوان دیا جاتا تھا۔ یہ مشاعرہ ہر مہینے پابندی سے ہوتا تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ چہار طرف نظموں کے عنوان پر شعرا طبع آزمائی کرنے لگے، اور پھر یہ رسم عام ہوگئی۔ یہیں سے طرحی مشاعروں اور پھر گلدستوں کا زوال شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ طرحی مشاعرے اور گلدستے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے۔

طرحی مشاعروں اور گلدستوں کے زوال کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ زمانہ نے ورق پلٹا تو ہر چہار جانب سائنسی دور شروع ہوا۔ اور انسان اس دور میں ہر گھڑی رواں اور دواں رہنے لگا۔ اب اسے گل وبلبل کے نفسے اور عاشق ومعشوق کے ترانے سننے اور سنانے کی پہلے جسی فرصت نہ رہی۔ چنانچہ طرحی مشاعرے اور ادبی صحبتیں جو ایک مخصوص زمانے کی پیداوار تھیں۔ وہ حالات کی شکار ہوگئیں اور آہستہ آہستہ زمانے سے رخصت ہونے لگیں۔ اس طرح طرحی مشاعروں اور گلدستوں کا زوال یقینی ہو گیا۔

گلدستوں میں بانی گلدستہ مصرع طرح دیتا اور اس پر تمام شعرا طبع آزمائی کرکے وقت مقررہ پر اپنی طرحی غزلیں مہتمم کے پاس بھیج دیتے تھے۔ مہتمم یا ایڈیٹر تمام

www.urduchannel.in

حاصل شدہ غزلوں کے منتخب اشعار گلدستوں میں شائع کرتا تھا۔ ابتدائی دور میں لوگ مشاعرہ کرواتے اور شعرا کا کلام چھاپنے کے لئے گلدستے نکالتے تھے لیکن وقت کی کمی اور پریس کی آسانی کے سبب مشاعرے منعقد کرنے کے بجائے طرحی غزلوں کی اشاعت کا رواج عام ہوا چنانچہ مصرع طرح پر حاصل شدہ غزلوں کے اشعار گلدستوں کی زینت بننے لگے۔ اس طرح گلدستوں کے چھپنے کی روایت عام ہوئی اور مقبول بھی۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

ماخذ

۱۔تذکرۂ ہندی۔غلام ہمدانی مصحفی،ص۸۰،انجمن ترقی اردو ہنداورنگ آباد

۲۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم حصہ اول۔ ڈاکٹر جمیل جالبی،ص۲۶، ایجوکیشنل ہاؤس دہلی۔۱۹۸۲ء

۳۔سرگزشت حاتم۔مرتبہ محی الدین قادری زور،ص۔آعظم اٹیم پریس حیدرآباد، ۱۹۴۴ء

۴۔انتخاب حاتم۔مرتبہ ڈاکٹرعبدالحق،ص۱۹۔دہلی ۱۹۷۷ء

۵۔ نکات الشعرا۔ میرتقی میر۔ مرتبہ حبیب الرحمٰن خان شروانی۔ص۶۲۔ نظامی پریس بدایوں۔۱۹۲۶ء

۶۔انتخاب حاتم۔مرتبہ ڈاکٹرعبدالحق،ص۱۹۔دہلی ۱۹۷۷ء

۷۔تذکرۂ ہندی۔مصحفی۔ص۸۰۔انجمن ترقی اردو(ہند)اورنگ آباد۱۹۳۳ء

۸۔نکات الشعرا۔میرتقی میر۔مرتبہ حبیب الرحمٰن خان شروانی۔ص۵۰،۱۰۔نظامی پریس بدایوں۔۱۹۲۶ء

۹۔ چمنستان شعرا۔لچھی نرائن شفیق۔ص۲۷۔انجمن ترقی اردو(ہند)اورنگ آباددکن۔ ۱۹۲۸ء

۱۰۔نکات الشعرا۔ میرتقی میر۔مرتبہ حبیب الرحمٰن خان شروانی۔ص۱۳۷۔نظامی پریس بدایوں۔۱۹۲۶ء

www.urduchannel.in

۱۱۔ طبقات الشعرا۔ قدرت اللہ شوق۔ مرتبہ نثار احمد فاروقی۔ ص ۲۹۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۸ء
۱۲۔ عمدۂ منتخبہ۔ آعظم الدولہ میر محمد خاں سرور۔ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی۔ ص ۱۱۰۔ شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۹۶۱ء
۱۳۔ مجموعہ نغز۔ قدرت اللہ شوق مرتبہ محمود شیرانی۔ ص ۳۴۰۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۳۳ء
۱۴۔ مجموعہ نغز جلد دوم قدرت اللہ شوق مرتبہ محمود شیرانی ص ۲۴۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۳۳ء
۱۵۔ یادگار غالب۔ مولانا الطاف حالی۔ ص ۵۷۔ شانتی پریس الہ آباد ۱۹۵۸ء
۱۶۔ آبِ حیات۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ ص ۳۹۲۔ ۲۹۳۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنو۔ ۱۹۸۲ء
۱۷۔ تاریخ صحافت اردو۔ امداد صابری۔ ص ۱۶۳۔ جامع مسجد دہلی۔ ۱۹۵۳ء
۱۸۔ گلستانِ سخن۔ قادر بخش صابر۔ ص ۱۶۲۔ نولکشور پریس لکھنو۔ ۱۸۸۲ء
۱۹۔ آب حیات۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ ص ۴۵۴۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنو۔ ۱۹۸۲ء
۲۰۔ ایضاً ص ۴۵۴
۲۱۔، ۲۲۔ شعرائے اردو کے تذکرے۔ سید عبداللہ۔ ص ۱۸۴۔ مکتبہ جدید لاہور ۱۹۵۲ء
۲۳۔ یادگار غالب۔ مولانا الطاف حسین حالی۔ ص ۱۰۹، ۱۱۰۔ شانتی پریس الہ آباد۔ ۱۹۵۸ء

www.urduchannel.in

۲۴۔تاریخ ادب اردو۔رام بابو سکسینہ۔ص ۳۷۰۔ جامنی مسجد دہلی ۱۹۶۶ء
۲۵۔دلی کا دبستان شاعری۔نورالحسن ہاشمی ۔ص ۲۵۔سرفراز پریس لکھنو ۱۹۶۵ء
۲۶۔گلشنِ ہند۔مرزاعلی لطف ۔ص ۸۹۔رفاہ عام پریس لاہور ۱۹۰۶ء
۲۷۔ریاض الفصط ۔ مصحفی ۔ص ۱۸، ۱۹۔انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد ۱۹۳۴ء
۲۸۔ایضاص ۱۰
۲۹۔ایضاص ۳۲۳
۳۰۔ایضاص ۳۷۴
۳۱۔تذکرہ آب بقا۔خواجہ عبدالروف عشرت لکھنوی مرتبہ مرزاجعفرعلی نشتر۔ص ۱۴۔نامی پریس لکھنو ۔۱۹۲۸ء
۳۲۔ایضاص ۱۰
۳۳۔رسالہ آجکل۔ص ۱۹۔اگست ۱۹۸۶ء۔دہلی
۳۴۔لکھنو کی آخری شمع۔مرتبہ ڈاکٹر ابولیث صدیقی ۔ص ۸۹، ۹۰، ۹۱۔ایجوکیشنل بک ہاؤس ،علی گڑھ ۱۹۰۱ء
۳۵۔گلشن ہند۔مرزاعلی لطف ،ص ۹۸۔رفاہ عام پریس لاہور۔ ۱۹۰۶ء
۳۶۔تذکرہ شورش مخطوطہ جونپور۔بحوالہ شعرائے اردو کے تذکرے۔ ڈاکٹر محمد حنیف نقوی ۔ص ۱۵۸۔۱۰۹۔نسیم بک ڈپو۔لکھنو ۱۹۷۶ء
۳۷۔ تذکرہ طبقات الشعرا۔ قدرت اللہ شوق ۔ مرتبہ نثار احمد فاروقی ۔ص ۲۹۔مجلس ادب ۔لاہور ۱۹۶۸ء
۳۸۔ کاملان رامپور۔ مولف حافظ احمد علی خان شوق ۔ص ۳۲۲۔ ہمدرد پریس دہلی ۔

www.urduchannel.in

۱۹۲۹ء

۳۹۔ ایضاً ص ۲۶۰

۴۰۔ تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ۔ ص ۴۰۸۔ جامع مسجد دہلی۔

۴۱۔ لکھنو کی آخری شمع۔ ڈاکٹر ابو الیث صدیقی۔ ص ۴۰۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔

۱۹۵۱ء

۴۲۔ ایضاً ص ۸۵

۴۳۔ دہلی کا ایک شاہی یادگار مشاعرہ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ۔ ص ۴۳ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۴۶ء

۴۴۔ تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ۔ ص ۴۷۔ جامع مسجد دہلی ۱۹۶۶ء

۴۵۔ دہلی کا ایک شاہی یادگار مشاعرہ۔ مرزا فرحت اللہ بیگ۔ ص ۱۴، ۱۵۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔ ۱۹۴۶ء

۴۶۔ ایضاً ص ۱۹

۴۷۔ ایضاً ص ۲۶

۴۸۔ رسالہ آجکل۔ ماہنامہ۔ ص ۱۴۔ اگست ۱۹۸۲ء دہلی

۴۹۔ قدیم لکھنو کی آخری بہار۔ مرزا جعفر حسین۔ ص ۲۶۵۔ ترقی اردو بورہ، نئ دہلی۔

۱۹۸۱ء

۵۰۔ شعر الہند حصہ اول۔ عبد السلام ندوی۔ ص ۱۰۷۔ طبع چہارم۔ اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

۵۱۔ آب حیات محمد حسین آزاد۔ ص ۸۳۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنو ۱۹۸۲ء

۵۲۔ نکات الشعرا۔ میر تقی میر۔ مرتبہ مولوی عبد الحق۔ ص ۱۵۔ طبع دوم۔ ۱۹۳۵ء

www.urduchannel.in

۵۳۔سفینہ خوشگو۔مرتبہ عطا کاکوری۔ص ۳۱۸۔ پٹنہ ۱۹۵۹ء

۵۴۔ مردم دیدہ۔ عبدالحکیم لاہوری۔ مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ بحوالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۵۵ء تا نومبر ۱۹۶۰ء

۵۵۔ایضاص ۵۷،۵۸

۵۶۔تذکرہ ہندی۔مصحفی۔ص ۲۰۳۔انجمن ترقی اردو ہند، اورنگ آباد دکن۔ ۱۹۳۳ء

۵۷۔مجموعہ نغز۔جلداول۔مرتبہ محمود شیروانی۔ص ۱۸۰ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۳۳ء

۵۸۔تاریخ ادب اردو۔رام بابوسکسینہ۔ص ۲۴۰۔جامع مسجد دہلی۔ ۱۹۶۶ء

۵۹۔تلامذہ غالب۔مرتبہ مالک رام۔ص ۶۔دہلی

۶۰۔تاریخ ادب اردو۔رام بابوسکسینہ۔ص ۷۷۔جامع مسجد دہلی ۱۹۶۶ء

۶۱۔نئے اور پرانے چراغ۔پروفیسر آل احمد سرور۔ص ۱۹۶ طبع سوم۔لکھنو ۱۹۵۵ء

۶۲۔مقدمہ شعروشاعری۔خواجہ الطاف حسین حالی۔ص ۹۸۔دہلی ۱۹۸۱ء

۶۳۔ایضاص ۹۹

۶۴۔تلامذہ غالب۔مرتبہ مالک رام۔ص ۵ طبع اول دہلی

۶۵۔تاریخ ادب اردو۔جلد دوم۔حصہ اول۔ڈاکٹر جمیل جالبی۔ص ۲۴۳۔ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی ۱۹۸۲ء

۶۶۔سانشا کے حریف وحلیف۔ڈاکٹر عابد پیشاوری۔ص ۱۰۔اردو رائٹرس گلڈ الہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

۶۷۔رسالہ فروغ اردو۔ادبی معرکہ نمبر۔ص ۱۸۔جنوری فروری ۱۹۵۶ء لکھنو۔

۶۸۔آب حیات۔محمد حسین آزاد۔ص ۲۷۵۔اترپردیش اردو اکاڈمی لکھنو ۱۹۸۲ء

www.urduchannel.in

۶۹۔رسالہ فروغ اردو۔ادبی معرکہ نمبر۔ص۳۳،۳۵۔جنوری فروری ۱۹۵۶ء لکھنو۔

۷۰۔آب حیات۔محمد حسین آزاد۔ص۲۸۲۔اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنو۔۱۹۸۲ء

۷۱۔حیات انیس۔مولانا امجد علی اشہری۔ص۲۵۳۔آگرہ

۷۲۔تاریخ صحافت اردو۔جلد اول۔امداد صابری۔ص۲۲۔دہلی،۱۹۵۳ء

۷۳۔ایضاص ۱۴۱،۱۴۲

۷۴۔اردو صحافت کی تاریخ۔ڈاکٹر نادر علی خان۔ص۲۲۸۔ایس کے آفسٹ پرنٹ دہلی۔۱۹۸۷ء

۷۵۔فوائد الناظرین۔جلد۳۔نومبر ۱۸۴۸ء بحوالہ اردو صحافت کی تاریخ۔ڈاکٹر نادر علی خان۔ص۲۲۸۔ایس کے پرنٹرس دہلی۔۱۹۸۷ء

۷۶۔روح صحافت۔امدادی صابری۔ص۵۸۔لاہور پرنٹنگ پریس۔دہلی ۱۹۶۸ء

۷۷۔ایضاص ۵۵،۵۶

۷۸۔تاریخ صحافت اردو جلد سوم۔امداد صابری۔ص۲۸۱۔جدید پرنٹنگ پریس دہلی۔۱۹۶۳ء

۷۹۔ایضاص ۵۲۰

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

باب دوم

گلدستۂ پیام یار

۱۔ پیام یار کا تعارف

۲۔ مدیر کا تعارف

۳۔ پیام یار کے اہم شرکاء

www.urduchannel.in

۱۔ پیام یار کا تعارف

اٹھارہویں صدی میں چھاپہ خانہ نہ ہونے کے سبب شعرا کے پاس مشاعروں اور ادبی محفلوں کے سوا کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنا کلام دوسروں تک پہنچا سکتے۔ لہٰذا ان محفلوں اور مشاعروں میں جو لوگ شرکت کرتے وہی شعرا کے کلام سے لطف اندوز ہوتے تھے اور جو لوگ ان مشاعروں میں شریک نہیں ہو پاتے وہ شعرا کے کلام سے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مگر جب انگریزوں کی آمد کے بعد پریس اور طباعت کی آسانیاں فراہم ہوئیں تو ملک میں ہر چہار جانب سے اردو اخبارات و رسائل نکلنا شروع ہوئے ان اخبارات و رسائل نے ملک کے مختلف حصوں کے درمیان رابطے کو آسان اور مستحکم کر دیا۔ معلومات عامہ میں اضافے کے ساتھ ہی ان اخباروں نے فرد کے سوچ کی نہج میں بھی تبدیلی پیدا کی اخباروں کی اس افادیت اور اشاعت کی آسانیوں کے سبب ملک کے مختلف حصوں سے اخبارات و رسائل کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اشاعت کی اس آسانی کے سبب لوگوں کو مشاعروں اور شعری نشستوں کی تفصیل شائع کرنے کا خیال آیا۔ اور اس طرح اردو میں گلدستوں کی اشاعت کی ابتدا ہوئی۔

جن شہروں سے گلدستے شائع ہونا شروع ہوئے ان میں دہلی، آگرہ، لکھنو، حیدرآباد، لاہور، کلکتہ، رامپور اور میرٹھ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن ان سب پر لکھنو کو اس اعتبار سے فوقیت حاصل ہے کہ یہاں سے تعداد اور معیار دونوں کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ قابلِ قدر گلدستے شائع ہوئے۔ یہاں سے مختلف اوقات میں کئی گلدستے نکلے اور مشہور ہوئے۔ مشہور و معروف گلدستوں میں ''پیام یار''، ''پیام عاشق''، ''گلدستہ

www.urduchannel.in

شعرا''، ''گلدستہ سخن''، ''دامن گلچیں'' اور ''گلچیں'' شامل ہیں۔ دہلی کے گلدستوں میں ''گل رعنا''، ''مشاعرہ'' اور ''گلدستہ کلام'' قابل ذکر ہیں۔ ''معیار الشعرا''، ''گلدستہ سخن''، ''خیال یار'' اور ''دامن بہار'' کا شمار آگرہ کے مشہور گلدستوں میں ہوتا ہے۔ حیدر آباد کے معروف گلدستے ''مذاق سخن''، ''جوہر سخن''، ''خیال محبوب'' اور ''پیام محبوب'' ہیں۔ لاہور سے ''گلدستہ انجمن'' اور ''کلید جنت'' جیسے مشہور گلدستے نکلے۔ کلکتہ کے ''گوہر''، ''لختِ جگر''، ''مہر انتخاب'' گلدستے کافی مقبول ہوئے۔ ''ریاض سخن'' اور ''گلدستہ فرخ'' رامپور کے مشہور گلدستے ہیں۔ اور میرٹھ سے ''گلشن سخن'' اور ''پروانہ'' جیسے مشہور گلدستے جاری ہوئے۔ غرض کہ دیگر شہروں اور قصبوں سے تقریباً ایک سو گلدستے شائع ہوئے۔ مگر ان سبھی گلدستوں میں جو دائمی شہرت اور مقبولیت ''پیام یار'' کو حاصل ہوئی وہ کسی گلدستے کو میسر نہیں آئی۔

''پیام یار'' لکھنو چوک سے جون ۱۸۸۳ء میں جاری ہوا۔ اس کے مالک و مدیر منشی محمد نثار حسین نثار تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد یہ گلدستہ ان کے بیٹے منشی اکبر حسین، اکبر نکالنے لگے تھے۔ پیام یار ابتدا میں یعنی جون ۱۸۸۳ء سے جوشی ۱۸۸۴ء تک مطبع منشی گنگا پرشاد ورما برادران واقع امین آباد لکھنو میں طبع ہوتا تھا۔ اس کے بعد مطبع منشی محمد علی حسین لکھنو واقع گولا گنج میں طبع ہونے لگا اور دسمبر ۱۸۸۵ء تک وہیں سے طبع ہوتا رہا۔ جنوری ۱۸۸۶ء کا شمارہ مطبع انوار محمدی لکھنو اور اس کے بعد چار شمارے نامی گرامی پریس لکھنو میں چھپے مگر جب نثار حسین نے مئی ۱۸۸۶ء میں خود اپنا قومی پریس لکھنو چوک میں قائم کر لیا تو یہ گلدستہ وہیں چھپنے لگا اور آخری تک چھپتا رہا۔ اس کی تفصیل مولانا حسرت موہانی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''جون ۱۸۸۳ء میں پیام یار کا پہلا شائع ہوا۔........

www.urduchannel.in

جولائی ۸۴ تک پیام یار مطبع منشی گنگا پرشاد ورما برادران واقع امین آباد لکھنؤ میں چھپا کیا۔ اس کے بعد مطبع منشی علی حسین واقع گولا گنج میں چھپنے لگا اور دسمبر ۸۵ تک وہیں چھپتا رہا۔ ۸۶ کا پہلا پرچہ مطبع انور محمدی لکھنؤ اور اس کے بعد کے چار پرچے مطبع نامی گرامی لکھنؤ میں چھپتے تھے کہ ماہ مئی ۸۶ میں نثار حسین مرحوم نے قومی پریس لکھنؤ کے نام سے اپنا خاص مطبع جاری کیا اور پیام یار وہیں سے جاری ہونے لگا اور تا حال طبع ہوتا رہا''۔

(اردوئے معلیٰ جون ۱۹۹۲ء ص ۱۹)

تاریخ صحافت اردو کے مصنف امداد صابری بھی توثیق کرتے ہیں کہ ''یہ پرچہ جون ۱۸۸۳ء کو شائع ہوا تھا۔ اس کا پہلا نمبر ہمارے پاس ہے''۔ لیکن مصنف اختر شہنشاہی کا یہ لکھنا کہ یہ گلدستہ ۱۸۸۲ء کو جاری ہوا تھا، صداقت پر مبنی نہیں ہے کیوں کہ مدیر پیام یار نے جا بجا خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ پیام یار جون ۱۸۸۳ء سے نکلنا شروع ہوا۔ چنانچہ وہ بعنوان ''پیام یار'' کے گذشتہ نمبر میں لکھتے ہیں۔

''پیام یار جون ۱۸۸۳ سے جاری ہوا''

(پیام یار ۱۸۹۲ء سرورق کا اندرونی حصہ)

گلدستے کی کتابت کی اور طباعت اس زمانے کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے یہ ۲۱×۱۳ سائز کے عموماً بیس صفحات پر مشتمل ہوتا تھا*۔ اس کا سرورق اپنے زمانہ کے

---

*صاحبِ تاریخ صحافت اردو کا یہ قول کہ پیام یار ۲۴ صفحات پہ مشتمل ہوتا تھا، صحیح نہیں ہے کیوں کہ پیام یار کے صفحات ہمیشہ یکساں نہیں رہے ہیں کبھی یہ گلدستہ سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا تو کبھی چوبیس اور

www.urduchannel.in

مطابق بڑا خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتا تھا۔ سرورق کی ہیئت بھی ہمیشہ ایک جیسی نہیں ہوتی تھی۔ کبھی سرورق کی پیشانی پر دائرہ کی شکل میں انگریزی حروف میں پیام یار لکھا رہتا تھا اور کبھی انگریزی میں نہیں بلکہ اردو میں پیام یار لکھا دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس طرح سرورق کی پیشانی کے بالکل اوپر جلی حروفوں میں ''خریداران پیام یار اپنی تحریر میں قید ک ضرور لکھا کریں'' لکھا ہوتا تھا اور کبھی اس کی جگہ ''جن حضرات کے ذمہ قمیت باقی ہے ان کو آئندہ، پیام یار ویلو روانہ ہوگا'' تحریر کیا ہوا ملتا ہے۔ یا کبھی کبھی ایسا ہوا کہ کچھ بھی نہیں لکھا ہوتا تھا۔ جہاں جلی حروفوں میں پیام یار درج ہے اس کے نیچے یہ شعر لکھا ہوتا ہے۔

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کر بیٹھو میری باری آئی

لیکن کبھی نیچے نہیں بلکہ پیام یار کی سرخی کے دونوں طرف ایک ایک مصرع آمنے سامنے درج ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس کے سرورق پر جو شعر لکھا گیا تھا وہی آخری وقت تک لکھا جاتا رہا۔ شعر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہاں شعر لکھنے کی صورتیں ضرور بدلتی رہیں۔ اس کے سرورق کی ڈیزائنیں بھی بدلتی رہیں۔ اس کے علاوہ ''ضروری گزارش'' یا ''ضروری باتیں'' کے کالم میں گلدستے کے تمام اصول و قانون درج ہوتے تھے۔ ان ضوابط اور قواعد کے اصول کی نوعیت بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی بلکہ زمانے کے اعتبار سے تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ بہر کیف سرورق اور گلدستے کی عام طور پر جو ہیئت ہوتی تھی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

سرورق کے سب سے اوپر ''جن حضرات کے ذمے قیمت باقی ہے ان کو

چھتیس صفحات پر یہ گلدستہ بیس صفحات چالیس صفحات تک بھی نظر آتی ہے۔ مگر عام طور پر یہ گلدستہ بیس صفحات پر ہی مشتمل ہوتا تھا۔

www.urduchannel.in

آئندہ پیام یار ویلو روانہ ہوگا''، لکھا ہوتا یا اس کی جگہ ''خریداران پیام یار اپنی تحریر میں قیدک ضرور لکھا کریں'' درج ہوتا۔ اسی ورق کی پیشانی پر دائرے کی شکل میں انگریزی حروف میں پیام یار لکھا ہوتا ہے۔ اور اسی دائرہ کے اندر جلی حروف (اُردو) میں پیام یار تحریر رہتا ہے۔ جو گلدستے کا ٹائٹل ہوتا ہے۔ اور اس کے نیچے نمبر لکھا ہوتا ہے۔ اس نمبر کا مطلب گلدستہ کا شمارہ نمبر ہے۔ پھر بابت ماہ و سنہ اور جلد درج ہے۔ اس عبارت کے نیچے یہ شعر لکھا ہوتا ہے۔

نالہ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

اس شعر کے نیچے درج ذیل عبارت لکھی ہوتی ہے۔

مرتبہ

خاکسار محمد نثار حسین نثار مالک کارخانہ عطر و مہتمم قومی پریس و پیام یار

قومی پریس لکھنؤ واقع چوک میں چھپا

سرورق کے دائیں او دونوں حاشیوں پر بعنوان پر بعنوان ''ضروری باتیں'' حسب ذیل عبارت درج رہتی ہے۔

ا۔ پیام یار ہر انگریزی مہینے کی آخر تاریخوں میں شائع ہوتا ہے۔ پیام یار میں دو حصے ہیں۔ نظم اور نثر۔ نظم میں لایق شعرا کا کلام طرح میں منتخب۔ نثر میں اعلیٰ درجے کا ناول قیمت دونوں حصوں کی عام سے سالانہ مع محصول۔ راشا و والیاں ملک سے سالانہ مع محصول۔

۲۔ بلا وصول قیمت سالانہ پیشگی کسی صاحب کو نہیں ارسال ہوتا۔ ایک نمبر بطور نمونہ دونوں حصوں کا ۵ ر ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوتا ہے۔ صرف نظم حصہ ۴ ر کے ٹکٹ پر۔ اس

www.urduchannel.in

طرح حصہ یہ نثر ۴/ر کے ٹکٹ آنے پر ارسال ہوتا ہے۔ قیمت سہ ماہی یا ششماہی نہیں لی جاتی

۳۔خریدار اور غیر خریدار سب کا کلام منتخب شائع ہوگا۔ اگر پوری غزل خواہ کتنے ہی شعر ہوں، پر عمدہ ہوگی تو درج کردی جائے گی۔ ایک شعر عمدہ ہوگا ایک درج ہوگا۔ ورنہ داخل دفتر۔ انتخاب کمیٹی کرتی ہے۔ پوری غزل یا غیر طرح کا کلام ۲/ر فی شعر اجرت دینے پر درج ہوسکتا ہے۔

۴۔اشتہار دو ایک مرتبہ کے لئے فی مطر ۴/ر زیادہ کے لئے بذریعے تحریر فیصلہ ہوسکتا ہے۔ قیمت پیشگی کے ختم ہونے پر ویلو بھیجا جائے گا۔

۵۔خریداران پیام یار اپنی ہر قسم کی تحریر میں قید ک نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ ورنہ جواب میں شامل ہوگا۔

المشتہر

محمد نثار حسین مالک پیام یار لکھنو چوک

اس کے بعد سرورق کے اندرونی حصے میں عام طور پر قسم قسم کے اشتہارات ہوتے ہیں۔ پھر صفحہ (۱) پر جلی حروف میں ''مصرع طرح پیام یار'' درج ہوتا ہے۔ اس کے نیچے مصرع طرح لکھا ہوتا اس کے بعد شریک گلدستہ شعرا کی غزلیں درج ہوتی ہیں۔ غزل کے پہلے ہر شاعر کا سرنام پھر نام و تخلص مع القاب و استاد کے لکھا ہوتا ہے۔ جب تمام شعرا کا ہم طرح کلام ختم ہوجاتا ہے تو پھر غیر طرحی کلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ (اگر غیر طرح کلام گلدستہ میں شامل ہے) غیر طرح کلام کے بعد منظومات اور قطعات وغیرہ درج رہتے ہیں۔ (اگر نظم اور قطعہ گلدستہ میں شامل ہے) یا یہ کبھی کبھی گلدستہ کے ابتدائی صفحات ہی میں درج ہوجاتے ہیں۔

www.urduchannel.in

جن پرچوں میں ناول کے حصے شائع ہوتے تھے وہ شروع کے صفحات ہی میں چھپے ہیں پھر آخر میں اس طرح مضامین وغیرہ اکثر ابتدائی صفحات میں چھپتے تھے اور پرچہ کے آخر میں بعنوان ''اطلاع'' یا ''مصرع طرح'' مندرجہ ذیل عبارت درج ہوتی ہے۔ ''پرچہ پہنچتے ہی فوراً اس طرح میں (جو بھی طرح دی جاتی ہو) غزلیات بھیجنا چاہیئے۔ اورطرح اس تاریخ (جو بھی تاریخ درج ہوتی ہو) تک۔ ورنہ درج ہونے سے رہ جائیں گے''۔ یااوراس قسم کی باتیں ہوتی ہیں یہ طرح عام طور پر آئندہ آنے والے مہینے کے لئے لکھی جاتی تھی مگر کبھی کبھی دو تین مہینوں کا مصرع طرح بھی تحریر کیا ہوا ملتا ہے۔

پھر گلدستہ کے آخری ورق کے دونوں طرف مختلف قسم کے اشتہارات چھپے ہوتے ہیں ان اشتہارات میں اکثر نثار حسین نثار کے قومی پریس یا کارخانہ عطر کے اشتہارات چھپے ہوئے ملتے ہیں۔ یا مولانا عبدالحلیم شرر، خواجہ عشرت لکھنوی اور مولانا شبلی وغیرہ کی تصانیف کے اشتہارات دیکھنے میں آتے ہیں۔اس کے علاوہ تمام مصنفین اورشعرائے کرام کی تصانیف اور دیگر رسائل کا اشتہارات گلدستہ کے مختلف صفحات کے حاشیوں پر بھی پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یا پھر گلدستے کے بالکل آخری ورق پر نمایاں طور پر مشتہر ہوتے ہیں۔شعرا اور ادباء کی تصانیف کے علاوہ بھی متعدد قسم کے اشتہارات ہیں

جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ پیام یار کا پہلا شمارہ جون ۱۸۸۳ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہ گلدستہ اپنی تیس سالہ ادبی زندگی میں کئی نشیب وفراز سے گزرا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پیام یار جون ۱۸۸۳ء سے نکل کر ستمبر ۱۸۸۸ء تک مسلسل نکلتا رہا۔ گلدستہ کو جاری ہوئے صرف پانچ سال گزرے تھے کہ مدیر کی طبیعت سخت خراب ہوگئی جس سے اکتوبر ۱۸۸۸ء کا شمارہ شائع ہوسکا۔ صرف ایک ہی شمارہ منظر عام پر نہ آنے سے نثار

www.urduchannel.in

صاحب رسالے کی طرف سے تشویش ہونے لگی۔ چنانچہ انھوں نے اس بیماری کی حالت میں بھی دوبارہ گلدستہ نکالنا شروع کیا۔ فروری ۱۹۰۶ء تک مسلسل نکلتا رہا، لیکن مدیر کی طبیعت دوبارہ خراب ہونے کی وجہ سے مارچ، اپریل اور مئی ۱۹۰۶ء کے شمارے نہیں نکل سکے۔ جس سے مدیر پیام یار کو سخت رنج ہوا، اور پیام یار کی اشاعت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''ہم بھی ان گذشتہ تین مہینوں میں کچھ تو امراض وتر ددات مبتلا تھے اور کچھ دیگر قسم کے افکار تھے۔ جو ہمیں شاعری کی دنیا سے نکال کر مکروہات روزگار کے ایک دوسرے عالم میں پہنچا آئے تھے۔ اگر چہ ہر وقت یہی فکر تھی کہ پیام یار کی اشاعت رکی ہوئی ہے۔ اور بڑا بھاری فرض چھوٹا جاتا ہے۔ مگر کچھ بنائے نہ بنتی تھی اور سوا اس کے کہ صبر وتحمل سے خاموشی اختیار کریں اور اپنے قدیم دلچسپ شاعرانہ مشغلہ سے بے پرواہ ہو جائیں اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اب بعد خرابی بصرہ نجات ملی تو دیکھتے ہیں کہ پیام یار کے گذشتہ تین نمبروں کا اتنا بار سر پر پڑا ہوا تھا کہ اٹھائے نہیں اٹھ سکتا۔

لہذا اس گذشتہ زمانہ التوا کی بابت پبلک سے ان تین مہینوں کی رخصت چاہتے ہیں۔......... اور ہمارے عالی حوصلہ ناظرین اس بارے میں ہمارے ساتھ بخل گزارا نہ فرمائیں گے۔ لہذا ہم پبلک کی عام قیاض کے بھروسے پر قبل از منظوری ہی اطلاع دیدیتے ہیں کہ فروری ۱۹۰۶ء تک پیام یار شائع ہو چکا تھا۔ اس کے بعد مارچ، اپریل، مئی تین مہینے رخصت کے خیال کئے جائیں۔ جنھیں چھوڑ کر پیام یار جون ۱۹۰۶ء کے مہینے سے پھر اس پہلی شان اور پرانی آن بان کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے''۔

(پیام یار جون ۱۹۰۶ء ص ۲)

پیام یار دراصل جون ۱۹۰۶ء سے دوبارہ جاری ہوا اور مارچ ۱۹۰۸ء تک

www.urduchannel.in

مسلسل نکلتا رہا اور شاعروں و ادیبوں کو روشناس کراتا رہا۔ مگر اسی درمیان مدیر پیام یار کی اچانک ہوگئی جس سے اپریل، مئی اور جون ۱۹۰۸ء کے شمارے شائع نہ ہو سکے اگلے شماروں کے چھپنے میں بھی تاخیر ہو رہی تھی۔ اس کی معذرت مدیر اپنے ناظرین اور قدر دانیانِ پیام یار سے اپنی روداد علالت سنا کر اس طرح معذرت کرتے ہیں۔

''اس عرصے میں دفعتاً ہماری علالت سے کارخانہ کو بہت کچھ نقصان پہنچا اور پیام یار کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔........... ہم کو ناظرین پیام یار سے بہت شرمندگی ہے اور پیام یار کی تاخیرات سخت نے اس معذرت آمادہ کیا۔ اور یہ کوئی معمولی معذرت نہیں ہے۔ ۲۸ برس کی خدمت کے بعد ہم کو اس وقت ایسے مواقع پیش آئے جن سے ہم مجبور تھے۔ الحمدللہ کہ اب بہمہ وجوہ تندرست ہیں صرف ضعف باقی ہے۔ خدا سے امید ہے کہ آئندہ ایسے دقت پیش نہ آئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی جرأت کرتے ہیں کہ ہماری دیرینہ خدمتوں کے لحاظ سے ناظرین ہمارے صحیح عذرات کو قبول کر کے پیام یار کو چشم عنایت و مہبانی سے منظور نظر رکھیں۔ اور ہماری اپریل، مئی، جون کی غیر حاضری معاف فرمائیں''۔

(پیام یار جولائی، اگست ۱۹۰۸ء ص۲)

منشی نثار حسین کی کوششوں سے یہ گلدستہ جولائی ۱۹۰۸ء میں دوبارہ شائع ہوتا شروع ہوا

www.urduchannel.in

اور جنوری ۱۹۰۹ء تک مسلسل نکلتا رہا۔ اس نے نئی پود کے شاعروں اور ادیبوں کی خوب حوصلہ افزائی بھی کی مگر اسی درمیان منشی نثار حسین نثار کو صرف چھ مہینے بیماری سے اٹھے ہوئے تھے کہ وہ پھر مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے۔ علاج کی تمام کوششیں کرنے کے باوجود موصوف کی طبیعت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ جس سے گلدستہ ۱۹۰۹ء میں پھر بند ہو گیا۔ مدیر کی طبیعت مسلسل کئی مہینوں تک علیل چلتی رہی۔ بالاخر ۴؍اپریل ۱۹۰۹ء کو مدیر پیام یار (منشی محمد نثار حسین نثار) اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ جس سے یہ گلدستہ فروری، مارچ، اپریل، مئی، جون اور جولائی ۱۹۰۹ء تک عارضی طور پر بند رہا۔

منشی محمد نثار حسین کے انتقال کے بعد یہ گلدستہ ایک نئے دور میں داخل ہوا اور اس کے مدیر و مالک منشی اکبر حسین اکبر خلف منشی محمد نثار حسین نثار مرحوم مقرر ہوئے۔ وہ اپنی تمام پریشانیوں اور صدموں کے باوجود جرات سے کام لے کر گلدستہ کی اشاعت جاری کرنے کا عزم کیا اور اگست وتمبر ۱۹۰۹ء کا مشترکہ شمارہ شائع کیا۔ گلدستہ بند ہونے ور پچھلے شماروں کی عدم اشاعت کا سبب بیان کرتے ہوئے گلدستہ کے نئے مدیر اکبر حسین اکبر لکھتے ہیں۔

''پیام یار نے اپنے ناظرین اور اپنے معزز قدردانوں کی دلچسپی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اور ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ہم پر جو چاہے گزر جائے مگر ان قدردانوں کا دل نہ میلا ہو، جو مدت ہائے دراز سے اس کے مربی اور اس کی صورت کے دلدادہ رہے ہیں مگر پھر بھی بعض ایسے آفات ناگہانی سے سابقہ ہی جاتا ہے کہ قدم کو لغزش ہو جاتی ہے اور سوا اس کے قلم ہاتھ سے رکھ کے ہاتھ کو سند پر دردر کھ لیں، چین نہیں آتا۔ یوں تو اس سے بیشتر صد ہا رنجوں اور بیسوں طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہونے کا اتفاق ہوا۔ مگر فلک نے رحم نے سال اور گذشتہ چند مہینوں میں ہمیں جیسا ستایا ہے کبھی نہ ستایا

www.urduchannel.in

تھا۔ پہلے ۴/اپریل ۱۹۰۹ء کو والد مرحوم نے سفر آخرت اختیار کر کے ہمارے سر پ سے اپنا سایہ عافیت و برکت ہمیشہ کے لئے اٹھا لیا۔ گو مرحوم کی عمر زیادہ تھی مگر پھر ابھی قویٰ اچھے تھے اور ہماری ذمہ داریوں کا بہت بڑا بار اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھے........ مگر ان کی آنکھیں بند ہونے ہی ہماری آنکھیں کھلیں اور نظر آیا کہ دنیا کیسی مصیبت کی جگہ اور کیسی محل حوادث ہے۔

ان کے انتقال سے دل پر جو زخم پڑا تھا ابھی اس میں انگور بھی نہ بندھا ہوگا کہ میرا بڑا الخت جگر اصغر حسین جو کارخانے کے بہت بڑے بار کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھا اور جس کی محنت و جفاکشی مجھے فارغ البال کئے ہوئے تھی، ۲۲ مئی ۱۹۰۹ء کو اپنے والدین کے کلیجوں کو پاش پاش کر کے وہ کرائے عالم جاودان ہوا۔ اس نے زندگی کی تئیسویں برس کو پورا کر کے چوبیسویں سال میں قدم رکھا تھا........

> ''صاحبو! انصاف کرو اور خدا لگتیں کہو کہ ایسی حالت میں ہم اس قابل تھے کہ پیام یار کو نکالنے ان دلی صدمات پر طرہ یہ کہ جو کچھ سرمایہ پاس تھا اور جو کچھ اس زمانے میں ناظرین و مربیان کارخانہ کی عنایت سے وصول ہوا وہ سب اصل مع نفع ان عزیز بیماروں کی تیمار داری اور رود اد و علاج میں خرچ ہوگیا۔ اور ایسی مالی پیچیدگیاں پیش آئیں کہ کارخانہ کا چلنا بھی دشوار ہو گیا۔ ان ہی آفات کا نتیجہ تھا کہ جنوری ۱۹۰۹ء کا پیام یار نکلنے کے بعد جو پرچہ اور پریس بند ہوئے اور سارا کاروبار ملتوی ہوا تو آٹھ ماہ بعد اگست میں حواس ذرا

www.urduchannel.in

ٹھکانے ہوئے اور یہ اگست و ستمبر کے نمبر شائع کئے
جاتے ہیں۔ جن کی ترتیب و تہذیب میں ہم ہی جانتے
ہیں کہ کس طرح دل پر جبر کرکے اور کیسی تدبیریں کر
کے بجھے ہوئے دل اور مختل الحواس و ماح کو کام میں لگانا
پڑا ہے''۔

(پیام پیار، اگست ستمبر ۱۹۰۹ء ص ۴)

''پیام یار'' کے نئے اور نوجوان مدیر اکبر حسین اکبر کی ادارت میں گلدستہ اگست و ستمبر ۱۹۰۹ء بھر جاری ہوا۔ اور اپنی دیرینہ قواعد وضوابط پ لگاتار شائع ہوتا رہا۔ اس کے باوجود گلدستے میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ زمانے کے رجحان کے مطابق اس میں پہلے سے قدرے زیادہ نیچرل نظمیں اور مضامین شائع ہونے لگے۔ جس سے پیام یار کے حلقہ یاراں میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا اور گلدستہ کے بہت سے لوگ خاص طور سے وہ نوجوان جو پرانی شاعری کو اچھی نہیں تصور کرتے تھے اور اپنے جدید اور اپنے جدید مذاق کے موافق اس میں ترمیم و تنسیخ چاہتے تھے، گرویدہ ہوگئے۔ درحقیقت پیام یار اپنی خوبیوں کے سبب ہر دلعزیز بنا ہوا تھا۔ اسی ہر دلعزیزی کا نتیجہ تھا کہ اگر کبھی کسی سبب گلدستہ دیر سے شائع ہوتا تو قدر داناں پیامِ یار میں خطوط کی جھڑ لگا دیتے۔ ایک بار مدیر کی طبیعت صعف دماغ اور بخار سے مسلسل چھ مہینے تک خراب تھی جس سے گلدستہ شائع ہونے سے رہ گیا۔ ناظرین نے جس قدر مدیر کو خطوط لکھے اس کا ذکر خود مدیر کی زبان سنئے۔

''پیام یار کی تاخیر اشاعت نے آپ کو بے چین کر دیا۔ اور ہمارے پاس بہت خطوط شکایت کے آئے۔ اس عزت افزائی کے شکر گزار ہیں کہ ابھی تک ہمارے

www.urduchannel.in

خدمت کے قدر دان اسی ابتدائی سرگرمی کے ساتھ مستعد ہیں۔ جو پیام یار کی بنیاد قائم کرنے کے وقت تھی۔............ہم اپنے معزز خریداروں سے خود شرمندہ ہیں کہ ہم نے پیام یار پانچ مہینے کی تاخیر کے بعد شائع کیا۔ اس کا ایک خاص سبب تھا۔ جس کو غالباً ناظرین فرمائیں گے۔ گذشتہ مصائب نے ہمارے دل اور دماغ پر سخت پہنچایا۔

> چھ مہینے سے ہم مستقل علیل ہیں نصف دماغ اور بخار نے ہم کو کام کرنے سے مجبور کر دیا۔ اب مرض اس قدر اضافہ ہے لیکن کارخانہ کی بے تدبیری، پر یوں لگا یہ سامان ایسے تھے جس نے ہم کو پریشان کر دیا تھا۔........الحمدللہ ہم روحانی اور مالی مصائب جھیلنے کے بعد پیام یار کی اطاعت میں کامیاب ہوئے اور خدا کو منظور ہے تو پیام یار تشنہ صحیح وقت پر شائع ہوتا رہے گا۔ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پچھلے تمام پرچے چھاپ کر ناظرین سے سبکدوش ہوں۔

(پیام یار اگست ستمبر ۱۹۱۰ء)

پیام یار کا مختصر سا تعارف مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالہ ''اردوئے معلٰی (مئی، جون اور جولائی و اگست ۱۹۱۲ء) میں کرایا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پیام یار کا ۱۹۱۰ء میں منشی نثار حسین نثار پر ایک خصوصی شمارہ نکلا تھا۔ چنانچہ ماتمی شمارے میں نثار حسین کے خلف اور پیام یار کے نئے مدیر اکبر حسین اکبر نے اپنے والد کے بارے میں ایک تعارفی مضمون قلمبند کیا تھا۔ اگر مضمون کا وہ حصہ ملاحظہ فرمائے جس میں اکبر حسین

www.urduchannel.in

نے خاص طور سے قدرداں پیام یار کو مخاطب کیا ہے۔

''والد مرحوم کے بعد پیام یار کا چلنا دشوار ہوتا ہے۔ کیوں کہ جو پیام یار کا بانی اور روح رواں تھا سعی دنیا سے چل بسا۔ مگر یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ اچھا نہ ہوتا کیا، مجھے کس طرح گوارا نہیں ہوسکتا کہ جس شعری کی انھوں نے بنیاد ڈالی تھی وہ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی مٹ جائے اور میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں۔

قدردانان پیام یار میں آپ کا خرد اور آپ کے ایک مرحوم دوست کا نام لیوا ہوں۔ آپ کے سوا دنیا میں نہ میرا کوئی آنسو پوچھنے والا ہے اور نہ میری پیٹھ پر ہاتھ رکھنے والا۔ میں آپ کا ایک ادنیٰ خادم اور آپ کی نظر عنایت کا امیدوار ہوں، اور جانتا ہوں کہ جس عمارت کی بنیاد والد مرحوم نے ڈالی تھی اس کا یک بیک ڈہا جاتا آپ کو کسی طرح گوارا نہ ہوگا لہذا اگرچہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل چاک ہے۔ مگر اس مضطربانہ حالت میں بھی خدمت قوم کے لئے اپنے ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے اٹھ کھڑا ہوں۔ اور آخر ۱۹۱۰ء کا رسالہ جو پیام یار کے کئی نمبروں پر حاوی ہے لا کے بادب و تعظیم ہزاروں تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ اس رسالہ کو جنان اسی نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے جس سے کہ ہمیشہ دیکھتے رہے۔ یہ خوب یاد رہے کہ گو میں اپنے

www.urduchannel.in

آنسوؤں سے اس باغ سخن کی آبیاری کرتا ہوں مگر
جب تک آپ کی محبت کی نسیم کے جھونکے نہ آئیں یہ
باغ سرسبز نہیں ہوسکتا۔

(پیام یار ۱۹۱۰ء بہ حوالہ اردوئے معلیٰ مئی ۱۹۱۲ء ص۲۲،۲۳)

اس کے ساتھ گلدستہ پھر بدستور اپنے قدیم اصول وضوابط کے مطابق شائع ہونا شروع ہوا۔شعرا اور ادبا کی غزلیں، نظمیں اور مضامین برابر پڑھتے رہتے تھے مگر کچھ دنوں کے بعد یہ گلدستہ ایک بار پھر حوادث کا شکار ہوگیا اور آخری بار دسمبر ۱۹۱۲ء شائع ہوکر سات سال کے لمبے عرصے کے لئے بند ہوگیا۔

گلدستہ بند ہوجانے سے مدیر پیام یار (اکبر حسین اکبر) کو یہ فکر لاحق رہی کہ پیام یار بہت جلد منظر عام پر آجائے۔انھوں نے اشاعت کی ہر ممکن کوشش کی۔اسی فکر کی ادھیڑ بن میں تقریبا سات سال کا عرصہ گزر گیا۔مگر مدیر پیام یار کو کامیابی راس نہ آئی۔ قدرداں پیام یار اور ناظرین گلدستہ مدیر کو برابر خطوط لکھتے رہے، ہر چہارم جانب سے پیام یار کی لطافت کے تقاضے کثرت سے ہوتے تھے۔یاراں گلدستہ نے بارہا شکایت کی کہ پیام یار کی اشاعت جلد سے جلد شروع ہو۔ان تمام تقاضوں اور خطوط نے مدیر کی اس قدر ہمت افزائی کی کہ وہ کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر کمربستہ ہوگئے اور امید ظاہر کی کہ اتنے لمبے عرصے تک سنا لینے کے بعد ہم میں از سر نو مستعدی پیدا ہوئی ہے اور انشاء اللہ پیام یار کے آئندہ شمارے زیادہ دلچسپ اور زیادہ پسندیدہ شائع ہونگے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں از سر نو گلدستہ پھر شائع ہونا شروع ہو پیام یار کی اشاعت کا تیسرا دور تھا۔مدیر گلدستہ اکبر حسین اکبر نے ایک بعنوان ''اسباب تعویق'' میں رسالہ کی دوبارہ اشاعت میں تاریخی کے جو اسباب بیان کئے ہیں، وہ یہ ہیں۔

www.urduchannel.in

''پیام یار میں اس قدر دیر پا تاخیر ہوگئی اور ایسے ایسے مواقعات پیش آتے گئے جن کا بیان کرنا تصنع اور مبالغہ پر محصول کیا جائے گا اور ناظرین پیام یار کے تکدر طبع کا باعث ہوگا۔ ہم نہیں چاہتے کہ گزشتہ مصائب کو دھرا کر اپنے دوستوں کو رنج دیں اور دشمنوں کو خوشی کا موقع ملے۔ اس قدر تاخیر کے بعد لوگوں کو گمان ہوگیا تھا کہ اب پیام یار کا دوبارہ شائع ہونا غیر ممکن ہے۔ مگر ہماری خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ اس کی اشاعت سے جلد ہونا چاہئے۔ ہمارے شوق کے زیادہ تر خوش کن تھے جو دفتر میں برابر روزانہ پیام یار کی طلب میں آتے رہے۔ پیام یار برسوں کے بند ہے۔ لیکن اس کی خبر ابھی تک بہت سے لوگوں کو نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کا سب سے پرانا رسالہ ابھی تک جاری ہے۔

ان خطوط نے ہماری پاس کو امید سے بدل دیا، اور ہمارا خیال ہوا، کہ اگر پیام اب دوبارہ اشاعت پذیر ہوا تو اس کے خریدار تمام موجود رسائل سے زیادہ شائق ہونگے۔ اس لئے کہ یہ وہی قدیم پرچہ ہے جس کے صفحات پر حضرت امیر مینائی مرحوم داغ مرحوم، جلال مرحوم، نسیم مرحوم، احسان مرحوم، کمال مرحوم، خورشید مرحوم، شمشاد مرحوم اپنی اپنی نکتہ سنجیاں دکھا چکے ہیں بلکہ ابھی تک بعض ایسے مستند شاعر ماشاء اللہ بقید حیات میں جن کی سخن سنجیاں پیام یار کے ذریعے سے لوگوں کو دیکھنا نصیب ہوتی اور ان کی ادبی خدمت پیام یار کے سبب سے وقت عام تھی۔ جیسے حضرت ریاض، حضرت جلیل، جناب کوثر، جناب فصاحت، جناب انجم، کلیم، جناب آرزو، جناب جاوید، جناب اکبر الہ آبادی جناب مضطر خیر آبادی بعض ایسے کرم فرما ہیں۔ کہ ان کی ادبی خدمت مخصوص پیام یار تک محدود ہے۔

مولانا شرکا کا نیا ناول سوا پیام یار کے کسی دوسرے ہم عصر رسالہ میں نہیں نکلا۔ مولانا اکبر کی نئی نظم ہمیشہ پیام

www.urduchannel.in

یار میں شائع ہوئی۔ حضرت ریاض نے پیام یار کی طرح میں غزل کہنے کی مستقل تکلیف گوارا کی۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت کے ادبی صرفی نحوی مضامین اور نیچرل نظمیں خصوصیت سے مسلسل پیام یار ہی نے شائع کیں۔ ان ہی خوبیوں سے پیام یار ہر دلعزیز بنا ہوا تھا۔ آخر ناظرین کی ادبی خدمت میں شامل کریں۔ کیونکہ پیام یار ہی ہندوستان میں ایک پرچہ ہے ہے جس میں اعلیٰ حضرت حضو نظام دکن اعلی اللہ سفامہ جنت آشیان کی تازہ غزلیں برابر شائع ہوا کیں۔ اور امید کی جاتی ہے کہ دکن کے موجودہ فرمانروا اعلیٰ حضرت بھی اپنے کلام سے اس کی عزت افزائی فرمائیں گے''۔

(پیام یار جنوری ۱۹۲۰ء ص ۱، ۲)

پیام یار سات سال کے بعد نئی آن بان کے ساتھ جنوری ۱۹۲۰ء میں جاری ہوا۔ یہ گلدستہ ایک طویل عرصے کے بعد نکلا تھا پھر بھی اس کی ضخامت کتابت اور طباعت میں کوئی فرق نہیں ہوا تھا۔ البتہ ''ضروی باتیں'' کے کالم میں گلدستہ کے قواعد اور ضوابط قدرے مختلف ضرور ہوگئے تھے۔ جنوری ۱۹۲۰ء کے پرچے میں گلدستہ کے قواعد اور ضوابط اس طرح درج ہیں۔

ا۔ پیام یار ماہوار ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے۔ اس میں تین حصہ ہیں حصہ اول میں ادبی، اخلاقی، تاریخی، فلسفی، علمی مضامین اور نیچرل نظمیں، حصہ دوم میں لائق شعرا کا منتخب ہم طرح کلام، حصہ سوئم میں اعلی درجہ کا ناول، قیمت عام سے

www.urduchannel.in

(ع) سالانہ مع محصول روشاوالیاں ملک چھ روپیہ (۶) سالانہ مع محصول۔

۲۔ بلا وصول قیمت سالانہ پیشگی کسی صاحب کو پرچہ روانہ نہیں ہوتا۔ ایک نمبر بطور نمونہ ۳ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔

۳۔ خریدار اور غیر خریدار سب کا کلام منتخب شائع ہوتا ہے۔ انتخاب کمیٹی کرتی ہے۔ پوری غزل یا غزل طرح کلام ۲ر پھر شعراجرت دینے پر درج ہوسکتا ہے۔

۴۔ جن صاحب کے پاس کوئی نمبر ڈاک کی بدعنوان سے نہ پہنچے تو ایک مہینہ کے اندر اطلاع پانے سے بیرنگ لا قیمت ارسال ہوگا۔

۵۔ جن صاحب کو پرچہ بند کرانا ہوتو دفتر میں باضبطہ اطلاع دیں، قیمت کا ختم ہو جانا، پرچہ کا واپس کرنا بند کرنے کے لئے کافی نہ ہوگا۔

۶۔ اجرت اشتہار دو ایک مرتبہ کے لئے فی سطر ۴ر زیادہ کے لئے خط وکتابت سے طے ہوگا۔

۷۔ ہر جواب طلب تحریر کے لئے جوابی کارڈ یا ۲ر کا ٹکٹ آنا چاہئے۔

۸۔ کل خط وکتابت وترسیل بنام محمد اکبر حسین اکبر ایڈیٹر پیام یار و مہتمم قومی پریس ہوئی چاہئے۔

مذکورہ نمبروں کی عبارتوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل کے شماروں میں ''ضروری باتیں'' کے تحت صرف پانچ نمبروں میں عبارتیں درج ہوتی تھیں۔ لیکن اس شمارے میں آٹھ نمبروں میں عبارتیں درج ہیں۔ نمبر (۱) عبارت پہلے دو حصوں میں ہوتی تھی مگر مذکورہ شمارے میں حصوں میں منقسم ہے۔ اور ناول کے لئے باقاعدہ ایک حصہ قائم کردیا گیا ہے۔ اس طرح مضامین کی اقسام میں بھی نمایاں

www.urduchannel.in

تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس میں ہر قسم کے مضامین شائع ہونے کی گنجائش ہوگئی تھی۔ اس طرح پہلے کے مقابلے میں گلدستہ میں نمایاں فرق آ گیا تھا۔ اور اس کا ادبی معیار بھی پہلے کی بہ نسبت بلند ہو گیا تھا۔

گلدستہ ایک سال تک تاخیر لگاتار نکلتا رہا۔ لوگ اس کے کلام سے محظوظ اور تحریروں سے مستفید ہوتے رہے۔ یہ اپنے حلقے میں اس قدر نمایاں ہو گیا تھا کہ لوگ اس کا شدت سے انتظار کرتے۔ لیکن یہ بہار بھی چند روزہ ہی ثابت ہوئی اور دسمبر ۱۹۲۰ء تک نکل کر کسی سبب ہو گیا اور ایسا بند ہوا کہ پھر دوبارہ کبھی نہیں نکلا۔

پیام یار ایک موقر ادبی گلدستہ تھا۔ اس گلدستہ کا بنیادی اور اہم مقصد اردو زبان کو فروغ دینا تھا۔ اس منصوبے کے پیش نظر پیام یار نے زندگی بھر شعر وسخن کے مذاق کو ترقی دینے کی ہر امکانی کوششیں کیں۔ اس نے اردو شعر وادب کے مشہور مراکز سے دور دراز کے شہروں میں بھی شعر وشاعری کا چرچا عام کیا۔ کچھ ہا اشخاص ایسے تھے جو شعر موزوں کرنا بھی جانتے تھے۔ انھیں پیام یار نے شعر گوئی کی طرف راغب کیا۔ اس طرح دور دراز کے مقامات میں شعر وسخن کا لوگوں میں ذوق پیدا کیا۔ اس کے علاوہ جس میں اردو زبان نہایت شکستہ ہوگئی تھی۔ وہاں کے لوگوں میں اعتماد اور حوصلہ پیدا ہوا۔ بلاشبہ پیام یار نے اپنی تیس سالہ زندگی میں زبان اردو اور شعر وسخن کی خدمت کی۔ جس سے اردو شعر وادب کو کافی تقویت پہنچی اور ترقی بھی ملی۔

پیام یار میں ابتدا ''منتخب ہم طرح کلام اور کبھی کبھی غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ طرحی کلام زیادہ اور غیر طرحی کلام کم چھپتا اور نثر سے یہ گلدستہ عاری ہوتا تھا لیکن بعد میں زمانے کے مذاق کے مطابق اس میں قسط وار ناول بھی چھپنے لگا جب کہ انشائے اور مضامین وغیرہ کی اشاعت کا سلسلہ گلدستہ میں قدرے دیر سے شروع ہوا۔ اس کے علاوہ

www.urduchannel.in

نیچرل اور قطعات وغیرہ کو بھی اس میں جگہ ملنے لگی اس طرح پر پیام یار عام طور پر دو حصوں میں منقسم ہوتا تھا۔ پہلا حصہ شاعری دوسرا حصہ نثر پر مشتمل ہوتا تھا۔ شاعری کے حصے میں طرحی اور غیر طرحی کلام درج ہوتے تھے اور اسی حصے میں نیچرل نظمیں اور قطعات بھی شامل ہوتے نثر کے حصے میں ایک ناول قسط وار شائع ہوتا تھا اور تمام قسم کے ادبی تاریخی اور اخلاقی وغیہ مضامین چھپتے تھے۔

پیام یار کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حتی الامکان سب شعر منتخب درج کئے جاتے تھے اور اس اصول کی پابندی اس سختی سے کی جاتی تھی کہ بعض پرچوں میں اساتذہ فن کی پوری غزل نہیں چھپ پاتی تھی بلکہ ان کے چند ہی شعر منتخب ہو پاتے تھے اور بہتوں کا تو صرف ایک ہی شعر درج ہوا ملتا ہے۔ خود ایڈیٹر پیام یار (منشی محمد نثار حسین نثار) کا کبھی کبھی ایک ہی شعر درج ہوا ملتا ہے۔ اس گلدستہ کے لئے ایک کمیٹی اچھے اشعار کا انتخاب کرتی تھی۔ کمیٹی کی نگرانی ریاض خیر آبادی اور خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایڈیٹر پیام یار نے خود لکھا ہے۔

> ''بعض معزز ناظرین ہم سے اپنے کلام کی عدم اشاعت یا سخت انتخاب کی شکایت کرتے ہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ انتخاب ایک کمیٹی مستند شعرا کی کرتی ہے جس کی نگرانی حضرت ریاض وخواجہ عبدالرؤف عشرت کے ذمے ہے۔ آپ کو اپنے کسی خاص شعر کے متعلق یہ شکایت ہو کہ قابل اندراج تھا اور طبع ہونے سے رہ گیا تو آپ دفتر میں لکھ کر بھیج دیجئے۔ جوابی خط پر کمیٹی سے دریافت کر کے آپ کو اطلاع دی جائے گی''۔

www.urduchannel.in

(پیام یار جون ۱۹۱۲ء ص ۵)

پیام یار کی یہ خوش نصیبی تھی کہ جہاں ابتدا ہی سے اسے اردو کے بلند پایہ شاعروں اور ادیبوں کا قلمی تعاون حاصل رہا، وہیں اس نے نوخیز شعرا و ادبا کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو بہترین ادب تخلیق کرنے کے مواقع فراہم کیے۔ اس طرح مشہور معروف شعرا کو روشناس کرایا اور ان کے کلام کو گم ہونے سے بچا لیا۔ یہ گلدستہ جہاں ایک طرف نئی پود کے شاعروں اور ادیبوں کی ذہنی تربیت کی، وہیں اساتذہ کے کلام کو ضائع ہونے سے بھی بچایا۔ ایسے شعرا اور ادبا کی تعداد خاص طویل ہے جنھوں نے بعد میں اردو شعر و ادب کے اہم ستوں کی حیثیت حاصل کر لی۔ ریاض خیرآبادی عبدالحلیم شرر خواجہ عشرت لکھنوی اور جلیل مانکپوری جیسے ممتاز شعرا اور مصنفیں کے نام اس گلدستہ معاوین میں شامل تھے۔

درحقیقت پیام یار کو روز اول ہی سے اپنے دور کے تمام اہم شاعروں اور ادیبوں کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ اس میں نثار حسین نثار مدیر پیام یار کے علاوہ داغ دہلوی، امیر مینائی، جلال لکھنوی، ریاض خیرآبادی، نسیم لکھنوی، تسلیم لکھنوی، جلیل مانکپوری، اکبر الہ آبادی اور منظر خیرآبادی کا کلام شائع ہوتا تھا۔ مولانا شرر کے ناول پیام یار میں شائع ہوتے تھے۔ خواجہ عشرت لکھنوی کے صوفی نحوی مضامین اور نیچرل نظمیں پیام یار کی زینت بنت تھیں۔

اس گلدستہ کو تمام اہم شاعروں اور ادیبوں کا قلمی حاصل تھا۔ اس کی توثیق پیام یار کے معاون خواجہ عشرت لکھنوی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

''پیام یار بھی اپنی خدمتوں کو تیس برس سے بہ وجود احسن ادا کر رہا ہے اور مستند شعرا کا کلام اس میں درج ہوا کرتا ہے۔ اور اس کی ابتدا ہند کے سرمایہ ناز شعرا کے

www.urduchannel.in

کلام سے ہوتی ہے۔امیر وداغ وجلال کا ہم طرح کلام صرف اسی رسالہ میں درج ہوتا تھا۔مولانا شرر مدظلہ کے بےشمار ناول اسی رسالے کا ایک حصہ تھے۔حضرت ریاض مدظلہ کی چلبلی غزلیں اس کے دامن پر لوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ حضرت مدظلہ کی شوخی طبیعت کا یہی جولانگاہ تھا۔حضرت جلیل کا ابتدائی کلام اس کے صفحات پر نظر آتا ہے۔ملک کے مشہور اور مستند نامور شعرا کا کلام مستقل اسی پرچہ میں درج ہوا کرتا ہے۔گویا پیام یار شعرا کی تاریخ ہے''۔

(پیام یار مارچ ۱۹۲۰ء ص۴)

جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ پیام یار میں علمی موضوعات جیسے ادب، سوانح، تاریخ، اخلاق اور تمدن وغیرہ مبنی مضامین شائع ہوتے تھے اکثر مضامین طبع زاد ہوتے تھے۔شاذ و نادر ہی کوئی مضمون ترجمہ کیا ہوا ہوتا تھا۔گلزار نسیم کے متعلق چکبست اور شرر کے ادبی معرکے میں بھی پیام یار نے خوب حصہ لیا تھا۔اس کے مضامین اس دور کے نامور اور مستند عالموں اور ادیبوں کے تراوش قلم نتیجہ تھے۔مدیر پیام یار نے اس قسم کے مضامین شائع کر کے نہ صرف اردو کے علمی سرمائے میں اضافہ کیا بلکہ اردو دان طبقے میں علمی بھی پیدا کیا۔ چند اہم علمی مضامین کی فہرست دی جاتی ہے جس سے پیام یار کے نشعری حصے کی علمی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

	عنوان	مصنف
۱	گلزار نسیم،مولانا شرر اور اودھ پنچ	حسن افضل بدر

www.urduchannel.in

۲	گلزار نسیم پر ایک تازہ ریویو	پروفیسر نقاد بی۔اے
۳	شرر اور سرشار	حکیم برہم گورکھپوری
۴	نقاد کی کساد بازی	محمد آغا میر کاشف
۵	قدیم چین پر ایک سرسری نظر	حکیم محمد رسول حاذق
۶	اصلاح زبان اردو	خواجہ عشرت لکھنوی
۷	زبان سے سلطنت کا سلوک	خواجہ عشرت لکھنوی
۸	صرف نحو اردو	,, ,,
۹	علم قافیہ	,, ,,
۱۰	متروک الفاظ	,, ,,
۱۱	تاریخ ہند کا ایک ورق	محمد نصیر احمد عباس
۱۲	اردو کی مختصر لائف	خواجہ عشرت لکھنوی
۱۳	کیا عشق پہلے معشوق کے دل میں ہوتا ہے	محمد عمر جاذب لکھنوی

پیام یار کے حصہ شاعری کی بھی بہت اہمیت ہے۔اس کی مدد سے منشی نثار اور ان کے معاصر شعرا کے کلام کے عہد ارتقا کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔علاوہ ازیں ان شعرا کے کلام کی تاریخی ترتیب میں بھی اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔اس کے چند بلند مصرع طرح پر شعرا کو انعام دینے کا اشتہار بھی کیا گیا تھا۔اس سے وقت کے ادبی ماحول اور مزاج کا اور خود مدیر کے ذاتی دلچسپیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

پیام یار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا دامن سطحی ادب سے ہمیشہ پاک رہا، جبکہ زیادہ تر گلدستے ورسالے اس کے مقابلے میں غیر معیاری ادب پیش کر رہے

www.urduchannel.in

تھے۔منشی نثار حسین کا مطمع نثار تھا۔اس لئے گلدستے کا جو معیار انھوں نے قائم کیا اسے تازیست نبھایا۔اس گلدستہ کے ذریعے بہت سے گمنام شاعر وادیب منظر عام پر آئے ورنہ ان کے افکار اور مضامین سے اردو دنیا محروم رہتی۔ پیام یار اپنے زمانے کے مزاج سے مطابقت رکھتا تھا۔اس زمانے میں شعر وسخن کے جو ماہنامے (جن کا اصطلاحی نام گلدستے ہوتا تھا) شائع ہوتے تھے وہ نثر سے عاری ہوتے تھے۔ایک طرح دے دی جاتی تھی اس پر شعرائے کرام طبع آزمائی کرتے اور پوری پوری غزلیں کہتے تھے۔ یہ غزلیں ایک گلدستے میں شائع ہوتی تھیں۔اس کے برخلاف پیام یار میں طرحی غزلوں کے علاوہ نیچرل نظمیں، مختلف موضوعات پر مضامین اور ناول بھی شائع کئے جاتے۔ پیام یا کو تمام گلدستوں میں سب سے زیادہ زندگی بھی نصیب ہوئی۔اس گلدستہ کو سب سے زیادہ معیاری اور دیرپا ہونے کا جناب دبیر نے رسالہ ''زبان'' میں اعتراف کیا ہے۔

> ''پیام یار کی عمر کا کوئی رسالہ ملک میں موجود نہیں۔ بوجہ قدامت خاص اعزاز کا مستحق ہے۔اور اپنی قدیم وضع کو جس طرح بنتا ہے بنائے چلا جاتا ہے۔اس کے تین حصے ہیں ایک مضامین کا دوسرا غزلیات کا اور تیسرا ناول کا حصہ۔ حصہ مضامین میں محمد عمر جذب سابق سوز لکھنوی کا مضمون مقدس گنگا پر دلچسپی شوق سے پڑھنے کے لائق ہے

(زبان،فروری ۱۹۱۰ء)

مولانا حسرت موہانی نے ''اردوئے معلیٰ'' میں پیام یار کے معیاری ہونے کا ان الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

www.urduchannel.in

''پیام یار اردو زبان کے قدیم گلدستوں میں اگر چہ سب سے پرانا نہیں ہے مگر ایک حیثیت سے اس کا مقابلہ اور کوئی دوسرا رسالہ یا گلدستہ نہیں کرسکتا۔ کہ یہ وقت اجرا سے آج تک عارضی تعویقوں سے قطع نظر کر کے اس کی اشاعت کبھی موقوف نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منشی نثار حسین مرحوم ایڈیٹر پیام یار اردو کے سب سے پرانے خادم تھے۔

(اردوئے معلیٰ، مئی ۱۹۱۲ء ص ۲۰)

پیام یار نے ابتدائی دور ہی میں اپنی تمام خوبیوں سے اس درجہ شہرت حاصل کر لی تھی کہ شعر وسخن کا اچھا ذوق رکھنے والا ہر شخص اس کا مداح ہوگیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے اردو ادب نواز مسٹر کے۔ ایچ۔ روحانی رئیس اعظم میرٹھ نے پیام یار کی خدمت کا اعتراف ذیل کے سطور میں کیا ہے۔

''خدا کا شکر ہے کہ اس رسالہ کی ترقی امید کے سر پر بھی چمکی۔ مہتمم کی کوشش اور جانفشانی نے نہ صرف ہر حسین و حسن پرست، ہر شاعر وسامع کی طبیعت میں ولولہ پیدا کیا بلکہ ادھر تو ادھر کشمیر و پیشاور کی برفانی ہوا میں شعر گوئی کی گرمی پیدا کردی۔ ادھر بنگالہ و اڑیسہ کے مذہبوں کے خیالات کو اپنی طرف مائل کیا تو ادھر بمبئ و شدہ کی بندرگاہوں پر پہنچ کر اپنا علم نصب کردیا۔ وہ کون شاعر ہے جس نے پیام یار کی طرح پر غزل نہ کہی ہو وہ

www.urduchannel.in

کونسا شائق ہے جس نے پیام یار کی جھلک نہ دیکھی
ہو۔ گویا یہ رسالہ وہ دلکش محبوب ہے جس نے معشوقوں
کی آنکھ میں عاشقوں کے دل میں شاعروں کی زبان
میں اور شائقوں کے کان میں اپنی تاثیر کو چمکایا اور حسن
وعشق کی خوشنما قصوں کے ساتھ ایشائی شاعری کی مرد،
جسم کو روح پھونک کر گرمایا''۔

(پیام یار جنوری ۱۸۸۵ء بحوالہ اردوئے معلّیٰ جولائی اگست ۱۹۱۲ء ص ۱۸)

پیام یار سے نثار کی جولائی طبع، بلند حوصلگی اور جرات رندانہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں جب ہندوستان کے مختلف حصوں سے گلدستے نکل رہے تھے۔ کچھ لوگوں کے پاس بہت بڑا پریس اور وسائل و ذرائع تھے اس کے علاوہ روپیوں کی فراوانی بھی تھی۔ عین اسی زمانے میں انگریزی سے نابلد اور ناواقف محض ہونے کے باوجود منشی نثار حسین نے ایک گلدستہ جاری کر دیا اور اس میں ایسی جدتیں کیں خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس طرح گلدستہ نے وہ شہرت حاصل کی جواب تک کسی دوسرے گلدستے کو حاصل نہ ہوتی درحقیقت پیام یار نے اردو زبان وادب کے متعلق جو خدمات انجام دی ہیں اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مدیر پیام یار نے خود پیام یار کی خدمت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''آپ جانتے ہیں کہ پیام یار نے اس بائیس تئیس
سال کی خدمت میں آپ کے ملک آپ کی زبان اور
آپ کی قوم کی کیسی کچھ خدمت کی۔ اس نے شاعری کو
زندہ رکھا اور اردو وشعر وسخن کے مذاق کو ترقی دی۔ فی

www.urduchannel.in

الحال بہت سے ایسے نوجوان ملیں گے جو اس پرانی شاعری کو برا کہتے ہیں اور اپنے جدید مذاق کے موافق اس میں ترمیم و تنسیخ کرنا چاہتے ہیں مگر انھیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے اس تغیر پسند مجتہدانہ مذاق نے پیام یار ہی کے آغوش میں پرورش پائی ہے۔ اور اسی کو پڑھ پڑھ کے وہ اس قابل ہوئے ہیں کہ مفید اور غیر مفید اور مناسب یا غیر مناسب تغیر کے خواستگار ہوں۔ ہم ان کے اس اجتہاد و رفارم کو برا نہیں کہتے۔ مگر وہ بھی پیام یار کو برا نہ کہیں۔ کیونکہ پیام یار ہی ہے جس نے اردو شاعری کو عام اس سے کہ وہ بری تھی یا بھلی زندہ رکھا۔ اور دستبرد زبانہ سے بچایا۔

ان اصلاح کرنے والوں کی عمر ابھی بہت تھوڑی ہے۔ اور اس نوعمری پر جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ ایک خاص حلقہ اور مختصر جماعت میں محدود ہے ان کا اثر بہت ہی تھوڑی دور پہنچتا یا پہنچنے پایا ہے۔ مگر پیام یار نے ایسے مقامات میں شعر گوئی کا چرچا کر دیا جہاں اس سے بیشتر زبان اردو کا کوئی جاننے والا بھی کم تھا۔ بہت سے ایسے لوک تھے جو موزوں کرنا بھی نہ جانتے تھے۔ انھیں پیام یار نے ابھار ابھار کر شاعر بنا دیا''۔

(پیام یار مارچ ۱۹۲۰ء ص ۱)

www.urduchannel.in

درحقیقت پیام یار اپنی تیس سالہ ادبی زندگی میں اردوشعروادب کی خوب خدمت کی اس کے تمام شماروں میں کل دو ہزار آٹھ سوستائیس طرحی غزلیں اور بیاسی غیرطرحی شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ پچیس نظمیں اور پانچ قطعات بھی چھپے ہیں جو پیام یار کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ نثر کے حصے میں ناول کے علاوہ ستہتر مضامین طبع ہوئے ہیں۔ ان مضامین ہرقسم کے مضمون ملتے ہیں۔ کچھ ادب کے متعلق ہیں تو کچھ سوانح اور تاریخ کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اخلاقی اور کچھ انشائیے بھی ہیں مگر زیادہ تر مضامین ادبی موضوعات ہی پر مشتمل ہیں۔

یہ صحیح کہ پیام یار نکلا اور عارضی طور پر بند ہو گیا پھر نکلا اور بند ہوا یا کبھی تاخیر سے نکلا۔ اس نشیب وفراز سے گزرتا رہا۔ مگر اس نے کبھی بھی اپنے معیار کو گرنے نہیں دیا۔

منشی نثار حسین نے طرز عام سے ہٹ کر پیام یار کا اجرا کیا تھا اور اس میں کلام نہیں کہ یہ اپنے ادبی معیار کے سبب دوسرے تمام گلدستوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اردو کے بہت سے گلدستے نکلے۔ کچھ جلد بند ہو گئے اور کچھ زیادہ دن تک نکلتے رہے مگر جو زندگی پیام یار کو ملی وہ کسی بھی گلدستے کو نصیب نہ ہوسکی۔ ان گلدستوں میں کچھ اچھے اور معیاری بھی تھے۔ لیکن سب سے اچھا پیام یا ہی تھا جو ایک لمبے عرصے تک اہلِ ذوق کے دل و دماغ پر چھایا رہا۔ اس نے اپنی کیفیت وکمیت دونوں کے اعتبار سے اردوشعر وادب کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی ہے جس کے بارِ احسان سے وہ کبھی سبکدوش نہیں سکتے۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

مدیر کا تعارف

قدیم لکھنو کے شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں میں منشی محمد نثار حسین نثار ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اور اپنے دور کی چند ادب دوست شخصیات میں سے ایک تھے۔ ان کا گلدستہ پیام یار نے اردو شعر و ادب کے فروغ میں جو نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس سے تمام مشہور و معروف اور نئی پود کے شعراء اور ادبا کا تعارف اہل ذوق حضرات کرایا۔ یہ اردو کا اچھا، معیاری، دیرپا اور موقر گلدستہ تھا۔ اس گلدستہ سے نثار کو قلبی تعلق تھا۔ وہ تمام صعوبتیں جھیل کر اپنی آخری سانس تک گلدستہ نکالتے رہے۔ اس نے اپنے عہد کے تمام مشہور شعرا و ادبا کی تخلیقات کو اپنے قارئین تک پہنچایا اور نئی پود کے لکھنے والوں کو دنیائے شعر و ادب میں متعارف کیا۔

منشی نثار حسین نثار کے حالات زندگی اب تک پردہ خفا میں ہیں۔ منشی نثار کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا اور نہ ابھی تک ان کا کہیں انتخاب ہی چھپا۔ منشی حسین کے معاصرین نے شعرائے اردو کے بہت سے تذکرے لکھے۔ لیکن نثار کو سبھی نے نظر انداز کیا۔ خود اردو صحافت کی تاریخ میں مورخیں، پیام یار کا ذکر بڑی فیاض سے کرتے ہیں مگر اس کے مدیر کے متعلق ضروری اطلاعات بھی فراہم نہیں کرتے۔ البتہ گلدستہ پیام یار کے متعدد شماروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شاعر، انشاپرداز اور بہترین صحافی تھے۔

منشی نثار کا پورا نام منشی محمد نثار نثار حسین تھا۔ اور نثار تخلص کرتے تھے۔ مگر منشی نثار کے نام سے مشہور ہوئے۔ منشی نثار حسین لکھنو کے ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام اکرام حسین تھا۔ جو عطر اور تیل کے بڑے تاجر تھے۔ لکھنو میں نخاس چوک

www.urduchannel.in

کے پاس واقع سید حسین خان کے پھاٹک کے پاس ان کی دوکان تھی۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کارخانہ تھا۔ جو بہترین عطر اور تیل کے لئے مشہور تھا۔ کارخانہ کا ذکر خود منشی نثار حسین کی زبانی سنئے۔

''اس سچے کارخانہ کی حسن معاملگی اور عمدگی مال سے
ہندوستان کے اکثر روشا اور نامی تاجر واقف ہیں۔
لکھنو کی نمائش گاہ سے اس کارخانہ کو تمغہ اور سرٹیفکیٹ بھی
ملا ہے۔ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں''۔

(پیام یار، جولائی ۱۸۸۵ء ص سرورق کا اندرونی حصہ)

پیام یار کے صفحات کہیں کہیں ان کی شخصیت کی طرف خفیف اشاعرہ کر دیتے ہیں یا پھر ان کے ایک آدھ دوستوں کے ساتھ ایک آدھ واقعات ایسے مل جاتے ہیں جن سے بھی کچھ معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ مگر ان کی تعلیم کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔ حکیم عبدالوالی فرماتے ہیں۔

''نثار حسین مہتمم پیام یار معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے''[۱]

اور رئیس احمد جعفری ان کی شخصیت کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں۔

''اس (پیام یار) کے مالک و مدیر نثار حسین نثار صاحب تاجر
عطر چوک لکھنو تھے۔ یہ بڑے سخن فہم، نکتہ شناس اور قدردان
ادب تھے''[۲]

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ انھوں نے شاید باقاعدہ، طور سے مدرسے یا اسکول کی اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی ہے۔ لیکن شعر وسخن کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ زمانے کے رواج کے مطابق فارسی زبان وادب سے واقفیت ضرور رکھتے رہے

www.urduchannel.in

ہونگے۔ گلدستے کے لہذا لوگ شعروادب کے معاملے میں ان کی نظر پر اعتبا کرتے رہے ہونگے۔

منشی نثار حسین نثار بڑا اچھا ادبی مذاق رکھتے تھے۔ وہ شاعروں، ادیبوں، صحافیوں اور انشاپردازوں کے بڑے قدردان تھے۔ منشی خود اپنے دور کے ایک گرانقدر فرد تھے اور مشاہیرفن دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ اس لئے ان کی خاطر ہر ایک کو عزیز تھی۔ نثار حسین کی دوکان چوک میں سید حسین خان پھاٹک کے پاس تھی۔ بڑے موقع پر دوکان تھی۔ اس زمانے میں لکھنو کا چوک سارے شہر کا مرکزی مقام اور گزرگاہِ خاص و عام تھا۔ سارے شہر کے اشراف اور روشا اور لکھنو کے زندہ دل نوجوان اور ہرفن کے اہل کمال تفریح، ملاقات احباب یا خریداری کے لئے یہاں آتے تھے۔ مختلف دوکانیں ان کی نشت گاہیں ہوتی تھیں۔ جن میں شہر کے اہل وادب اور چیدہ حضرات کی سب سے بڑی نشست گاہ منشی نثار حسین کی دوکان تھی۔ دن کو دوکانداری رہتی تھی اور سرشام کو تجارت بند ہوجاتی اور اہل سخن کا مجمع لگ جاتا تھا۔ پھر یہ مجمع ادبی نشت اور ادبی محفل میں بدل جاتا۔ جہاں شعروادب کے متعلق بحث ومباحثہ شروع ہوجاتے تھے۔ اس زمانے میں لکھنو کے دورودیوار شعروادب کے کیف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ادبی بحثیں روزانہ ہوا کرتی تھیں اور حقیقت یہ کہ زبان کی نکھار اور خیال کی نزاکت میں یہ مذاکرے بہت کارآمد ثابت ہوتے تھے۔ یہ ادبی نشستیں نہ صرف ادبی ذوق کی آبیاری کرتیں بلکہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کی تحریک دیتی رہتیں۔ مزید برآن یہ محفلیں اعتبار سے بھی یادگار ہوتیں کہ یہاں تخلیقی صلاحیت کو جلاملتی۔ لہذا ان ادبی نشستوں اور محفلوں کو زبان وبیان کی خوبیوں کے حق میں درسگاہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ درحقیقت اس دور کی ادبی محفلیں لکھنو کے اداب و تہذیب اور ثقافت وتکلفات کی جیتی جاگتی تصویریں ہوا کرتی تھیں۔

www.urduchannel.in

منشی نثار ایک علم دوست اور مخلص آدمی تھے۔ ان کے ادبی ذوق اور اخلاق سے متاثر ہو کر مشہور و معروف شعرا اور مصنفیں نے ان کی دوکان پر اپنی نشت گاہ بنالی تھی۔ اس سلسلے میں حکیم عبدالوالی لکھتے ہیں۔

''(نثار حسین کی) چوک میں سید حسین خان پھاٹک کے پاس عطر اور تیل کی دوکان تھی جو کسی زمانے میں شام کو مشہور مصنفیں و شعرا کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ سرشار (صاحب فسانہ آزاد)، سجاد حسین، شرر (مولانا عبد الحلیم)، ریاض، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، اکبر الہ آبادی، شبلی سب اس دوکا پر دل بہلانے بیٹھ چکے ہیں'' ۳؎

منشی نثار کا مکان اور ان کی دوکان اہل ذوق و ادب کا مجمع گاہ تھی۔ جہاں پر لوگ بیٹھتے اور شعر و ادب پر رسمی یا غیر رسمی گفتگو کرتے اور پھر گھنٹوں یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ اس ضمن میں رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں۔

''نثار صاحب کا مکان یاراں میکدہ کی بیٹھک کا کام دیتا تھا..... ریاض صاحب، مولانا عبدالحلیم شرر، خواجہ عشرت، جناب وسیم، امانت لکھنوی (واسوخت امانت والے) کے فرزند، فصاحت صاحب اور لکھنو کے دوسرے ارباب زبان و ادب مجتمع ہوتے تھے۔ یہاں بس شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا'' ۴؎

درحقیقت منشی نثار کی دوکان اپنے دور کی ایک ادبی اور لٹریری مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔

www.urduchannel.in

یہاں پر اہل زبان و ادب جمع ہوتے، محفلیں گرم کرتے اور لطف اٹھاتے تھے۔ اس بارے میں منشی نثار حسین کے بیٹے اکبر حسین اکبر لکھتے ہیں۔

''عطر کی شہر میں صدہا دوکانیں تھیں مگر منشی نثار حسین صاحب مرحوم کے لٹریری ذوق اوران کے حسن اخلاق کی وجہ سے ان کی دوکان ہمیشہ ایک علمی اور لٹریری صحبت بنی رہی۔ جس میں منشی عبدالحلیم شرر جیسے علامہ زمان اور منشی ریاض احمد جیسے جادو بیانوں کی نشست رہا کرتی تھی۔ جلال مرحوم اور حضرت تسلیم مرحوم بارہا اور مہینوں یہاں رونق افروز ہوئے۔ منشی اکبرالہ آبادی آیا کرتے تھے۔ حضرت برہم اور خدا جانے کن کن باکمالوں کی اس دوکان پر نشست رہی۔ اور ہندوستان کا کون سا شاعر و نثار اور مشہور مصنف تھا جو اس دوکان پر آ کے نہ بیٹھا ہو اور س صحبت سے لطف اٹھایا ہو۔

حقیقت حال یہ کہ منشی محمد نثار حسین صاحب کا گھر اوران کی دوکان ہمیشہ ایک ایسا علمی کلب بنی رہی جس کے ذریعے سے باہر کے تمام صاحب ذوق سیاح لکھنو میں آتے ہی باآسانی یہاں کے کاملین سے مل لیا کرتے اور افسوس کہ آج وہ صحبت برہم ہوگئی۔ ع ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ سچ یہ ہے کہ منشی محمد نثار حسین صاحب کی دوکان لکھنو میں ایتھنز کا وہ مشہور عالم باغ بنی ہوئی تھی

www.urduchannel.in

جو اکیڈمی کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس میں افلاطون
ومشاہیر یونان کی اکثر نشست رہا کی۔ اور آہ اب منشی
محمد نثار حسین کے بعد اس صحبت کا چراغ گل ہو گیا، جس
کا مزا کچھ انھیں لوگوں سے پوچھئے جو کبھی یہاں آئے
اور شریک صحبت ہوئے''۔

(پیام یار ۱۹۱۰ء بحوالہ اردوئے معلیٰ، مئی ۱۹۱۲ء ص ۲۰)

منشی نثار حسین کی دوکان شاعروں اور ادیبوں کی رونق سے منور رہتی تھی۔ اس کی توثیق مولانا حسرت موہانی نے بھی کی ہے۔

''منشی نثار حسین مرحوم کی دوکان کا آخر تک یہی حال رہا
کہ شام کو جس شخص ادھر جا نکلتا اسے کسی نہ کسی مشہور یا
ادیب کی زیارت ضرور نصیب ہو جاتی تھی''۔

(اردوئے معلیٰ، مئی ۱۹۱۲ء ص ۱۳)

اسی ذوق سلیم کا نتیجہ تھا کہ منشی نثار حسین نے پیام یار جیسا موقر گلدستہ جاری کیا جو روز بروز ترقی کے مراحل سے گزرتا ہوا ادب کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا۔ یہ نہ صرف ایک اچھا ادبی گلدستہ تھا بلکہ ادب کے بہت سے معروف ناموں کی ابتدائی گاہ، بھی رہا۔ منشی نثار نے نہ جانے کتنے شاعروں اور ادیبوں کو پیام یار کے ذریعے متعارف کرایا اور ان کی ادبی تربیت کی۔ اس طرح یہ اپنے دور کا بہت مفید اور کارآمد گلدستہ ثابت ہوا۔ جس زمانے میں یہ گلدستہ نکل رہا تھا اس زمانے میں بہت سے گلدستے نکالتے اور بند جاتے تھے۔ حالانکہ علم وادب کا ذوق اتنا عام تھا کہ جو گلدستہ نکلتا، ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتا لیکن ان سب کی بہار وقتی تھی اور ان کی زندگی دیرپا نہیں تھی البتہ ان کی اشاعتیں اردو

www.urduchannel.in

ادب کی کچھ نہ کچھ خدمت ضرور کر دیتی تھیں ۔لیکن پیام یار نے تغیر پذیر زمانہ میں بھی جو کار ہائے نمایاں انجام دیا وہ اسی کا حصہ تھا۔ اور اس کی افادیت بھی دیرپا تھی۔

پیام یار کے اجراء سے منشی نثار حسین کی جولائی طبع، بلند حوصلگی اور جرات رندانہ کا اندازہ ہوتا ہے۔اس زمانے میں تمام گلدستے نکلے تھے کچھ لوگوں کے پاس کافی وسائل و ذرائع تھے اس کے علاوہ روپیوں کی فراوانی بھی تھی پھر بھی وہ اس زمانے میں انگریزی سے ناواقف کار ہونے کے باوجود اس میں ایسی دلکشی پیدا کر دیتے تھے کہ سارا زمانہ ٹوٹ پڑتا تھا اور پیام یار ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ درحقیقت اردو کی جو خدمت پیام یار نے کی ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ پیام یار کی قسمت کا اعتراف کرتے ہوئے خواجہ عشرت لکھنوی نے لکھا ہے۔

> ''پیام یار وہی پیام یار ہے جس کے صفحات پر آپ کو علم و ادب کا بڑا ذخیرہ اور جس کے اوراق پر تصاویر گذشتگان آپ کو نظر آئیں گے۔ یہ شعرائے متاخریں کا بہترین البم ہے۔سنیں ماضیہ کے تیس برس کے اندر کے شاعری کے میدان میں جو اہل کمال اعجاز نما کام کر گئے وہ سب پیام یار کے گذشتہ اوراق میں آپ کو نظر آئیں گے۔ پیام یار اب پیام یار نہیں بلکہ ایک ضخیم ''تاریخ الشعرا'' ہے''۔

(پیام یار جولائی اگست ۱۹۰۸ء ص ۸)

یہ امر قابل توجہ ہے کہ منشی نثار حسین نے وہ کونسی راہ اختیار کی ،جس کے سبب پیام یار نے ہر ایک کے دل پر نقش دوام ثبت کر دیا۔اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ منشی نثار

www.urduchannel.in

نے پیام یار کو کبھی اپنی شہرت اور نام ونمود کے لئے نہیں استعمال کیا۔ ان کا نام تقریباً چھبیس برس تک بطور مہتمم و مالک شائع ہوتا رہا انھوں نے اپنی خاکساری میں کبھی مدیر اور ایڈیٹر کی اصلاح استعمال نہیں کی۔ ادبی رسالوں میں عام طور پر مدیر اپنے علم وفن کی دھاک بیٹھانے کی کوشش کرتا ہے کبھی رسالے کے مسائل کا ذکر کرتا ہے، کبھی مشمولات کے بارے میں اپنی آراء پیش کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی دیگر متعلقہ مسائل پر فیصلے صادر فرماتے ہے۔ لیکن منشی نثار کا انداز اس سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اپنی تخلیقات کو پیام یار میں شائع کرنا کم پسند کرتے تھے۔ اگر انھیں گلدستہ کے متعلق کبھی کچھ لکھنا ہوتا تھا بہت کم سطور میں اپنی بات کو سادہ انداز میں کہتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو خودستائس اور خودنمائی سے بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ جہاں تک ممکن ہوتا تھا اپنی اور پیام یار کی تعریف توصیف گلدستہ میں چھپنے نہ دیتے تھے۔ منشی نثار کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ انھوں نے علم کو کبھی ادب کا حریف نہیں ان کا خیال تھا کہ جو ہر علم سے ادب نئی وسعتوں ہمکنار رہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گلدستے میں طرحی اور غیر طرحی غزلوں کے علاوہ ناول اور تمام قسم کے مضامین کو جگہ دی جس سے گلدستہ کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا۔

دراصل منشی نثار حسین کے خیالات بڑے بلند اور بلیغ تھے۔ ان کی دورس نگاہیں اعلیٰ صحافت کی نزاکتوں سے واقف تھیں۔ وہ گلدستہ کو ایسا نہیں بنانا چاہتے تھے جس میں صرف انھیں اس میں لکھنے پڑھنے والوں کا گلدستہ سمجھتے تھے اور غالباً یہی سبب ہے کہ جہاں پیام یار کے بیشر واور معاصر گلدستوں میں سے بیشتر نے اپنے مدیروں کو نمایاں کیا وہاں منشی کے گلدستہ نے اپنے شرکا کو نمایاں کرنے کی بھر پور کوشش کی یہ صفت، منشی کو دیگر معاصر مدیروں سے ممتاز کرتی ہے۔

پیام یار منشی نثار کی پوری زندگی کا اثاثہ تھا۔ اسے انھوں نے بڑی جانکا رہی

www.urduchannel.in

کے ساتھ پروان چڑھایا تھا۔ منشی نثار کی بیماری کی وجہ سے پیام یار کی مالی حالت انتہائی خراب ہوگئی تھی۔ پھر ان کی غیرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ جب تک زندہ رہیں اپنی آنکھوں سے پیام یار کی موت دیکھیں۔ چنانچہ جب پراچانک فالج کا حملہ ہوا تب بھی انھوں نے گلدستہ بند نہیں ہونے دیا۔ مدیر پیام یار (منشی نثار) اپنی بیماری اور علاج سے متعلق خود کرتے ہیں۔

> ''کثرت سے خطوط اور تار وغیرہ اس مضمون کے آئے ہیں کہ بیماری کا حال مفصل لکھو۔ لہذا مختصراً عرض ہے کہ ۲۰/اپریل ۱۸۸۸ء کی شب کو بائیں جانب دفعتاً مجھ پر فالج گرا، ایک ہاتھ اور ایک پاؤں میں قوت نہیں رہی لیکن قوت حس موجود تھی۔ زبان موٹی ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب آئے علاج شروع کیا گیا۔ دن بدن فائدہ ہوتا رہا ایک مہینے میں اس قدر فائدہ ہوا کہ ہاتھوں میں برائے نام شکایت رہ گئی۔ لیکن پاؤں میں طاقت اصل قوت نصف آئی۔ پھر فائدہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ سوا مہینے اور ڈاکٹر صاحب کا علاج کیا گیا اس کے بعد یونانی علاج شروع ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔ ۹/سال ہو چکے ہیں اور دو حمام۔ لیکن مرض بدستور تعقف کی حالت میں ہے۔ دعا فرمائے کہ خدا صحت کامل عطا کرے۔ اور بقیہ شکایت پاؤں کی بھی رفع فرمائے''۔

www.urduchannel.in

(پیام یار اگست ۱۸۸۸ء ص ۲۰)

سچ سچ پیام یار سے منشی نثار کو بڑا لگاؤ تھا۔ وہ نفع نقصان کی پرواہ کئے بغیر گلدستہ کو وقت پر نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور جب تک ان کی تندرستی اچھی رہی گلدستہ وقت پر نکالا کیا۔ اگر کبھی یہ اندیشہ ہوتا کہ پرچہ تاخیر سے نکلے گا تو وہ اپنی تمام مصروفیات کو ترک کر دیتے تھے اور کافی پیسہ خرچ کر کے اسے وقت ہی پر طبع کرتے تھے۔ اس سلسلے میں رئیس احمد جعفری کا بیان قابل توجہ ہے۔

> ''اس (پیام یار) کے مالک و مدیر نثار حسین صاحب تاجر عطر چوک لکھنو تھے۔ یہ بڑے سخن فہم نکتہ شناس اور قدردان ادب تھے۔ محض اپنی دلچسپی کے لئے انھوں نے پرچہ نکالا تھا اور اس پر کافی رقم خرچ کر ڈالتے تھے۔ نفع ہو یا نقصان انھیں اس کی پرواہ نہیں تھی'' ۵

منشی نثار جب بڑی جانفشانی کرتے تو پیام یار وقت پر ضرور نکل آتا تھا، مگر مجموعی اعتبار سے گلدستوں کی وہ قدر و منزلت نہیں ہوتی تھی جس کے وہ مستحق ہوتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ زمانے کا مذاق رفتہ رفتہ بدل رہا تھا۔ نوجوان نسل گلدستوں کے ہم طرح کلام سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے لگی تھی۔ ایسے ماحول میں لوگوں میں گلدستوں کا ذوق کم ہوتا فطری تھا۔ نتیجتاً تمام گلدستے ایک ایک کر کے بند ہونے لگے۔ پیام یار بھی اپنے معاصر گلدستوں کی مصیبت میں شریک تھا۔ لیکن منشی نثار ان باوضع لوگوں میں سے تھے جو اپنے اعجاز و اعتبار کے نام پر مالی نقصان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے احباب نے بارہا شکایت کی کہ پیام یار کی اشاعت میں مالی نقصان اٹھانے سے کیا فائدہ۔ اگر کسی دوسری تجارت میں اتنی تگ و دو کی جائے تو کافی

www.urduchannel.in

فائدے کی امید کی جاسکتی ہے۔لیکن منشی نثار حسین کی رگ و پے میں اردو شعر و ادب کی خدمت کا جذبہ رچ بس گیا تھا۔ لہذا وہ اردو کی خدمت چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہوتا اپنی پابندی وضع کے خلاف سمجھتے تھے۔ وہ محض اپنی ذاتی دلبری اور حوصلہ کی بنیاد پر اپنی آخری سانس تک گلدستہ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں بھی پیام یار کی اشاعت کی فکر انھیں دامنگیر رہتی تھی۔

۲۰/اپریل ۱۸۸۸ء کی شب کو منشی نثار پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔اس وقت سے ان کی طبیعت علیل رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بار وہ اپنی بیماری کے علاج کے دوران خانگی مصائب کا ذکر کرتے ہوئے ناظرین پیام یار سے معذرت خواہ تھے۔ کہ اس درمیان اگر دفتر پیام یار میں کسی قسم کی ابتری پیدا ہوگئی ہو تو معاف فرمائیں۔ چنانچہ بعنوان ''پر ملال'' لکھتے ہیں۔

موت سے بدتر ہو جس کی زندگی　　　ہائے اس کی موت دیکھا چاہیے

حضرات! آپ کا خادم مہتمم پیام یار اپریل ۱۸۸۸ء سے جن مصائب میں گرفتار ہے اس کے بیان کے لئے نہ مجھ میں حواس اور نہ سننے کی آپ میں طاقت دیکھتا ہوں۔ میری سخت علالت کا حال تو آپ کو معلوم ہے۔لکھنؤ میں نامی طلبا اور ڈاکٹروں کا علاج کر کے شروع اکتوبر میں فیض آباد گیا اور عیسیٰ نفس مسیحائے زماں جناب حکیم شفاء الدولہ صاحب بہادر کا علاج شورع کیا، جن کی توجہ سے فائدہ ہونے لگا۔امید تھی کہ آخر دسمبر یا شروع جنوری تک طبیعت بالکل صاف ہو جائے گی۔اس طرح کارخانہ وغیرہ کی ابتری کے علاوہ اور متواتر ایسے صدمات پہنچے کہ قابل بیان نہیں۔تین بچے ایک لڑکا دو لڑکیاں بعارضہ چیک مبتلا ہوئے۔ بڑی لڑکی جس کی عمر ساڑھے پانچ برس کی تھی اور جس کا نام صغریٰ تھا جس کو میں جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔اس نے میری عدم موجودگی میں

www.urduchannel.in

انتقال کیا۔ ہائے انتقال کا لفظ لکھنے کو لکھ گیا ہوں مگر دل کی جو کیفیت ہے وہ میں جانتا ہوں۔ وہ صحت کے علاوہ سخت بیماری میں بھی شب کی کمبخت صبح کو داغ حسرت دیتا تھا اس معصوم کا ننھے ہاتھوں کو اٹھا کر بھولی زبان سے یہ دعا مانگنا کہ ''اللہ کرے ہمارے ابا اچھے ہو جائیں''۔ اور پھر ایک دو مرتبہ نہیں رٹ لگا دینا جس پر اس کی ماں اور دیگر اعزا کا یہ کہنا کہ ''بیٹا زیادہ نہ دعا مانگو حلق خشک ہو جائے گا''۔ جواب میں یہ کہنا ''ہم اپنے ابا کے لئے دعا مانگتے ہیں''۔ جس وقت یاد آتا ہے کلیجہ منھ کو آتا ہے۔............اپنی سخت علالت اس پر اس قسم کے صدمات، حواس درست نہیں۔ اگر ایسی حالت میں پیام یار میں ابتری یا خطوط کے جواب یا فرمائش کی تعمیل میں کسر ہو تو امیدوار معافی ہوں''۔

(پیام یار، دسمبر ۱۸۸۸ء ص ۲)

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے منشی نثار حسین پر فالج گرا تھا۔ فالج گرنے سے ان کی آنکھ بھی متاثر ہوگئی تھی اور روز بروز آنکھ کی روشنی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ علاج کی تمام تدبیریں کرنے کے باوجود خاطر خواہ فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ جب ان کو یہ محسوس ہوا کہ لکھنے پڑھنے اور خط و کتابت سے مجبور ہوتا جا رہا ہوں تو سال گذشتہ کی طرح پھر ڈاکٹر کو رجوع کیا۔ اس پریشانی سے دو چار ہونے پر ۱۹۰۵ء کے چار مہینے گزر گئے اور پیام یار کا کوئی پرچہ منظر عام پر نہیں آیا جس سے منشی نثار کو فکر لاحق ہوگئی اور انھوں نے کوشش کر کے ۱۹۰۵ء کے ابتدائی تین مہینوں کے پرچے ایک ساتھ شائع کئے۔ اس پرچے میں وہ اپنے مصائب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''بہت سے احباب جانتے ہیں کہ تقریباً پندرہ سال کا زمانہ گزر گیا ایک دفعہ سخت بیمار ہو گیا تھا اور بہت دنوں تک چلنے پھرنے تک سے معذور رہا۔ اس مصیبت کو

www.urduchannel.in

اس نے راضی برضا ہو کے برداشت کیا اور جس طرح بنا ملک وقوم کی خدمت بجا لاتا رہا.......پہلی بیماری کا اثر اچھی طرح زائل نہیں ہونے پایا تھا کہ آنکھوں کی شکایت اٹھ کھڑی ہوئی اور ضعف بصارت نے ستانا شروع کیا۔........سال گذشتہ بھی آنکھوں کا علاج کیا گیا تھا اور مشہور و معروف آئی سرجن بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم خان صاحب کے کمال توجہ نے آپ کے اس خادم کو اس قابل ضرور کر دیا تھا کہ آپ کو خبر بھی نہ ہوئی اور یہ اپنی خدمات کو جہاں تک بنا مستعدی سے بجا لاتا رہا۔ مگر میری بدقسمتی اور شاعرانہ غم پسندی نے ایسے چابکدست اور مشہور ڈاکٹر کے کمال کو بھی اپنا سچا اور مستقل اثر نہ دکھانے دیا چنانچہ اس سال پھر آنکھوں کی شکایت اٹھ کھڑی ہوئی اور جب یہ حالت ہوئی کہ پڑھنے لکھنے اور خط و کتابت سے بھی مطلقاً معذور ہوا جاتا ہوں تو پھر ڈاکٹر ممدوح کی طرح رجوع کیا۔ جنھوں نے کمال توجہ سے علاج کیا مگر اس کے ساتھ ہی آنکھو سے کام لینے اور ان پر بار ڈالنے کی ممانت کردی۔ دو تین مہینے اس حالت کو گزر چکے ہیں۔ علاج بدستور جاری ہے۔ اور ابھی تک نہ اجازت ملی ہے اور نہ اس قابل ہوں کہ پڑھنے لکھنے کا کوئی بھی کام

www.urduchannel.in

کروں۔....... یہ تو جسمانی و روحانی آلام تھے اب چند انتظامی مصائب کو بھی سن لیجئے۔ دفتر کے منشی اور محرر صاحب جنھیں ایک مدت دراز کام کرتے کرتے پورا تجربہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے بلا لحاظ اس کے کہ میری معذوریوں کا خیال ہو یا قدیم تعلقات کی پرواہ کریں، یکا یک نوکری چھوڑ دی اور مجھے ایسی حالت میں چھوڑ گئے جبکہ میں بالکل بے دست و پا تھا۔ میرے پاس کوئی کام کرنے کے قابل آدمی بھی نہ تھا جو کام کو سنبھال لیتا۔ مگر میں ہی تھا جس نے ایسی حالت میں بھی کچھ نہ کچھ کام چلایا اور خط و کتابت یا تعمیل احکام کا سلسلہ کلیتاً مسدود نہ ہونے پائے۔ باوجود اس کے بہت سے خطوط کے جواب رہ گئے۔ اور سب سے زیادہ مصیبت پیش آئی کہ ۱۹۰۵ء کے چار مہینے گزر گئے اور پیام یار کا ایک نمبر بھی نہ شائع ہونے پایا۔

آخر قدر دانوں کی محبت نے اتنی دستگیری کی کہ باوجود اپنی ان معذوریوں کے بعض احباب کی اعانت اور اپنی امکانی کوشش سے کام لے کے جنوری فروری مارچ کے پرچے نکال دئے اور عنقریب اپریل مئی جون کے پرچے بھی آپ کی میز پر ہونگے۔ کیوں کہ تیار کر لئے گئے ہیں اور زیر طبع ہیں''۔

www.urduchannel.in

(پیام یار، مارچ ۱۹۰۵ء ص۴، ۵)

۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے منشی نثار کی مستقل علالت نے ان کے کارخانے کو نقصان پہنچایا جس سے پیام یار کی اشاعت میں بھی پانچ مہینے کی تاخیر ہوئی۔ اپریل، مئی، جولائی اور اگست کے پرچے نہیں نکل سکے۔ یہ تاخیر مدیر پیام یار سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی بیماری کی حالت میں جولائی اور اگست ۱۹۰۸ء کا مشترک شمارہ شائع کر دیا اور بقیہ کے لئے ''معذرت'' کے عنوان سے ایک مضمون قلم بند کیا۔ جس سے نثار کی مجبوریوں اور ان کے نصف دل و دماغ کا اندازہ ہوتا ہے ساتھ ہی اکے بلند حوصلے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

> ''اس عرصے میں دفعتاً ہماری علالت سے کارخانے کو بہت کچھ نقصان پہنچا اور پیام یار کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ ہم سخت مجبور تھے۔ آغاز ضعیفی امراض کا دست شفقت طبیعت کا اضمحلال دل و دماغ کمزروی ان سب باتوں نے ہم کو مجموعہ عذرات بنا دیا۔
>
> اس میں شک نہیں کہ پیام یار کی خدمت کرتے کرتے ہم بڈھے ہو گئے۔ اب زمانہ پنشنز ہونے کا آ گیا، امید تو یہ ہے کہ پیام یار کی طرف سے ہماری پنشن مقرر ہو اور ہم بقیہ زندگی یاد خدا میں بسر کریں مگر فضلِ خدا ہماری امنگیں ابھی جوان ہیں۔ ہمارا دل بارہ گھنٹے کی محنت کا عادی ہے۔.......... ہم کو ناظرین پیام یار

www.urduchannel.in

سے بہت شرمندگی ہے۔ اور پیام یار کی تاخیرات سخت
نے اس معذرت پر آمادہ کیا اور یہ کوئی معمولی معذرت
نہیں ہے۔ اٹھائیس برس کی خدمت کے بعد ہم کو اس
وقت ایسے مواقع پیش آئے جن سے ہم مجبور تھے۔
الحمدللہ کہ اب بہمہ وجود ہم تندرست ہیں، صرف
ضعف باقی ہے۔ خدا سے امید ہے کہ آئندہ ایسی دقت
پیش آئے لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی جرات کرتے
ہیں کہ ہماری دیرینہ خدمتوں کے لحاظ ناظرین ہمارے
صحیح عذرات کو قبول کرکے پیام یار کو چشم عنایت و
مہربانی سے منظور نظر رکھیں۔ اور ہماری اپریل، مئی،
جون کی غیر حاضری فرمائیں۔ یہ نمبر جولائی اگست کا
ہے''۔

(پیام یار جولائی اگست ۱۹۰۸ء ص۲ تا ۸)

درحقیقت منشی اپنی ضعیفی کے عالم میں تمام صعوبتیں جھیل کر گلدستہ پیام یار نکالتے رہے۔ جنوری ۱۹۰۹ء کا پرچہ نکالنے کے بعد پھر ان کی طبیعت علیل ہوگئی۔ نامی گرامی ڈاکٹروں کا علاج کرنے کے باوجود بھی کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں موصوف نے فروری اور مارچ کا پورا مہینہ گزار دیا۔ علاج کی تمام تدبیریں کی گئیں مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بالاخر ۴/اپریل ۱۹۰۹ء کو پیام یار کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ منشی نثار کے

www.urduchannel.in

گہرے دوست عبدالحلیم شرر اپنے رسالہ ''دلگداز'' میں نثار حسین کی جو تاریخ وفات درج کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ مولانا شرر لکھتے ہیں۔

''ہم نہایت ہی حسرت و اندوہ کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں ہمارے بہت پرانے دوست منشی نثار حسین صاحب نثار مہتمم پیام یار مالک قومی پریس نے ۲ /جنوری ۱۹۱۱ء کو اس جہاں فانی سے سفر آخرت کیا۔ اور ۱۳۳۸ھ کے خاتمہ کے ساتھ ہی ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ مرحوم کو کچھ اوپر ایک سال ہوا اپنے بڑے بیٹے کے انتقال کا اس قدر صدمہ ہوا تھا کہ دل و دماغ روز بروز جواب دئے جاتے تھے۔ بہت کچھ علاج کیا گیا مگر کوئی تدبیر کارگزار نہ ہوئی''۔

(''دلگاز، جنوری ۱۹۱۱ء ص ۲۲'

لیکن اس کے علی الرقم تاریخ وفات کے سلسلے میں خود اکبر حسین اکبر خلف منشی نثار حسین لکھتے ہیں۔

''یوں تو اس بیشتر صدہا انجوں اور بیسیوں طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہونے کا اتفاق ہوا۔ مگر فلک بے رحم نے اس سال گذشتہ چند مہینوں میں ہمیں جیسا ستایا کبھی نہ ستایا تھا پہلے ۴ /اپریل ۱۹۰۹ء کو والد مرحوم نے سفر آخرت اختیار کر کے ہمارے سر پر سے اپنا سایہ عافیت و برکت ہمیشہ کے لئے اٹھا لیا گو مرحوم کی عمر زیادہ تھی مگر

www.urduchannel.in

پھر بھی ابھی قوی اچھے تھے اور ہماری ذمہ داریوں کا بہت بڑا بارا اپنے سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔......... مگر ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی ہماری آنکھیں کھلیں اور نظر آیا کہ دنیا کیسی مصیبت کی جڑ ہے اور کیسی محل حوادث ہے۔.........

ان ہی آفات کا نتیجہ تھا کہ جنوری ۱۹۰۹ء کا پیام یار نکالنے کے بعد جو پرچہ اور پریس بن ہوئے اور سارا کاروبار ملتوی ہوا تو آٹھ ماہ بعد اگست میں حواس ذرا ٹھکانے ہوئے اور یہ اگست و ستمبر کے نمبر شائع کئے جاتے ہیں''۔

(پیام یار، اگست ستمبر ۱۹۰۹ء ص ۱ تا ۴)

پیام یار کے معاون خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ منشی نثار حسین کی تاریخ وفات ۲ر جنوری ۱۹۱۱ء نہیں ہے چنانچہ وہ ۱۹۱۱ء کی سال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''لیکن پیام یار کی زندگی اس سال بہت خطرے میں رہی۔ منشی نثار حسین مرحوم کے انتقال کے بعد جو دقتیں ناتجربہ کاری سے منشی اکبر حسین اکبر کو سدراہ ہوئیں ان کا مقابلہ انھوں نے بڑی جوانمردی سے کیا اور باوجود مالی نقصان اٹھانے کے بھی انھوں نے آخری سال میں رسالہ کی اشاعت کو ٹھیک وقت پر لانے کی کوشش کی۔

www.urduchannel.in

اور الحمدللہ کہ وہ کامیاب بھی ہوئے۔آج آپ کے
ہاتھوں میں جنوری ۱۹۱۲ء کا رسالہ ہے''۔

(پیام یار، جنوری ۱۹۱۲ء ص ۱)

گلدستہ پیام یار کے تمام شمارے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منشی نثار حسین وفات ۲/جنوری ۱۹۱۱ء صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ پیام یار کے مدیر منشی حسین نثار کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے اکبر حسین اکبر اس گلدستہ کے مدیر مقرر ہوئے تھے لہذا جہاں مرتبہ نثار حسین کا نام درج رہتا تھا وہاں اگست ستمبر ۱۹۰۹ء سے اکبر حسین اکبر کا نام درج کیا ہوا ملتا ہے۔

مذکورہ بالا تمام شواہد کی روشنی میں شک وشعبہ کی قطعی گنجائش نہیں ہے کہ مولوی عبدالحلیم شرر کو منشی نثار حسین کی تاریخ وفات درج کرنے میں سہو ہوا۔ اور منشی نثار حسین کی تاریخ وفات ۴/اپریل ۱۹۰۹ء ہی صحیح ہے۔

منشی نثار خلوص واخلاق کے پیکر تھے۔مزاج میں سادگی تھی۔ ہر آدمی سے خلوص ومحبت سے پیش آتے تھے۔ ان کا حلقہ یاراں بہت وسیع تھا۔لیکن اس میں دو لوگ عبدالحلیم شرر اور ریاض خیر آبادی ان کے بے تکلف اور گہرے دوست تھے۔ یہ تینوں لوگ ایک دوسرے کو دیکھ نہ لیتے، چین نہ پڑتا تھا۔منشی کے بیٹے اکبر حسین اکبر اپنے والد کے گہرے دوستوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

''مولانا شرر اور ریاض سے ان خاص قسم کے تعلقات
تھے افسوس کہ ادھر اس سال نثار مرحوم کی ناسازی کی
وجہ سے وہ صحبت پھیکی پڑ گئی۔ ورنہ حالت یہ تھی کہ تینوں
حضرات کو نمبر ایک دوسرے کے دیکھے اور دم بھر کے

www.urduchannel.in

لئے یہاں آئے چین نہ پڑتا تھا''۔

(پیام یار بحوالہ اردوئے معلیٰ، مئی ۱۹۱۲ء ص ۲۰،۲۱)

منشی نثار حسین مزاجاً مخلص آدمی تھے۔ وہ اپنے دوستوں کی مدد بھی کرتے اور ہمت افزائی بھی۔ ۱۸۸۴ء کا واقع ہے مولانا شرر خانہ نشیں ادھر ادھر بیکار گھومتے تھے۔ منشی نثار نے مشورہ دیا کہ ادھر ادھر بیکار گھومنے سے بہتر ہے تم کوئی ناول لکھو جس کو ہم پیام یار میں اشتہار دیں اور اپنے مطبع سے شائع کریں۔ اور فرخت کرنے سے جو نفع ملے اس کے ہم دونوں آدھا آدھا حقدار ہوں۔ اس کی تفصیل خود شرر سے سنئے۔

> ''۱۸۸۴ء کا واقع ہے۔ اب میں خانہ نشیں تھا۔ روز چوک میں جا کر منشی نثار حسین کی دوکان پر سیر تفریح کے لئے بیٹھا کرتا۔ اور دوستانہ طور پر ان کے مطبع اور رسالہ پیام یار کے ادبی وتحریری کام کر دیا کرتا۔
>
> اسی دوران میں انھوں نے مشورہ دیا کہ میں کوئی ناول لکھوں جس کو وہ اپنے مطبع میں چھپوائیں اور پیام یار میں اشتہار دیں۔ فروخت جتنا روپیہ وصول ہو نصف میرا اور نصف ان کا۔ میں نے اس کو قبول کیا اور ناول ''دلچسپ'' کا پہلا حصہ لکھا جو میری پہلی تصنیف ہے۔
>
> اس زمانے میں بیکم چندر بنگالی ناول ''درگیئں نندنی'' کا ترجمہ ملا۔........ ڈکشنری کی مدد سے اس کا ترجمہ شروع کیا یہ ترجمہ تکمیل کو پہنچا تو اکثر احباب نے پسند کیا۔ خصوصاً منشی نثار حسین صاحب اس کو اپنے قومی

www.urduchannel.in

پریس میں چھاپنے کو تیار ہو گئے۔ ان کے مجبور کرنے
سے میں نے اس میں اس ترجمے پر نظر ثانی کی اور قومی
پریس میں چھپا۔ پیام یار میں اس کا اشتہار جیسے ہی
شائع ہوا کثرت سے درخواستیں آنے لگیں۔.........
غرض ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۶ء کے آخر تک میری یوں
زندگی بسر ہوء۔ کچھ مذکورہ ناولوں کی اشاعت سے مجبور
ہونا پڑا۔ منشی نثار حسین صاحب سے واقعہ یہ ہے کہ مجھے
مالی اور اشتہاری اچھی مدد ملی۔ اور میں نے بھی ان کے
پریس میں اور ان کی ادبی اشاعتوں میں کافی مدد دی''

(دلگداز، مارچ ۱۹۳۴ء ص ۵۴ تا ۵۶)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ منشی نثار حسین ایک علم دوست دیانتدار اور عالی حوصلہ انسان واقع ہوئے تھے۔ ان یں دوستوں کی مدد کرنے کا حوصلہ تھا۔ ساتھ ہی اردو کی خدمت کرنے کا جذبہ بھی تھا۔ جس کام ادارہ اور انجمن میں اردو کی بھلائی دیکھتے اس میں شامل ہو جاتے تھے۔ اردو کی مفاد کی خاطر وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ اپنے گھر کے اکیلے فرد تھے۔ گھر کا سارا بوجھ اور کارخانہ کی پوری ذمہ داری ان کے سر تھی۔ اس کے علاوہ ان کی ایک بڑی ذمہ داری گلدستہ پیام یار کو وقت مقررہ پر نکالنا بھی ہوتا تھا۔ ان تمام مصروفیات کے باوجود منشی نثار متعدد انجمنوں کے ممبر رہتے تھے۔ اور دوستوں کی ادبی محفلوں کو بھی گرماتے تھے۔ زبان اردو روز بروز انحطاط پذیر ہوتی جا رہی تھی۔ اہل ذوق حضرات کو خیال پیدا ہوا کہ مجموعی قوت سے اردو کو فائدہ پہنچایا جائے اس بنیادی خیال کے تحت لکھنؤ میں ''انجمن اصلاح سخن'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن کے

www.urduchannel.in

خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی سکریٹری منتخب ہوئے اور منشی نثار اس کے سرگرم ممبر، اس کے علاوہ مذکورہ انجمن کو تمام شاعروں اور ادیبوں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اس سلسلے میں ''انجمن اصلاح سخن'' کے سکریٹری خود فرماتے ہیں۔

> ''اس کے سرمایہ ناز ہیں جناب جلال جناب افضل، جناب فصاحت، جناب شمشاد، جناب تسلیم، جناب ریاض، جناب جاہ، جناب انجم، خان بہادر سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی، جناب نوازش، جناب بشیر، جناب وسیم، جناب جلیل، جناب احسن، جناب برہم، جناب شرر، جناب نثار۔
>
> اب گویا انجمن کو چند باتیں حاصل ہیں۔ ایسے لوگ جو زبان اردو کے محقق ہیں۔ ایسے دو چار جو مفت خدمت کرنے کو موجود ہیں جیسے جناب ریاض، جناب وسیم، جناب نثار''۔

(پیام یار نومبر دسمبر ۱۹۰۹ء ص ۲)

یہ صحیح ہے کہ ادبی صحافت منشی نثار حسی کی طبیعت کا کز واعظم تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی بنالیا تھا کہ اردو کے خادم کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ لہذا منشی نثار نے صحافت یا شاعری کو ذریعہ معاش نہ کبھی بنانا چاہا اور نہ بنایا۔ بلکہ ملازمت سے بھی ہمیشہ دور رہے۔ عنوان شباب ہی سے اردو شعر و ادب کی خدمت کرنے کا عزم کرلیا تھا اور اسے تازیست نبھایا بھی۔

منشی نثار حسین ایک صحافی کے علاوہ ایک شاعر بھی تھے۔ پیام یار میں خود ان کی

www.urduchannel.in

غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ غزلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ وہ خالص غزل کے شاعر تھے۔ ان کے کلام کا رنگ ایک محدود دائرے کا پابند ہے۔ اس میں زبان و بیان کی کاریگری، محاورے کی برجستگی اور روزمرہ کے برمحل استعمال کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ موضوعات روایتی، سطحی اور جذباتی ہیں۔ اس میں محبوب کی چال ڈھال، خدو خال، زلف، کمر، چشم و آبرو وغیرہ کی تعریف و توصیف ہوتی ہے۔ رندی سرمستی ان کی شاعری کا مزاج ہے اور نشالب ولہجہ ان کے کلام کا وصف خاص ہے۔ کلام نثار پر غائر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری بھی اپنے معاصرین کی طرح روایات کی پابند ہے اور رائج الوقت شاعری کے خیالات و نظریات کی حامل ہے۔

نثآر کے کلام میں کچھ غزلیں چھوٹی بحرون میں ہوتی ہیں۔ چھوٹی بحروں کی غزلیں ایک خاص قسم کی موسیقیت اور روانی کی حامل ہیں جو ترنم کے لئے بے حد موزوں ہیں۔ ان میں نثار کے مشاقی جوہر بھی نظر آتے ہیں۔ مثال کے لئے چھوٹی بحر کی ایک غزل کے چند اشاعر ملاحظہ ہوں۔

آرزو ہے گفتگوے وصال — تو سنے اور تری حیا نہ سنے
رو کے جب التجا میں کرتا ہوں — ہنس کے کہتے ہیں دوسرا نہ سنے
ہائے بے چیناں مرے دل کی — تجھ سا معشوق شوخ ادا نہ سنے
تڑپ ہی جائے جب تلک بسمل — اپنے قاتل سے مرحبا نہ سنے
حشر آنے تو دے دل بیتاب — میرا ذمہ اگر خدا نہ سنے

نثآر کی شاعری میں ان کے بے تکلف دوست ریاض خیر آبادی کا اثر نمایاں ہے۔ ریاض کے رندانہ مضامین ان کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ بعض اشعار ایسے ہیں جس میں

www.urduchannel.in

ریاض سے آگے تو نہیں بڑھ سکے مگر برابر پہنچنے کی ہے۔اگر چہ رندانہ مضامین نثار کے کلام کی نمایاں خصوصیت نہیں ہے لیکن جب کبھی وہ ان مضامین کی طرف توجہ کرتے ہیں تو اچھے اچھے شعر کہہ جاتے ہیں اس ضمن میں اشعار ملاحظہ ہوں۔

پیری میں جو پی ہم نے جوان ہو گئے
سنتے تھے کوئی پیر جوان ہو نہیں سکتا
اللہ نثار اور کرے بادہ پرستی
ایسا تو بھی ہم کو گمان ہو نہیں سکتا

سیراب ہوگئی روح کہ پیاسی اسی کی ہے
مرنے کے وقت سامنے جام شراب ہو
محشر میں بھی یہی ہے تقاضے نثار کا
کیسا مزہ ہو یہاں بھی جو دور شراب ہو

بلا سے عہد ٹوٹے توبہ ٹوٹے
اب آئے ہیں تو اے ساقی پیئے جائیں
ہوئی مدت کہ پینا چھوڑ بیٹھے
نثار اب میکدے ہم کس لئے جائیں

منشی نثار حسین صحافی اور شاعر کے علاوہ مضمون نگار بھی تھے۔ پیام یار میں انھوں نے کبھی کبھی مضامین بھی قلم بند کئے ہیں۔ان مضامین کی نوعیت کبھی اداریہ کی ہوتی تو کبھی مستقل موضوعات پر مضمون لکھتے۔ پیام یار میں منشی نثار نے ''اپنا پر ملال''،

www.urduchannel.in

''گذشتہ سال اور ہم''، ''عرض حال''، ''اسباب تعویق''، ''اردو میں ناول'' اور ''ہم اور آپ'' جیسے طویل مضامین قلم بند کئے۔ ان مضامین سے منشی حسین کے مختصر حالاتِ زندگی پر روشنی بھی پڑتی ہے اور پیام یار کے متعلق بہت سی باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ادبی مضامین نیچرل شاعری اور انشا پردازی بھی کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

جیسا کہ ذکر آ چکا ہے منشی سادہ مزاج اور متین طبیعت واقع ہوئے تھے ان کی سادگی اور متانت کی چھاپ جا بجا ان کی تحریروں میں بڑی ہے۔ یہ ہمیشہ صفائی سادگی اور وضاحت کلام کو پسند کرتے تھے۔ ان کے مضامین عبارت آرائی اور تصنع نگاری سے پاک ہیں۔ نثار کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ موضوع کے اعتبار سے انداز بیان کرتی ہیں، جو انشا پردازی کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ منشی نثار حسین کا شاعرانہ اور انشا پردازانہ مرتبہ بہت بلند نہیں تھا۔ وہ ایک اوسط درجے کے شاعر اور مضمون نگار تھے۔ مگر ان کی غیر معمولی دلچسپی اردو زبان ادب سے تھی۔ وہ اپنے مکان اور اپنی دوکان پر ادبی محفلیں منعقد کرتے تھے جہاں شعر و ادب کا چرچہ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ گلدستہ پیام یار کا اجرا ہے۔ جس نے تیس سال تک اردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ منشی نثار اور گلدستہ پیام یار کی خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا شرر لکھتے ہیں۔

> ''ہمارے مکرم دوست منشی نثار حسین صاحب، مالک قومی پریس و مہتمم گلدستہ پیام یار لکھنو نے فوقتاً فوقتاً اردو لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کر کے جو احسان ملک و قوم پر کیا۔ وہ محتاج بیان نہیں، سچ پوچھو تو منشی صاحب کی

www.urduchannel.in

ذات، جس نے پچھلی مربع صدی میں اپنے ہر دلعزیز و مشہور گلدستہ کے دامن عاطفت میں ایشیائی شاعری کو جو لٹریچر کا جزو اعظم ہے جگہ دے کر بچالیا۔ ورنہ وہ اب تک کبھی کی ملک سے رخصت ہو جاتی۔ اور آج اس کا کوئی نام تک بھی نہ جانتا۔ چند عرصہ سے قدیم شاعری کی حفاظت کے ستھ یہ التزام کیا گیا ہے کہ گلدستہ مذکورہ میں ایک اعلیٰ درجے کا ناول بھی شائع ہوتا ہے''۔

(جرنل خدا بخش لائبیری پٹنہ)

منشی نثار حسین کی ادبی خدمات کا ذکر خود ان کے بیٹے اکبر حسین اکبر سے سنئے۔

''منشی محمد نثار حسین کی زندگی شعر و سخن کی خدمت سے شروع ہوئی اور اسی پر ختم ہوگئی۔ آج سے ۲۹/ سال پہلے ۱۸۸۳ء میں انھوں نے رسالہ پیام یار نکالا تھا۔ پیام یار کی اشاعت کے ساتھ ہی اور بھی کئے رسالے نکلے تھے مگر وہ مٹ گئے۔ اور پیام یار آج باقی ہے۔ پیام یار نے گذشتہ برسوں میں محض اپنے مستعد اور قابل اڈیٹر کی کوششوں سے ایسی ایسی ترقیاں کیں جو کسی دوسرے نظم رسالہ کو نہیں نصیب ہوئیں۔......... منشی محمد نثار حسین صاحب مرحوم کے لٹریری ذوق اور ان کے اخلاق کی وجہ سے ان کی دوکان ہمیشہ ایک علمی اور لٹریری صحبت بنی رہی''۔

www.urduchannel.in

(پیام یار بحوالہ اردوئے معلیٰ مئی ۱۹۱۲ء ص ۲۰)

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر ہوا ہے کہ منشی نثار صحافی کے علاوہ ایک شاعر بھی تھے چنانچہ یہاں ان کا وہ کلام پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جو گلدستہ پیام یار کے صفحات کے علاوہ اور کہیں شائع نہیں ہوا ہے۔

کلام نثار

یوں بھی ہزاروں لاکھوں میں تم انتخاب ہو
پورا کرو سوال تو پھر لاجواب ہو
ہم بھی تو کچھ جوانی کے اپنے مزے اٹھائیں
یا رب ہمارے حصے میں ان کا شباب ہو
دشمن کا نام لے کے کوئی کیوں نہ مسکرائے
ایسی وہ بات کیا ہے کہ تم کو حجاب ہو
جن ٹھوکروں سے دل بھی نہ پامال ہو سکے
ان ٹھوکروں سے میری مٹی خراب ہو
کیوں ان کے ہوتے اور کسی سے ہو چھیڑ چھاڑ
کیوں میرے ہوتے اور کسی پر عتاب ہو
سیراب ہوگی روح کہ پیاس اس کی ہے
مرنے کے وقت سامنے جام شراب ہو
زاہد حرم میں رند خرابات میں ہے مست
دونوں میں کس کی دیکھئے مٹی خراب ہو
مطلب یہ ہے کہ میری طرف دیکھتے رہیں

www.urduchannel.in

ہو لطف کی نگاہ کہ چشم عتاب ہو
محشر میں بھی یہی ہے تقاضا نثار کا
کیسا مزا ہو یہاں بھی جو دور شراب ہو

ملے ہیں غم پہ غم کوئے بتاں سے
زمین ہے یہاں کی بڑھ کر آسماں سے

یقیں اس کو نہیں یہاں م رہے ہیں
ہمیں پالا پڑا کس بدگماں سے

عدو ہنستا ہے ناحق کو جو مجھ پر
گری بجلی نہ اس پر آسمان سے

یہ کہتا ہے غبار راہ اٹھ کر
کوء چھوٹا ہوا ہے کارواں سے

بہت باتیں سناتے ہیں وہ مجھ کو
نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

اٹھائے سینکڑوں ہی داغ دل پر
چنیں یہ بھول گلزار جہاں سے

ہزاروں جانیں جائیں گی یقین ہے
نہ باز آئے اگر وہ امتحان سے

آرزو ہے گفتگوے وصال
تو سنے اور تیری حیا نہ سنے

رو کے جب التجا میں کرتا ہوں
ہنس کے کہتے ہیں دوسرا نہ سنے

ہائے بے چینیاں مرے دل کی
تجھ سا معشوق شوخ ادا نہ سنے

تڑپے ہی جائے جب تلک بسمل
اپنے قاتل سے م حیا نہ سنے

حشر آنے تو دے دل بیتاب
میرا ذمہ اگر خدا نہ سنے

یہ ہم سے ناز اٹھوانا ستم ہے
یہ ان کا لطف فرمانا ستم ہے

www.urduchannel.in

تجھے واعظ کہا رندوں نے کیا کیا ترا یہ سن کے پی جانا ستم ہے
نہ ہوا افسردہ یا رب داغ دل بھی کوئی ہو بھول مرجھانا ستم ہے
گراتی نگاہ شرم بجلی ادا کیا ہے یہ شرمانا ستم ہے
نہ ہوں افسردہ باغ حسن کے پھول کہ ان پھولوں کا مرجھانا ستم ہے
تری زلفوں کا لہرانا ہے آفت بلائیں بال پل کھانا ستم ہے
جنھیں سمجھے زمانہ جان اپنی نثار ایسوں کا مرجانا ستم ہے

شب وصل کیا کیئے کیا ہورہا ہے کوئی خوش ہے کوئی خفا ہو رہا ہے
رقیبوں کا سب سے گلہ ہو رہا ہے ہمارا ہی آخر کہا ہو رہا ہے
دکھاتے ہیں قامت قیامت سے پہلے قیامت کا وعدہ وفا ہو رہا ہے
کھلے دیکئے راز کس کس کے دل کا ترا عقدہ زلف وا ہو رہا ہے
رقیب ان کے پہلو میں بیٹھا ہے شاید کہ درد آج دل میں سوا ہو رہا ہے
یہ عالم تمہارا یہ ماتم عدو کا اداس آض رنگ حنا ہو رہا ہے
کوئی نام لیتا نہیں آسمان کا جدھر جاؤں ان کا گلہ ہو رہا ہے
وہ پامال خون گشتہ دل کر رہے ہیں کہ پامال رنگ حنا ہو رہا ہے
مزے آرہے ہیں نثار آج کیا کیا گلے مل رہے ہیں گلہ ہو رہا ہے

کہو تو بوسہ لے کر دل دیئے جائیں جو خوش کر دو تو تم کو خوش کیئے جائیں

www.urduchannel.in

یہ کون رہ رہ کے ٹانکے ٹوٹتے ہیں　　کہاں تک زخم دل اپنے سیئے جائیں
وہ بولے ان کی مشکل ہو نہ آساں　　رہیں یہ نزاع میں لیکن جیئے جائیں
کنی ہیرے کی بن کر دل میں اترے　　نکلنے والے آنسو کیا پیئے جائیں
لحد پر میری ٹھہریں شوق سے آپ　　رقیبوں سے مگر کہہ دیجئے جائیں
کہاں تک منتظر ٹھہرے رہیں ہم　　ہمیں جانا ہے دل لے لیجئے جائیں
کہیں گر وہ عدو کا خط سنے جاؤ　　تو ہم بھی خود چڑھا کر حاشیئے جائیں
بلا سے عہد ٹوٹے توبہ ٹوٹے　　اب آتے ہیں تو اے ساقی پیئے جائیں

ہے جو ملحوظ ان کو آسانی مری　　کہتے ہیں مشکل ہے مہمانی مری
خاک کر کے خاک بھی چھانی مری　　یوں بڑھائی کچھ پریشانی مری
درپے ان کے پاسبانی غیر کی　　مال پر ان کے نگہبانی مری
باز آئے جور سے وہ حشر میں　　بات مانی بھی تو کب مانی مری
کچھ تو چھوٹی رات وہ بھی وصل کی　　کچھ کہانی بھی ہے طوفانی مری
مانتے ہیں سب سخت ور اے نثار　　جانتے ہیں سب سخندانی مری

جو درد نہاں ہے وہ عیاں ہو نہیں سکتا　　کہنے کو تڑپے ہیں بیاں ہو نہیں سکتا
پھولوں کی چھڑی آہ میری بن نہیں سکتی　　رنگ گل تر رنگ فغاں ہو نہیں سکتا
گو شیخ حرم ریشے ناب سے رنگ لے　　رندوں میں تو یہ پیر مغاں ہو نہیں سکتا

www.urduchannel.in

ہے پنکھڑی سی پھول کی اے گل سر تربت — ایسا تو کف پا کا نشاں ہو نہیں سکتا
پیری میں جو بی ہم نے جوان ہو گئے ہم تو — سنتے تھے کوئی پیر جوان ہو نہیں سکتا

نہ کچھ رنگ لائی جوانی ہماری — کٹی بے پئے زندگانی ہماری
فدا جان سے ہم جوانی پر اپنی — فدا اک جوان پر جوانی ہماری
وہ رہ جائے گا خود ہی تصویر بن کر — ذرا شکل کھینچے تو مانی ہماری
کیا یاد اس نے کہ مقتل میں پہنچے — مگر ہے بری زندیگانی ہماری
نشان مٹنے نہ پائے منہ چومنے کا — سمجھنا اسے تم نشانی ہماری
رقیبوں میں بیٹھے وہ دھرا رہے ہیں — سنائے کہاں سے کہانی ہماری
نہ قائل ہوئے اس کی وحدانیت کے — بنو ایک تم نے نہ مانی ہماری
قفس جا کے لٹکا تو دے شاخ گل میں — کوئی دیکھے پھر خوش بیانی ہماری
کوئی خم نثار آج خالی کریں گے — مٹے گی نہ یوں سرگرانی ہماری

بگڑے ہیں آگے کوئی آتا نہیں — آئینہ بھی شکل دکھلاتا نہیں
جاؤں کیا اس بزم تک یہ ہے ہجوم — جانے والا راستہ پاتا نہیں
اپنے دیوانے سے لیلیٰ نے کہا — قیس تجھ کو کوئی سمجھاتا نہیں
پہروں کیوں ملتے ہو ہاتھوں میں حنا — خون ناحق رنگ کیا لاتا نہیں
بیٹھ کر میں کیا اٹھوں اس بزم میں — درد دل سے بھی اٹھا جاتا نہیں

www.urduchannel.in

ہو چکی سر سبز کشت آرزو آسمان پتھر بھی برساتا نہیں
کیوں اسے دیتا ہے دربان گالیاں اب نثار آتا نہیں جاتا نہیں

کیا غیر سے اب عہد ہوا اور ہی کچھ ہے
کیوں جھوٹ کہوں میں نے سنا اور ہی کچھ ہے
جوبن نے کیا تنگ کہ میں نے اس چھیڑا
مسکی ہوئی محرم کو گلا اور ہی کچھ ہے
دیکھا ہے اسے آنکھ سے سو بار لگا کر
معشوق نقش کف پا اور ہی کچھ ہے
تو بارہ پیئے یا نہ پیئے ایک ہے عالم
کافر تری مستانہ ادا اور ہی کچھ ہے
بھولے سے نثار ان سے جفا کو بھی نہ کہنا
اب مسلک ارباب وفا اور ہی کچھ ہے
ہجر کی رات جو آئی تو گھٹا بھی آئی
یہ بلا ساتھ لئے اور بلا بھی لائی
آسمان کی نہ زمین کی ہوئی ایسے ضعف افسوس
میرے دل سے کبھی لب تک جو دعا بھی آئی

www.urduchannel.in

میری تربت کی طرف ان کو جو آتے دیکھا
پھول دامن میں لئے بادصبا بھی آئی
شیشۂ مے کوئی ٹوٹا کہ کوئی دل ٹوٹا
کچھ نثار آپ کے کانوں صدا بھی آئی

دل پر اٹھائے داغ خوب بیٹھے یار میں
پھول چنے ہیں اے جنون ایکے یہی بہار میں
آپ تھے بام غیر پر چرخ یہ تھی مری نظر
تارے گنے ہیں رات بھر آپ کے انتظار میں
کیا کہیں تم سے اے نثار فکر سخن ہوتا گوارا
شعر کہے ہیں تین چار طرح پیام یار میں

جس شوخ طبیعت کے تصور میں مزا ہو
ایسے کو جو پاؤں تو فرمائے کیا ہو

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

منشی اکبر حسین اکبر

منشی اکبر کا پورا نام منشی اکبر حسین تھا اور اکبر تخلص کرتے تھے۔ یہ لکھنو نخاس چوک میں ایک معزز اور علم دوست گھر میں پیدا ہوئے۔ اکبر کے والد کا نام منشی محمد نثار حسین نثار (ایڈیٹر پیام یار) تھا۔ جو تاجر عطر کے علاوہ ایک اچھے ادبی صحافی، شاعر اور انشا پرداز تھے۔ انھوں نے جون ۱۸۸۲ء میں لکھنو چوک سے ایک ماہانہ گلدستہ نکالا تھا جو عوام اور خواص دونوں حلقوں میں تیس سال تک وقمت کی نظر سے دیکھا گیا۔ منشی نثار حسین کی وفات کے بعد یہ گلدستہ منشی اکبر حسین اکبر خلق منشی نثار حسین کی ادارت میں نکلنے لگا تھا۔ منشی اکبر حسین کا ذکر تاریخ ادب کی کتابوں میں کہیں نہیں ملتا۔ ان کی تاریخ پیدائش، تعلیم اور شخصیت کو بڑے یقین کے ساتھ قلم بند کرنا خاصا مشکل ہے۔ البتہ پیام یار کے کچھ پرچے ان کی شخصیت کی طرف خفیف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کی تعلیم کے متعلق پیام یار کے معاون خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے صرف اتنا لکھا ہے۔

> ''پیام یار کے ناظرین کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کی دلچسپیوں کا ذریعہ ایک نوجوان ہونہار، جدید تعلیم یافتہ کے ہاتھ میں ہے جو ہر طرح اس خدمت کی قابلیت رکھتا ہے۔ اب آئندہ انشاءاللہ نئی روش کے ساتھ ساتھ پیام یار ترقی کرتا جائے گا''۔

(پیام یار، جنوری ۱۹۱۲ء ص ۲)

منشی اکبر ایک بے لوث صحافی کے بیٹے تھے۔ والد کی طرح یہ بھی اردو کی

www.urduchannel.in

خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ اگرچہ زمانے کا مذاق بڑی تیزی سے بدل رہا تھا۔ لوگ قدیم اور رائج شاعری کو بکواس سے تعبیر کرنے لگے تھے۔ مگر اکبر نے ایسے دور میں بھی ایشیائی شاعری کو پیام یار میں زندہ رکھا اور اس کی حفاظت کی۔ ساتھ ہی گلدستہ میں جدید شاعری کو بکثرت رواج دیا جس سے گلدستہ کی ترقی میں چار چاند لگ گیا۔

اکبر کی ادارت میں گلدستہ آجانے سے بہت کچھ تبدیل ہو گیا تھا۔ یہ جہاں ایک طرف قدیم و جدید شاعری سے عوام اور خواص کو محفوظ کر رہا تھا وہیں اس میں مضامین بھی کثرت سے شائع ہونے لگے تھے۔ اس تبدیلی سے پیام یار کا حجم بھی تقریباً دونا ہو گیا تھا۔ اس میں ادبی، تاریخی وغیرہ مضامین چھپنے لگے تھے۔ اور ایک حصہ باقاعدہ طور پر ناول کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اب گویا ہر قسم کی دلچسپی پیام یار میں موجود تھی۔ منشی اکبر نے جب اس گلدستہ کا از سر نو اجرا ۱۹۲۰ء میں کیا تو اس سلسلے میں وہ خود رقم راز ہیں۔

> ''خدا کا نام لے کر ہم اس کا آغاز کرتے ہیں۔ اور اس کاغذ کی گرانی پریس کی دقتوں کے ساتھ اس پرچہ کا حجم بھی تخمینا دونا کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ تو ادبی، اخلاقی، تاریخی، فلسفی اور علمی مضامین کا، اور نیچرل نظمیں۔ دوسرا حصہ طرحی غزلوں کا تیسرے حصہ میں ناول''۔

(پیام یار، جنوری ۱۹۲۰ء ص ۱)

منشی اکبر پیام یار سے بے حد لگاؤ تھا۔ وہ نفع و نقصان کی پرواہ کئے بغیر پیام یار کو وقت مقررہ پر نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن نا تجربہ کاری کی وجہ سے پیام یار کے طبع ہونے میں تمام دشواریاں حائل ہو جاتی تھیں جس سے گلدستہ کبھی کبھی قدرے تاخیر سے شائع ہوتا۔ عام طور پر گلدستہ اپنے مقررہ وقت پر شائع ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں خواجہ

www.urduchannel.in

عبدالرؤف عشرت لکھنوی لکھتے ہیں۔

''منشی نثار حسین کے انتقال کے بعد جو دقتیں ناتجربہ کاری سے منشی اکبر حسین صاحب کو سدراہ ہوئیں ان کا مقابلہ انھوں نے بڑی جوانمردی سے کیا۔ اور باوجود مالی نقصان اٹھانے کے بھی انھوں نے آخر سال میں رسالہ کی اشاعت کو ٹھیک وقت پر لانے کی کوشش کی۔ الحمدللہ کہ وہ کامیاب بھی ہوئے''۔

(پیام یار جنوری ۱۹۲۰ء ص)

منشی اکبر کے والد کے انتقال کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ان کا بڑا لڑکا اصغر حسین کی عمر چوبیس سال ہونے کو جاری تھی، جو عطر اور تیل کے کارخانے کے بہت بڑے بار کو اپنے سر پر اٹھائے تھا۔ وہ نوجوان مسلسل چار مہینہ سخن بیماری میں مبتلا ہوکر ۲۲ رمئی ۱۹۰۹ء کو اس دنیا سے چل بسا اور منشی اکبر حسین کے کلیجے کو پاس پاس کر گیا ان دلی صدمات پر طرہ یہ ہے کہ کارخانہ کا جو کچھ سرمایہ تھا وہ سب ان عزیز بیماروں کی دوا داروں میں خرچ ہوگیا ایسے آفات اور دلی صمات میں گلدستہ ہوجاتا کوئی محال نہیں تھا اور انھیں تمام آفات کا نتیجہ تھا کہ جنوری ۱۹۰۹ء میں گلدستہ نکلا تو پھر جولائی تک مسلسل بند رہا۔ لیکن منشی اکبر نے دلی صدمات پر قابو پا کر پھر اگست ستمبر ۱۹۰۹ء میں جاری کیا۔ ان آفات اور دلی صدمات کو منشی اکبر حسین بیان کرتے ہیں۔

''ان (والد) کے انتقال سے دل پر جو زخم پڑا تھا ابھی اس میں انگور بھی نہ بندھا ہوگا کہ میرا بڑا لخت جگر اصغر حسین جس کی محنت و جفاکشی مجھے فارغ البال کئے

www.urduchannel.in

ہوئے تھی ۲۲ رمئی ۱۹۰۹ء کو اپنے والدین کے کلیجوں کو
پاش پاش کر کے وہ کرۂ اے عالم جاوداں ہوا‘‘۔

منشی اکبر حسین کی ادارت میں پیام یار اگست اور ستمبر ۱۹۰۹ء سے دسمبر ۱۹۲۰ء تک جاری رہا۔ ان کی ادارت میں گلدستہ کئی نشیب وفراز سے گذرا۔ منشی اکبر حسین نے پیام یار کا پہلا شمارہ اگست ستمبر ۱۹۰۹ء کو نکالا۔ اس کے بعد مدیر کی طبیعت چھ ماہ علیل ہونے کی وجہ سے جنوری ۱۹۱۰ء تک پیام یار نکل کر عارضی طور پر بند ہو گیا۔ لیکن صحت یابی کے بعد گذشتہ تمام پرچے رفتہ رفتہ طبع ہوئے اور گلدستے معمول پر آ گیا اور وقت مقررہ پر نکلنے لگا۔ اس طرح پیام یار دسمبر ۱۹۱۲ء تک مسلسل نکل کر سات سال یعنی دسمبر ۱۹۱۹ء تک بند ہو گیا۔ پھر جنوری ۱۹۲۰ء سے از سر نو جاری ہوا اور دسمبر ۱۹۲۰ء تک بلا ناغہ اور بغیر تاخیر نکلتا رہا اسی کے ساتھ وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

یہ صحیح ہے کہ اکبر صحافت کے میدان میں پختہ اور تجربہ کار نہیں تھے۔ پھر بھی اپنے ذوق لطیف سے اس گلدستہ کی ایسی آبیاری کی کہ وہ روز بروز ترقی کرتا گیا اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے چار سال دور ادارت میں گلدستہ نشیب وفراز سے گزرا مگر کبھی بھی اپنے معیار کو پست نہیں ہونے دیا۔ یہ وہ لگن اور محبت تھی منشی اکبر کی جس نے گلدستہ کا معیار برقرار رکھا۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

پیام یار کے اہم شرکاء

داغ دہلوی :-

گلدستہ پیام یار کے شرکاء میں داغ دہلوی ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ اس گلدستہ کی یہ خوش نصیبی رہی ہے کہ روز اول ہی سے اسے داغ کا قلمی تعاون حاصل رہا۔ اور جب تک وہ حیات رہے پیام یار کے اکثر مصرع طرح پر طبع آزمائی رستے رہے۔ پیام یار میں جس خصوصیت سے ان کی غزلیں شائع ہوتی تھیں وہ انھیں کا حصہ تھا۔ چونکہ گلدستہ پیام یار کا دامن سطحی ادب سے ہمیشہ پاک رہا لہذا وہ اس کے ادبی معیار کے ہمیشہ معترف رہے۔ داغ اپنے دور کے ایک ممتاز استادشار تھے۔ ان کے حلقہ تلامذہ کا دائرہ بھی کافی وسیع تھا۔ داغ کی جو شفقت پیام یار کے لئے مخصوص تھی اسے شاگردان داغ دیکھ کر پیام یار کے لئے غزلیں کہتے جو ہمیں مختلف شماروں میں نظر آتی ہیں۔ داغ کا پیام یار سے کس قدر گہرا رشتہ خود ایڈیٹر کی زبانی سنئے۔

> ''پیام یار کا جب پہلا نمبر نکلا تو نواب فصیح الملک مرزا داغ مرحوم نے اس کا خیر مقدم نہایت مسرت کے ساتھ کیا۔ اور جب تک رامپور میں رہے تازہ غزلوں سے پیام یار کو عزت دیتے رہے۔ اور ہمیشہ پیام یار کو اپنا گلدستہ سمجھا''۔

(پیام یار، فروری ۱۹۰۵ء ص۲)

www.urduchannel.in

سچ مچ داغ کی یہ شفقت صرف پیام یار کے لئے مخصوص تھی۔ ان کا ہم طرح تازہ کلام اسی رسالے میں شائع ہوتا تھا۔ پیام یار کا ادبی معیار بلند تھا اس کی خوبی یہ تھی کہ حتیٰ الامکان اس میں ہم طرح کلام شائع ہوتا تھا۔ لیکن داغ کو وہ اعجاز حاصل تھا کہ کبھی کبھی ان کا غیر طرحی تازہ کلام بھی گلدستہ کے آخری صفحات میں شائع کرتا۔

داغ اپنے دور کے ایک عظیم شاعر اور اساتذہ فن تھے اور پیام یار کے مہربان و پاسبان بھی گلدستے کے تعلق سے داغ اور نثار کے درمیان تاعمر ادبی روابط قائم رہے۔ جب داغ کا انتقال ہوا تو منشی نثار نے کئی صفحوں پر مشتمل ایک تعزیاتی مضمون

شاعر خوش بیان کا ماتم ہے　　　داغ معجز بیان کا ماتم ہے

کے عنوان سے قلم بند کیا۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی نثار کلام داغ کے بڑے قدردان تھے۔ منشی نثار داغ کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اس ضمنی میں وہ لکھتے ہیں۔

> ''آخر میں ہم مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کر کے رخصت ہونے سے پہلے یہ کہہ دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ جناب مرحوم کے ماتم میں جو کلام ہمارے پاس آئے گا ہم اس کا انتخاب بھی پیام یار میں درج کریں گے۔ اخباروں میں درج ہونے سے یہ بہتر ہے کہ پیام یار کے صفحوں پر ایسا کلام رہے اور ردی میں نہ جائے''۔

(پیام یار، فروری ۱۹۰۵ء ص ۳)

پیام یار کے تمام شمارے کرتے ہیں کہ داغ پیام یار کے ایک ایسے مخلص و محسن تھے جنھوں نے اپنی عمر کے آخری دم تک گلدستہ کے لئے غزلیں لکھیں جو مختلف شماروں

www.urduchannel.in

میں شائع ہوتی رہیں۔ گلدستہ میں ان کی چھبیس غزلیں ہیں یہ غزلیں کبھی مسلسل شماروں میں شائع ہوتی تھیں تو کبھی متفرق پرچوں میں خصوصیت سے چھپتی تھیں۔ تاریخی اعتبار سے شائع شدہ غزلوں کی نوعیت مندرجہ ذیل ہے۔

۴	۱	۱۰	۲	۲	۱۱	۶
۱۸۸۷ء	۱۸۸۷ء	۱۸۸۶ء	۱۸۸۶ء	۱۸۸۶ء	۱۸۵۵ء	۱۸۸۵ء
۱۰	۸	۵	۳	۹	۶	۵
۱۸۹۳ء	۱۸۹۳ء	۱۸۹۳ء	۱۸۹۰ء	۱۸۸۸ء	۱۸۸۷ء	۱۸۸۷ء
۷	۱۲	۳	۱۲	۶	۵	۷
۱۸۹۸ء	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۵ء
		۱۰	۹	۱۲	۳	۱۰
		۱۹۰۸ء	۱۹۰۸ء	۱۹۰۳ء	۱۹۰۳ء	۱۸۹۸ء

داغ دہلوی کا پورا نام مرزا نواب خان تھا۔ داغؔ تخلص کرتے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۸۳۱ء میں دہلی میں ہوئی۔ والد کا نام شمس الدین خان تھا جو نواب ضیاء الدین خان والی لوہارو کے بھائی تھے۔ داغ کی تعلیم و تربیت دہلی کے لال قلعہ میں ہوئی۔ اس زمانے میں قلعہ و شاعری کا چرچا عام تھا داغ بچپن سے ہی موزوں طبع تھے چنانچہ اس ماحول سے متاثر ہوئے اور استاد ذوق کی شاگردی اختیار کر لی۔ اور مسلسل مشق و

سطور بالا میں جو متفرق اعداد پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں نیچے لکھی ہوئی گنتیاں سنہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جب کہ اوپر کی گنتیاں مہینہ کو بتاتی ہیں۔ مثلاً ۶/۱۸۸۵ء کا مطلب ۱۸۸۵ء کا چھٹواں مہینہ یعنی جون۔

www.urduchannel.in

ممارست کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد خود مرتبہ استادی حاصل کرلیا۔

۱۸۵۷ء کے شورش کے بعد داغؔ نے دہلی کو خیر آباد کہہ کر مستقل طور پر نواب رامپور کے یہاں سکونت اختیار کی۔ جہاں پر انھوں نے اپنی عمر کو چوبیس سال تک نہایت عزت و آرام سے گذارا۔ لیکن نواب کلب علی خان کے سانحہ انتقال کے بعد داغؔ حیدرآباد چلے گئے۔ یہاں بھی ان کی خوب عزت افزائی ہوئی۔ اعلیٰ حضرت محبوب علی خان کے استاد مقرر ہوئے اور داغ کو خطابات سے نوازا بھی گیا۔ اس طرح داغؔ نے حیدرآباد میں اٹھارہ برس کی زندگی امن وچین سے گزاری اور پھر ۱۷ فروری ۱۹۰۵ء کو وفات پائی۔

داغ نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مگر ان کی طبیعت کا اصل میلان غزل ہی کی طرف ہے۔ اور غزل میں ان کا مخصوص رنگ نشاطیہ ہے۔ جس میں قدیم موضوعات محبوب کے خدوخال، زلف وگیسو اور چشم وابرو وغیرہ کا بیان ہے۔ یا عاشق ومعشوق کے معاملات ہیں مگر داغ کا کمال یہ ہے کہ انھیں قدیم اور محدود موضوعات کو ایسے اچھوتے اور دلکش پیرائے میں ادا کیا ہے کہ شعر سنتے ہی عوام واہ واہ کہتے ہیں اور خواص محفوظ ہوتے ہیں۔

داغ کی شاعری جس عہد میں پروان چڑھ رہی تھی اس دور کی شاعری کا مزاج خالصتاً فصاحت و بلاغت اور زبان ومحاورے کی نزاکت پر مبنی تھا۔ یعنی کلام کی خوبی کا تعین مضمون آفرینی سے نہیں بلکہ طرز ادا سے کیا جاتا تھا۔ پامال مضامین کو زبان و بیان کی فصاحت، نت نئے محاورے اور روزمرہ کی الٹ پھیر سے دلکش بنا دینا ہی شعرا کا اصل کمال سمجھا جاتا تھا۔ داغ بھی اپنے زمانے کی روش سے الگ نہ ہوسکے چنانچہ ان کے کلام میں وہ تمام عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں جو اس زمانہ میں طرہ امتیاز کی حیثیت رکھتے

www.urduchannel.in

تھے۔ داغ کے کلام میں زبان کی فصاحت وسادگی اور بیان میں شوخی اور بانکپن ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو داغ کو اپنے معاصرین میں ممتاز کرتے ہیں۔ اپنی زبان دانی کے بارے میں داغ خود کہتے ہیں۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

داغ نے چار دیوان یادگار چھوڑے ہیں (۱) گلزار داغ، (۲) آفتاب داغ، (۳) مہتاب داغ، (۴) یادگار داغ۔ یادگار داغ کا ایک ضمیمہ بھی ہے۔ فریاد داغ کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ ان کے علاوہ چند قصائد، قطعات و رباعیات اور دلی کی تباہی پر ایک شہرآشوب بھی لکھا ہے۔

زبان وادب کے سلسلے میں داغ دہلوی کی خدمات بہت گرانقدر ہیں۔ مذکورہ تصانیف اور پیام یار شائع ان کی غزلوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو شعر وادب سے داغ کا تعلق بہت گہرا اور سچا تھا۔ وہ پیام یار کی ترقی کے لئے جو بھی کوشش کرسکتے تھے تاحیات کرتے رہے۔

۲۔ امیر مینائی:

امیر مینائی پیام یار کے مدیر منشی نثار کے مشفق استاد تھے۔ نثار کو اپنے استاد سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔ چنانچہ امیر جب تک زندہ تھے، اس وقت تک منشی نثار اپنے کلام پر بغیر اصلاح لئے اسے پیام یار میں نہیں شائع کرتے تھے۔ خود اپنے استاد سے گلدستہ پیام یار کے لئے غزل کی درخواست کرتے اور بار بار تقاضا بھی کرتے۔ لہذا امیر مینائی اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود محض شاگرد دل جوئی کی خاطر پیام یار کے لئے غزلیں بھیجتے تھے۔ اس کے وعلاوہ نثار سے تعلق کے سبب امیر مینائی ان کے گلدستہ پیام

www.urduchannel.in

یار کی سرپرستی کو بھی لازم تصور کرتے تھے۔ اس لئے خواہ ان کے پاس فرصت نہ ہو اور وہ کسی حال میں ہوں تو بھی پیام یار کے لئے غزل ضرور کہتے۔ چنانچہ حکیم برہم کو ایک خط میں لکھتے ہوں۔

> ''امراض اور ضعف دل و دماغ اب مجھے فکر کرنے کی فرصت نہیں دیتے، کبھی نثار کے اصرار سے مجبور ہو کر کوئی غزل کہنے کا خیال کرتا ہوں تو دو چار روز میں اٹھتے بیٹھتے کچھ شعر ہو جاتے ہیں اسی طرح دو تین بار اس زمین میں بھی خیال کیا جو شعر ہو گئے۔ اس میں سے بار بار انتخاب کر کے ممتاز نے صرف پچیس پچیس شعر کی دو غزلیں رکھی ہیں اور یہی رائے ہے کہ اسی قدر گلدستہ (پیام یار) میں چھپنے کو بھیجی جائیں'' [۶]

دراصل پیام یار اردو زبان کا ایک موقر اور مستند گلدستہ تھا۔ اس کا مقصد شعرا کی بہترین تخلیقات کی اشاعت اور اردو زبان کی خدمت کرنا تھی۔ موقر گلدستہ میں مشاہیر شعرا اور والیاں ریاست کی طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ امیر مینائی اس گلدستہ کے اعلیٰ معیار کے معترف تھے۔ اور اس کے لئے حال میں بھی غزلیں بھیجتے رہے جب ان کے اعضائے جسمانی جواب دے چکے تھے چنانچہ حکیم برہم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''حکیم صاحب عجیب کیفیت میں ہو نہ کہ دن رات میں کسی وقت آرام نہیں نہ آنکھیں کام دیتی نہ ہاتھ قبو میں ہیں۔......... زیادہ کیا لکھوں۔ غزل میں جلدی

www.urduchannel.in

ضروری تصرف کر کے چند اشعار پیام یار کو بھیجے دیتا
ہوں'' ۷

جیسا کہ ذکر آچکا ہے پیام یار ایک معیاری گلدستہ تھا جو علمی و ادبی حلقہ میں پڑھا جاتا تھا بہت مقبول تھا۔اسی کی معمولی مقبولیت کے پیش نظر ہر شاعر اس میں اپنا طرحی کلام شائع کروانے کی کوشش کرتا۔لیکن پیام یار کی خوبی یہ تھی کہ اس میں حتیٰ الامکان منتخب اشعار درج کئے جاتے تھے۔اور اس اصول کی پابندی اس سختی سے کی جاتی تھی کہ بعض پرچوں میں خاصے اہم شعرا کا ایک شعر بھی شائع نہیں ہو پاتا تھا۔چنانچہ امیر مینائی اپنے ایک شاگرد کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

''آپ کی غزل پیام یار میں نہ چھپنا میرے قصور سے
نہیں ہے۔میں نے جلد بھیج دی تھی۔وسیم و نعیم و اصغر کی
غزلیں بھی گئی تھیں۔عابد کی غزل بھی روانہ ہوئی تھی۔
کسی کی نہیں چھپی، خدا جانے کیا سبب ہوا'' ۸

امیر مینائی کا شمار گلدستہ پیام یار میں شائع ہونے والے درجہ اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ان کی غزلیں پیام یار کے متفرق پرچوں میں بار بار دیکھنے کو ملتی ہیں۔جہاں تک ہمیں دریافت ہوسکا ہے ان غزلوں کی اشاعت تعداد پچیس ہیں۔تاریخی اعتبار سے ان غزلوں کی اشاعت کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

۶	۱۱	۱۰	۱	۸	۹	۱۱
۱۸۸۵ء	۱۸۸۵ء	۱۸۸۶ء	۱۸۸۷ء	۱۸۸۸ء	۱۸۸۸ء	۱۸۸۸ء

www.urduchannel.in

۳	۸	۶	۹	۱۰	۲	۵
۱۸۹۰ء	۱۸۹۳ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۶ء	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء
۲	۸	۱۰	۲	۲	۹	۱۰
۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء	۱۸۹۷ء	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء	۱۸۹۸ء
۷	۱۰	۱۱	۱۲			
۱۹۰۶ء	۱۹۱۰ء	۱۹۱۰ء	۱۹۱۰ء			

امیر مینائی کا پورا نام امیر احمد مینائی تھا اور امیر تخلص کرتے تھے۔ امیر کی پیدائش ۱۸۲۶ء میں لکھنو کے ایک معزز خاندان میں ہوئی تھی۔ آپ کے والد کا نام مولوی شاہ کرم محمد مینائی تھا جو علم و فضل اور جوہر ذاتی کی بنا پر عمائد میں شمار ہوتے تھے۔ امیر مینائی کو بچپن سے عام و ادب اور شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ قدرت نے شاعرانہ ذہن بخشنے میں بڑی فیاض سے کام لیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و شاعری کی ابتدا کی اور ذاتی صلاحیتوں و ذوق سلیم کی رہنمائی سے میدان شعر و سخن میں بہت جلد اہم مقام پیدا کیا۔ جب انھوں نے مشقِ سخن کی ابتدا کی تو اپنے زمانے کے مستند استاد اسیر کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ امیر مینائی نے اسیر کی شاگردی اختیار کر کے بہت فیض اٹھایا۔ مسلسل مشق و ممارست کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد خود

سطور بالا میں جو متفرق اعداد پیش کئے گئے ہیں ان میں نیچے لکھی ہوئی گنتیاں سنہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جبکہ اوپر کی گنتیاں مہینہ کو بتاتی ہیں۔ مثلاً ۱۲ / ۱۹۱۰ء کا مطلب ۱۹۱۲ء کا بارہواں مہینہ یعنی دسمبر۔

www.urduchannel.in

مرتبہ استادی حاصل کرلیا۔ یہ اپنی شہرت ومقبولیت کے مدارج سے گزر رہے تھے کہ مشفق استاد اسیر کے توسط سے واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوگئی۔ اور سنہ ۱۸۵۲ء میں ''ارشاد السطان'' اور ''ہدایت السطان'' دو کتابیں تصنیف کیں۔ جواب نایاب ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد استاد اسیر کی ایما پر امیر مینائی رامپور چلے گئے جہاں انھوں نے تقریباً تنالیس سال تک قیام کیا۔ یہیں پر امیر مینائی اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق ''امیر الغات'' کی تالیف کا کام شروع کیا۔ ''امیر الغات'' کی دو جلدیں حصہ اول ۱۸۹۱ء میں اور حصہ دوم ۱۸۹۲ء میں مرتب کر کے شائع کیں۔ تیسری جلد بھی مرتب کی لیکن وہ شائع نہ ہوسکی۔ اس اہم کام کے علاوہ بھی وہ شعر و شاعری میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ لیکن رامپور کے دوران قیام ان کا اہم کارنامہ ''امیر اللغات'' کی ترتیب ہے۔ تنالیس سال کے بعد نظام حیدر آباد کی فرمائش پر امیر مینائی رامپور سے حیدآباد چلے گئے۔ یہاں انھوں نے ابھی تھوڑے ہی دن قیام کیا تھا کہ مختصر علالت کے بعد ۱۲/اکتوبر ۱۹۰۹ء کو دارفانی سے رخصت ہوئے۔

امیر مینائی کی شاعری جس عہد میں پروان چڑھ رہی تھی اس وقت لکھنوی شاعری کا رجحان، شاعری بحیثیت فن کی طرف تھا یعنی شعر کی خوبی کا تعین موضوع کے اچھوتے پن یا فکری بلندی سے نہیں کیا جاتا تھا بلکہ یہ دیکھا جاتا کہ زبان ومحاورے کا استعمال کس طور پر ہوا ہے چنانچہ شعرا کی تمام تر صلاحیت اپنے کلام کو ظاہری خوبیوں سے آراستہ کرنے پر صرف ہوتی تھی۔ رعایت لفظی اور ضلع جگت کی کوششیں، ذہن کو اور کسی دوسری طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہیں دیتی تھیں۔ اس لئے امیر کے ابتدائی کلام میں وہ سب عیوب موجود ہیں جو ناسخ کے رنگ کے لئے مخصوص تھے یعنی جابجا رعایت لفظی اور بدنما تشبیہیں، عورتوں کے آرائش کا سامان، کنگھی چوٹی اور بازاری زبان میں فرسودہ

www.urduchannel.in

اور رکیک مضامین عغیرہ۔لیکن امیر مینائی نے بہت جلد نجات کا ایک نیا راستہ نکال لیا۔

امیر مینائی دبستان لکھنو کے آخری استاد تھے جنھوں نے قدیم لکھنوی شاعری کی روایات کی بندش سے آزاد ہوکر ایک نیا اور منفرد رنگ شاعری ایجاد کیا۔ جو دبستان لکھنو اور دہلی کی امتیازی خصوصیات کا بہترین نمونہ ہے اس سے جو خیال اور زبان و بیان کی چشمک لکھنوی اور دہلوی شعرا کے درمیان تھی ختم ہوگئی۔ان کا جو دوسرا دیوان ''صنم خانۂ عشق'' کے نام سے شائع ہوا۔اس میں اکثر اشعار اعلیٰ تخیل فصاحت اور بلاغت کی امتیازی مثالیں موجود ہیں۔امیر کو جملہ اصنافِ سخن پر عبور حاصل تھا۔کہیں کہیں معرفت و تصوف کے مضامین ان کی غزلوں میں حسن وخوبی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔اس کے علاوہ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ نعتیہ کلام پر بھی مشتمل ہے۔ بلند خیالی فصاحت و بلاغت کے علاوہ روانی اور توازن الفاظ ان کا قصف خاص ہے۔ ان کے کلام میں شستگی و شگفتگی، خیال کی گہرائی اور قادر الکلامی کے نمونے بدرجہ اتم موجود ہیں۔ یہی امیر مینائی کے اسلوب کا دلکش پہلو ہے۔انھیں زبان وفن کے جملہ پہلوؤں پر استادانہ محارت حاصل تھی جو صحت زبان اور قادرالکلامی کی بہترین دلیل ہے۔دراصل امیر کی شاعری اس وقت کی لکھنوی شاعری کی رعایت لفظی، صفائی بدایع اور بازاری زبان کے استعمال سے زیادہ حد تک پاک ہے۔یہی وہ خصوصیت ہے جو اپنے دور کے شاعروں سے انھیں الگ کرتی ہے۔بعض اشعار میں شوخی پیدا ہوئی لیکن اس قسم کے اشعار میں انھوں نے پیرایہ بیان شائستہ اختیار کیا ہے۔ بلا شبہ امیر مینائی ایک قابل اور طباع شاعر تھے۔اور ان کا مرتبہ شعرائے اردو میں بہت بلند ہے۔

امیر مینائی نے ۱۸۸۵ء میں لکھنو سے ایک ماہانہ گلدستہ ''گلچیں'' کے نام سے نکالا تھا جو ایک سال کے بعد بسمل لکھنوی کی ادارت میں آگیا اور تھوڑے ہی دن بند

www.urduchannel.in

ہو گیا۔اس کے بعد خیر آبادی نے ۱۸۹۲ء میں اسے گورکھپور سے شائع کرنا شروع کیا کچھ عرصے تک تو نکلتا رہا لیکن بعد میں پھر بند ہو گیا۔آخری مرتبہ امیر مینائی کے صاحبزادے نے کچھ پرچے نکالے۔پھر یہ گلدستہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

امیر مینائی نے کثیر تعداد میں اہم تصانیف چھوڑی ہیں۔ یہاں سب کا ذکر تفصیل ممکن نہیں۔لہذا ایک فہرست ان کی تصانیف کی پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ارشاد السلطان،۲۔ ہدایت السلطان،۳۔غیرت بہارستان،۴۔سرمۂ بصیرت،۵۔بہار ہند،۶۔نور تجلی وابر کرم،۷۔صبح ازل،۸۔نماز کے اسرار،۹۔خیاباں آفرینش،۱۰۔جوہر انتخاب وگوہر انتخاب،۱۱۔دیوان غیر مطبوعہ،۱۲۔خاتم النبین،۱۳۔انتخاب یادگار ۱۴۔مراۃ الغیب،۱۵۔صنم خانۂ عاشق،۱۶۔شعلۂ جوالہ،۱۷۔امیر اللغات جلد اول وجلد دوم،۱۸۔مجموعہ اسوخت۔

پیام یار کی مقبولیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسے امیر مینائی جیسے عدیم الفرصت اور کثیر التصانیف اور استاد شاعر اپنے کمال توجہ سے ہمیچہ عزت بخشتے رہے۔اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ وہ بقید حیات رہے۔

☆☆☆

۳۔ریاض خیرآبادی :

ریاض خیر آبادی پیام یار کے ان اہم شرکا میں سے ایک تھے کہ جن کی نہ صرف طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں بلکہ پیام یار میں ان کو وہ منصب بھی حاصل تھا کہ عرصہ دراز تک مصرع طرح مقرر فرمایا کرتے تھے۔اس طرح ان کی حیثیت ایک معاون کی سی تھی۔ ایڈیٹر پیام یار نے ایک جگہ پیام یار کے قوانین وضوابط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

www.urduchannel.in

''اس کا مصرع طرح پیام یار کے ادبی معاون حضرت ریاض یا نواب فصاحت جنگ جلیل مقرر فرمایا کریں گے''۔

(پیام یار جنوری ۱۹۲۰ء ص۲)

پیام یار کا اپنا ایک اصول خاص تھا۔ اس میں صرف منتخب تازہ کلام شائع ہوتا تھا۔ اشعار کا انتخاب ایک کمیٹی کرتی تھی۔ کمیٹی کے صرف دو نگراں کار تھے۔ ایک ریاض خیرآبادی اور دوسرے خواجہ عشرت لکھنوی۔ اس سلسلے میں ایڈیٹر پیام یار قائین کے خطوط کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''بعض معزز ناظرین ہم سے اپنے کلام کی عدم اشاعت یا سخت انتخاب کی شکایت کرتے ہیں اس لئے عرض ہے کہ انتخاب کمیٹی مستند شعرا کی کرتی ہے۔ جس کی نگرانی حضرت ریاض اور خواجہ عشرت لکھنوی کے ذمہ ہے۔ آپ کو اپنے کسی خاص شعر کے متعلق یہ شکایت ہو کہ قابل اندراج تھا اور طبع ہونے سے رہ گیا تو آپ دفتر میں لکھ کر بھیجے۔ جوابی خط پر کمیٹی سے دریافت کر کے آپ کو اطلاع دی جائے گی''۔

(پیام یار، جون ۱۹۱۲ء ص ۵)

درحقیقت پیام یار میں ریاض خیرآبادی کو دو اہم عہدے حاصل تھے۔ ایک تو وہ پیام یار کے لئے مصرع طرح مقرر فرمایا کرتے تھے اور دوسرے اس کے لئے منخبہ اچھے اشعار پر نظر ثانی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ریاض خیرآبادی اور مدیر پیام یار

www.urduchannel.in

سے گہرے مراسم بھی تھے۔ ریاض لکھنو میں جب کبھی آتے تو منشی نثار سے ملتے اور پیام یار کے دفتر ضرور جاتے تھے۔ لکھنو میں کئی کئی روز تک رہ جاتے تھے۔ جب تک قیام رہتا روزانہ شام کو پیام یار کے دفتر میں شعری نشست گرم ہوتی، جس میں عبدالحلیم شرر، خواجہ عشرت لکھنوی، وسیم خیرآبادی، امانت لکھنوی اور دوسرے ارباب زبان و ادب جمع ہوتے اور دادِ سخن دیتے تھے۔ نثار، ریاض کے کلام کے عاشق تھے وہ ریاض سے کلام کو بڑے امتیاز اور خصوصیت سے گلدستہ میں شائع کرتے تھے جب تک یہ گلدستہ نکلتا رہا اس وقت تک ریاض کی سخن سنجیاں پیام یار کے ذریعے سے لوگوں کو دیکھنا نصیب ہوتی رہیں۔

ریاض خیرآبادی کی غزلیں گلدستہ پیام یار میں بار بار شائع ہوتی تھیں۔ تحقیق سے جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان کی کل تعداد سینتیس ہے۔ یہ غزلیں کبھی تو ایک سال کے مسلسل شماروں میں شائع ہوتی تھیں اور کبھی متفرق شماروں میں چھپتی تھیں جن کی اشاعت کی نوعیت سنہ اور مہینے کے اعتبار سے مندرجہ ذیل ہے۔

۱۰ / ۱۸۸۵ء	۲ / ۱۸۸۶ء	۱ / ۱۸۸۷ء	۴ / ۱۸۸۷ء	۵ / ۱۸۹۳ء	۵ / ۱۸۹۶ء	۸ / ۱۸۹۶ء
۱۱ / ۱۸۹۶ء	۱ / ۱۸۹۷ء	۱ / ۱۸۹۷ء	۵ / ۱۸۹۷ء	۱ / ۱۸۹۸ء	۲ / ۱۸۹۸ء	۸ / ۱۸۹۸ء
۹ / ۱۸۹۸ء	۱۰ / ۱۸۹۸ء	۲ / ۱۹۰۵ء	۱۰ / ۱۹۰۵ء	۱ / ۱۹۰۶ء	۶ / ۱۹۰۶ء	۷ / ۱۹۰۶ء

www.urduchannel.in

۸/۱۹۰۶ء	۹/۱۹۰۶ء	۱۱/۱۹۰۶ء	۱۲/۱۹۰۹ء	۱۰/۱۹۱۰ء	۱۶/۱۹۱۰ء	۱۲/۱۹۱۰ء
۲/۱۹۱۲ء	۴/۱۹۱۲ء	۶/۱۹۱۲ء	۲/۱۹۲۰ء	۳/۱۹۲۰ء	۴/۱۹۲۰ء	

ریاض خیر آبادی کا پورا نام سید ریاض احمد تھا اور ریاض تخلص کرتے تھے۔ ضلع سیتا پور کے مشہور اور تاریخی قصبہ خیر آباد کے ایک معزز خاندان میں ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے ان کے والد مولوی سید طفیل احمد عربی اور فارسی کے جید عالم تھے۔ اور محکمہ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ خیر آباد کو علم و ادب کا گہوارہ رہنے کا شرف عرصہ دراز تک حاصل رہا، تمام بستی کا ماحول شعر و ادب کے لئے سازگار تھا۔ ریاض کو شاعری سے فطری مناسبت تھی چنانچہ ابھی تعلیم مکمل نہیں ہونے پائی تھی کہ طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل ہوئی۔ ابتدا میں تخلص آشفتہ تھا اور بعد میں ریاض تخلص کرنے لگے۔

ریاض بھی اپنے والد اور بھائیوں کی طرح محکمۂ پولیس میں سب انسپکٹر کی حیثیت سے منتخب ہو کر گورکھپور میں تعینات ہو گئے تھے۔ لیکن انھوں نے ملازمت سے بہت جلد استعفیٰ دیدیا اور بقیہ ساری زندگی شاعری، صحافت اور انشا پردازی میں گزاری۔ انھوں نے اپنی زندگی کا نصف اور بہترین حصہ گورکھپور میں بہت عیش و عشرت سے گزارا۔ پھر ریاست محمود آباد کے شدید اصرار پر تقریباً تین چار سال لکھنو میں قیام کیا۔

سطور بالا میں جو متفرق اعداد پیش کئے گئے ہیں ان میں نیچے لکھی ہوئی گنتیاں سنہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جبکہ اوپر درج کی ہوئی گنتیاں مہینے کو بتاتی ہیں مثلاً ۴/۱۹۲۰ء کا مطلب ۱۹۲۰ء کا دسواں مہینہ یعنی اکتوبر ہے۔

www.urduchannel.in

لیکن گورکھپور کی حسین یادیں انھیں برابر تڑپاتی رہیں اور عمر کے آخری حصہ میں آبائی وطن خیرآباد میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ جہاں ۲۸ رجولائی ۱۹۳۴ء کو صرف دو دن کی علالت کے بعد دار فانی سے کوچ کیا۔

ریاض خیرآبادی نے تو جملہ اصناف سخن طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی طبیعت کا اصل میلان غزل ہی کی طرف تھا۔ اور غزل میں انھوں نے اپنا امتیازی رنگ خمیہ رکھا۔ ریاض نے خمریات کا اضافہ کرکے اردو شاعری کو مالا مال کیا۔ اس سے قبل بھی اردو شاعری میں خمریہ رنگ موجود تھا مگر دوسرے شعرا ضمنی طور پر خمریہ اشعار کہے تھے مگر ریاض نے اردو شاعری میں خمریات کو باقاعدہ موضوع بنایا۔ شراب سے متعلق کوئی پہلو نہیں جس پر ریاض کے اشعار نہ ملتے ہوں۔ عشق و شراب ریاض کی شاعری کے محبوب موضوعات ہیں جن میں خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ کم از کم اردو کی خمریہ شاعری میں ان کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہیں۔ اردو زبان و ادب میں خمریات کو فن کی حیثیت سے فروغ دینے والے ریاض ہی تھے۔ شراب اور اس کے لوازمات کے متعلق بے شمار اشعار کہنے کے باوجود ریاض نے ساری زندگی کبھی بھی شراب نہیں پی اس بات کی توثیق ریاض کے رازداں مولوی سبحان اللہ گورکھپوری کے بیان سے بھی ہوتا ہے۔

> ''یہ شبہ نہ ہو جائے کہ جناب ریاض مرحوم شرابی تھے۔
> لاحول ولاقوۃ الا بلا۔ ہر جاننے ولا اور پورا گورکھپور اور
> خیرآباد قرآن لے کر دن اور رات کی تمام عمر کی صحبتوں
> کی بابت قسم کھانے کو تیار ہے کہ ریاض مرحوم نے کبھی
> ایک بوند بھی شراب لب تک نہ آنے دی''۹

درحقیقت رئیس نے اردو شاعری وہ مقام حاصل کیا جو فارسی میں صرف حافظ

www.urduchannel.in

اور خیام کو میسر ہے۔

ریاض ایک منفرد رنگ و آہنگ کے شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی راہوں کا خود تعین کیا اور اپنی شاعری کے لئے وہ سانچے ڈھالے جس پر ہمیشہ قائم رہے۔ اور یہی راہیں ان کی ترقی کی ضامن ہیں۔ وہ اپنے رنگ کے خود امام تھے۔ رندانہ مضامین، طنز و مزاح کی چاشنی، جذبات کی عکاسی اور مستی و سرشاری کے مختلف پہلو کلام میں نمایاں ہیں۔ روانی اور بے تکلفی، ہندی الفاظ کا برمحل استعمال، محاورات اور جاندار تمثیلوں کے علاوہ برجستگی اور بے ساختگی ان کے کلام کی اہم خصوصیات ہیں۔ بریں ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز زبان و بیان کی چستی اور سلاست اور روانی ہے۔ جو ان کے اسلوب خاص کا دلکش پہلو ہے۔ ریاض اپنی زبان دانی کے بارے میں خود فرماتے ہیں۔

اردو کرے گی ناز ہماری زبان پر   ہیں شعر یادگار ہماری زبان کے

ریاض کی زبان کے سلسلے میں نیاز فتحپوری کا ایک بیان قابل توجہ ہے۔

''آپ ریاض کا پورا کلیات چھان ڈالتے لیکن آپ کو زبان یا فن کی غلطی کوئی نہ ملے گی۔ اس لئے کلام ریاض علاوہ اور خوبیوں کے ایک معلمانہ حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اور وہ خصوصیت ہے کہ شاخ ایسا فطری شاعر بھی اسی کی بدولت آج اساتذہ فن میں شمار کیا جاتا ہے'' [۱۰]

زبان و بیان کے سلسلے میں مجنوں گورکھپوری کا بیان بھی تصدیق کرتا ہے کہ۔

''زبان کی صفائی، محاوروں کا رکھ رکھاؤ الفاظ کی رعایتیں ریاض کی مستقل خصوصیات ہیں۔ ثبوت میں ان کا سارا کلام پیش کیا جا سکتا ہے'' [۱۱]

www.urduchannel.in

ریاض کو شعر و ادب کے ساتھ ساتھ سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ ان کی عمر انیس سال کی ہی تھی کہ ۱۸۸۲ء میں اپنے آبائی وطن خیرآباد میں ''لمع رخشاں'' کے نام کیا۔ اور ایک موقر اخبار ریاض الاخبار نکالا اس کے بعد اس زمانے میں روزنامہ ''تاربرقی'' بھی جاری کیا اور چند برسوں کے بعد گورکھپور سے ''ریاض الاخبار''، ''صلح کل''، ''گل کدہ'' ریاض''، ہفتہ وار موقر مزاحیہ پرچہ ''فتنہ'' اور ''عط فتنہ'' بھی نکالا۔ ان اخبارات ورسائل کو ادبی حلقوں میں بڑی شہرت حاصل ہوئی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ شاعری ریاض کی طبیعت کا جزو اعظم تھی لیکن نثر نویسی اور انشا پردازی سے بھی انھیں کافی دلچسپی تھی۔ جس طرح ان کی شاعری زبان و بیان شوخی و شرارت طرز ادا اور ندرتِ خیال کبھی بہترین مثال تھی، اس طرح ان کی انشا پردازی بھی اپنی شگفتگی اور مدلل انداز بیان کے سبب بے مثال تھی۔ ریاض کی انشا پردازی کی شہرت اس قدر تھی کہ جب وہ اخبار نکالتے تھے تو لوگ ''ریاض الاخبار'' کا صرف اداریہ پڑھنے کے لئے خریدا کرتے تھے اس کے علاوہ ''فتنہ'' اور ''عطر فتنہ'' ان کی شائستہ مذاق کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی انشا پردازی کا ثبوت وہ تمام مضامین بھی ہیں جو انھوں نے مختلف موضوعات پر لکھے تھے۔

ریاض ایک اچھے مترجم بھی تھے انھوں نے رینالڈس کی کچھ اہم ناولوں کا اردو وترجمہ بھی کیا تھا جس کو انھوں نے ''حرم سرا'' اور ''نظارہ'' کے نام سے شائع کیا اس کے علاوہ ایک تیسرا ناول ''تصویر'' کے نام سے ترجمہ کرر ہے تھے، لیکن کسی وجہ سے وہ مکمل نہ ہو سکا تھا۔ ''حرم سرا'' کا ترجمہ ۱۸۹۰ء اور ''نظارہ'' کا ترجمہ ۱۸۹۱ء میں کیا تھا۔ زبان و بیان کے اعتبار سے ان ناولوں کی ادبی حلقوں میں بہت تعریف ہوئی۔ ریاض کی مطبوعہ تحریروں میں دیوان، ریاضوانہ، رینالڈس کے انگریزی ناولوں کا ترجمہ ''حرم سرا'' اور

www.urduchannel.in

''نظارہ'' کے علاوہ لاتعداد مضامین ان کی ادبی یادگار ہیں۔

چونکہ ریاض ایک اچھّے صحافی بھی تھے اور وہ بیک وقت کئی اخبارات و رسائل نکالتے تھے چنانچہ ریاض اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود پیام یار کی طرح میں مستقل غزلیں کہتے تھے۔اس کے علاوہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ گلدستہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا جائے۔ساتھ اردو شعر وادب کی خدمت بھی ہوتی رہے۔

۴۔جلال لکھنوی:

جلال لکھنوی پیام یار کے ان چند ممتاز شرکا میں سے ایک تھے کہ جنھوں نے ہمیشہ اسے اپنا گلدستہ سمجھا اور اسے مقبول بنایا۔ پیام یار کو یوم اشاعت ہی سے جلال کا قلمی تعاون حاصل تھا اور یہ شفقت اس وقت رہی جب تک جلال بقید حیات رہے۔ پیام یار کے اکثر مصرع طرح میں جلال طبع آزمائی کرتے ،اور اپنے شاگردوں کو بھی مشورہ دیتے کہ وہ زة ن پر زور دے کر مصرح پر طبع آزمائی کریں۔ چنانچہ جلال کے علاوہ پیام یار میں شاگردان جلال کی بھی غزلیں کثرت سے شائع تھیں، جو اکثر شماروں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس سلسلے میں رام بابو سکسینہ کا بیان قابل توجہ ہے۔

> ''مشہور ہے کہ بیس پچیس غزلوں کی اصلاح اور تین چار غزلوں کی تصنیف ان کا روز مرہ کا معمول تھا۔ چنانچہ اس زمانہ کے گلدستے ان کی اور کے شاگردوں کی غزلوں سے بھرے رہتے تھے'' ۱۲؎

جیسا کہ ہم جانتے ہیں پیام یار کے مدیر منشی نثار کو شعر وسخن سے فطری ذوق

www.urduchannel.in

تھا۔ وہ مشاہیرِ فن سے دوستانہ روابط رکھتے تھے۔ جلال اپنے زمانے کے ایک ممتاز شاعر اور فنِ عروض کے استاد تھے۔ اور پیام یار میں قلمی معاون کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ چنانچہ جلال اور نثار کے درمیان مدتوں ادبی روابط قائم رہے۔ مدیر منشی نثار کی چوک میں عطر اور تیل کی دوکان تھی اس دوکان کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس زمانے کے بہت سے ممتاز شعرا اور ادباء اور دوسرے اہل ذوق شام کو جمع ہوتے تھے اور ایک اچھی خاصی ادبی محفل جم جاتی، جہاں شعر و شاعری کی نشستیں گرم ہوتی تھیں۔ کبھی ضلع جگت اور کبھی دوسرے ادبی موضوعا پر گھنٹوں بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ گویا یہ دوکان اپنے وقت کی ادبی اور لٹریری مرکز کی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ اس دوکان کے متعلق حکیم عبدالوالی فرماتے ہیں۔

''نثار حسین مہتمم پیام یار کی چوک میں سید حسین پھاٹک کے پاس عطر اور تیل کی دوکان تھی جو کسی زمانے میں شام کو مشہور مصنفیں اور شعرا کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ سرشار، سجاد، ریاض، مرزا مچھو بیگ، اکبرالہ آبادی اور شبلی سب اس دوکان پر دل بہلانے بیٹھ چکے ہیں''[۱۳]

اس بات کی توثیق رئیس احمد جعفری کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

''اس بات حسین صاحب کا مکان یاراں میکدہ کی بیٹھک کا کام دیتا تھا......... ریاض صاحب، مولانا عبدالحلیم شرر، خواجہ عشرت لکھنوی، جناب امانت لکھنوی (واسوخت امانت والے) کے فرزند فصاحب صاحب، اور لکھنو کے دوسرے ارباب زبان و ادب

www.urduchannel.in

مجتمع ہوتے تھے۔ یہاں بس شعروشاعری کا چرچا رہتا تھا''۱۴؎

چونکہ گلدستہ پیام یار ایک معیاری ادبی گلدستہ تھا اس لئے جلال اس گلدستہ کو عزیز رکھتے تھے۔ وہ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اس کے دئے ہوئے مصرع پر شعر کہنا اور بھر وقت مقرر پر پیام یار میں بھیجنا لازم تصور کرتے تھے۔ مزید برآں وہ پیری کے عالم میں ہوں یا علالت کی حالت میں پیام یار کے لئے غزلیں ضرور بھیجتے رہتے تھے۔ اس کا اعتراف خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''زبان اردو کی خدمت آپ نے بہت کچھ کی ہے۔ ابتدا میں پیام یار میں آپ کی غزل مسلسل لطف ہوتی رہی۔ اور اب بھی اس ضعف اور مرض کی حالت میں پیام یار کی اکثر طرحوں میں آپ طبع آزمائی فرماتے رہے۔ اصلاح کے لئے ہندوستان کے دور دراز مقامات سے غزلیں آتی تھیں''

(پیام یار، نومبر دسمبر ۱۹۰۹ء ص ۱۵)

جس طرح جلال اس گلدستہ کو عزیز رکھتے تھے اور اس کی ترقی کے خواہاں تھے۔ اس طرح پیام یار نے اپنے معاون جلال کی وفات پر شدید رنج وغم کا اظہار کیا اور اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا کہ مدتوں کا ہمارا ایک محسن ہم سے جدا ہو گیا۔ جس نے ہمیں لوگوں سے روشناس کرانے میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اس کے علاوہ خصوصیت سے کئی صفحات پر مشتمل ایک مضمون ''واقعہ'' ارتحال جلال لکھنوی کے عنوان سے شائع کیا۔ گلدستہ پیام یار کے تمام شمارے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جلال ایک ایسے

www.urduchannel.in

شاعر تھے جن کی غزلیں پیام یار میں سب سے زیادہ شائع ہوتی تھیں۔ ان کی غزلیں مختلف شماروں میں تقریباً چھیالیس بار شائع ہوئی ہیں۔ اس طرح جلال کو پیام یار کے شرکاء میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ یہ غزلیں کبھی مسلسل پرچوں میں چھپتی تھیں تو کبھی متفرق شماروں میں شائع ہوتی تھیں۔ تاریخی اعتبار سے ان غزلوں کی اشاعت کی نوعیت مندرجہ ذیل ہے۔

۶/۱۸۸۵ء	۹/۱۸۸۵ء	۱۰/۱۸۸۵ء	۱۱/۱۸۸۵ء	۲/۱۸۸۶ء	۷/۱۸۷۶ء	۱۰/۱۸۸۶ء
۱/۱۸۸۷ء	۴/۱۸۸۷ء	۵/۱۸۸۷ء	۶/۱۸۸۷ء	۵/۱۸۹۳ء	۸/۱۸۹۳ء	۱۰/۱۸۹۳ء
۷/۱۸۹۰ء	۶/۱۸۹۰ء	۷/۱۸۹۶ء	۹/۱۸۹۶ء	۱۰/۱۸۹۶ء	۱۱/۱۸۹۶ء	۳/۱۸۹۷ء
۴/۱۸۹۷ء	۵/۱۸۹۷ء	۷/۱۸۹۷ء	۸/۱۸۹۷ء	۱۰/۱۸۹۸ء	۱/۱۸۹۸ء	۲/۱۸۹۸ء
۳/۱۸۹۸ء	۵/۱۸۹۸ء	۶/۱۸۹۸ء	۸/۱۸۹۸ء	۱۰/۱۸۹۸ء	۴/۱۹۰۳ء	۶/۱۹۰۳ء

www.urduchannel.in

۹/۱۹۰۳ء ۱۱/۱۹۰۳ء ۷/۱۹۰۵ء ۱/۱۹۰۶ء ۷/۱۹۰۶ء ۱۰/۱۹۰۶ء ۱۱/۱۹۰۶ء

۱۲/۱۹۰۶ء ۲/۱۹۰۸ء ۱۰/۱۹۰۸ء ۱/۱۹۰۹ء

جلال لکھنوی کا پورا نام حکیم ضامن علی تھا۔جلال تخلص کرتے تھے۔لکھنو کے ایک معزز خاندان میں ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے طبابت آپ کے خاندان میں کئی پستوں سے ذریعہ معاش تھی۔والد کا نام سید اصغر علی تھا جو طبیب بھی تھے اور داستان گو بھی۔جلال نے مدرسہ شاہی میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔علم طب کے علاوہ بھی دیگر علوم وفنون میں جلال نے متوسط قابلیت پیدا کی تھی۔

جلال کو ابتدائے سنِ شعور سے ہی شاعری کا شوق تھا۔ابتدا میں میر علی خان ہلال کے شاگرد ہوئے کچھ دنوں کے بعد ہلال کے توسط سے میر علی وسط رشک کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے اور ان سے مشورہ سخن کرنے لگے لیکن رشک جب کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے تو جلال اپنا کلام نواب فتح الدولہ کو دکھانے لگے۔لیکن انھوں نے کثرتِ مشق سے فن شاعری میں کمال حاصل کرلیا تھا کہ جلد ہی انھیں مستند استاد تسلیم کیا جانے لگا اس کے علاوہ وہ اپنی ذاتی کوششوں سے ایک بے مثال عروض کی بھی حیثیت حاصل کرلی تھی۔

جلال نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی طبیعت کا رجحان

سطور بالا میں جو متفرق اعداد پیش کئے گئے ہیں ان میں نیچے لکھی ہوئی گنتیاں سنہ بتاتی ہیں جبکہ اوپر کی گنتیا مہینے کو واضح کرتی ہیں۔

www.urduchannel.in

ہمیشہ غزل کی طرف رہا ہے اور غزل میں ان کا محبوب رنگ عاشقانہ ہے۔ جو غزل کی جان اور مجازی شاعری کی روح ہے۔ اس رنگ میں انھوں نے اپنی عمر گزاری اور اپنی قوتِ فکر اور طبع رسا سے اس صنف کو ترقی دی مگر ان کا سب سے بڑا وصف صفائی زبان و بیان ہی ہے۔ جو ان کو اپنے معاصرین میں ممتاز کرتا ہے۔ اس کا احساس خود جلال کو بھی تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

منھ چومتا ہے نطق عجب بول چال ہے　　　　تیرے کلام صاف کا کیا کہنا اے جلال

کلام جلال پر طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری ان کے زمانے کے مزاج اور تقاضوں کی آئینہ دار ہے۔ جلال کی شاعری محفلوں، مشاعروں اور درباروں کی پروردہ ہے جہاں زیادہ تر انداز بیان اور صفائی زبان کو اہمیت دی جاتی تھی۔ اور دوسرے یہ ہے کہ جلال جس عہد میں پروان چڑھ رہی تھی اس زمانے کی شاعری میں زبان کی نزاکت، محاورے اور روزمرہ کی الٹ پھیر کے کھیل دکھانا ہی اصل کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے شعرا زبان و بیان کو کافی اہمیت دیتے تھے۔ اور مضمون آفرینی کو کمتر درجے کی چیز سمجھتے تھے۔ جلال کی شاعری بھی رواج زمانہ کی پابند ہے۔ جس میں صحت زبان اور انداز بیان و عروض اور قواعد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جلال کی تالیف وتصنیف کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے پہلا حصہ دواویں، دوسرا رسائل اور تیسرا حصہ لغات پر مشتمل ہے۔ جلال کے کل چار دواویں شائع ہوئے جن کے نام بالترتیب حسب ذیل ہیں۔

دیوان اول۔ شاہد شوخ طبع، دیوان دوم۔ کشمۂ گاہ سخن، دیوان سوم۔ مضمون ہائے دلکش اور دیوان چہارم۔ نظم نگاریں۔ ان میں بعض مبسوط اور بعض مختصر ہیں۔

www.urduchannel.in

رسائل:

جلال کے چار رسائل شائع ہو چکے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔مفید الشعرا۔اس میں تذکیر و تانیث کی بحث ہے۔

۲۔قواعد المنتخب۔یہ بعض مفرد و مرکب الفاظ کی تحقیق اور تعریفِ بیان میں بہت مفید ہے

۳۔دستورالفصحا۔یہ فن عروض مشتمل ہے۔

۴۔افادہ تاریخ۔اس میں فن تاریخ گوئی پر بحث کی گئی ہے۔

لغات:

ان کی تین لغات ہیں جن کے نام بالترتیب یہ ہیں۔

ا۔سرمایہ زبان اردو۔

۲۔تنقیح اللغات۔

۳۔گلشن فیض۔

جلال کا جو تعلق پیام یار سے قائم ہوا تھا وہ جلال کی وفات ۱۹۰۹ء تک جاری رہا اگرچہ وہ کثیر التصانیف تھے اور بہت مصروف رہتے تھے لیکن پیام یار کی ترقی اور مقبولیت کے لئے برابر غزلیں لکھتے رہے۔ پیام یار کی مقبولیت کا ایک سبب بھی تھا کہ جلال لکھنوی جیسے مقبول زمانہ اور استاد شاعر کا قلمی تعاون حاصل رہا۔

۵۔مولانا عبدالحلیم شرر:

پیام یار کے شرکاء میں مولانا عبدالحلیم شرر کی شخصیت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

www.urduchannel.in

شرر کی تخلیقی صلاحیتوں کوفروغ دینے اوران کی شہرت کومستحکم کرنے میں پیام یار نے اہم رول ادا کیا ہے۔ پیام یار کے مطبع سے ان کا پہلا ناول ''دلچسپ'' شائع ہوا اور پیام یار میں سب سے پہلے اس کا اشتہار بھی چھپا تھا۔ ان کا دوسرا مشہور تاریخی ناول ''جوش انتقام'' بھی پیام یار میں مشتر ہوا تھا۔ اور نثار کے مطبع سے ۱۹۰۲ء میں شائع بھی ہوا تھا۔ ان دونوں ناولوں کوشہرت دینے اورعوام میں مقبول بنانے میں پیام یار نے نمایا حصہ لیا۔ اردو کا مشہوراورشرر کا شاہکارناول ''فردوس بریں'' اسی گلدستہ سے عوام میں مشتہر ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے بیشتر ناولوں کا اشتہار پیام یار ہی میں چھپتا تھا۔ چونکہ پیام یار ایک موقر گلدستہ تھا لہذا پیام یار میں مشتہر ہونے کی وجہ سے ان ناولوں نے اس قدر شہرت حاصل کی کہ شرر شہرت ومقبولیت کی بلندی پر پہنچ گئے۔

شرر مدیر پیام یار منشی نثار کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ یہ دوستی بھی اتفاقیہ تھی۔ منشی نثار کی چوک میں ایک طرف تیل کی بڑی دوکان تھی۔ اس دوکان پر لکھنو کے ممتاز شعرااوراد باء کا اکثر شام کے وقت جم گھٹ رہتا تھا جہاں اہل سخن کے درمیان شعر وادب کا چرچا ہوتا تھا۔ ایسی ہی نشستوں میں اس زمانے کے بڑے بڑے ادبی مباحثوں کی ابتدا ہوئی۔ یہ شرر کی بیکاری کا زمانہ تھا وہ وقت گزارنے کے لئے ان محفلوں میں بیٹھا کرتے تھے یہ سلسلہ کچھ دنوں تک چلتا رہا بالاخر دونوں حضرات کے درمیان خوشگوار مراسم ہوگئے اور دونوں ایک دوسرے کے مددگار دوست بن گئے ایک دن ان رفیقوں کے درمیان ایک مشورہ ہوا اور جو کچھ طے پایا اسے شرر کی زبانی سنئے۔

> ''یہ ۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے۔ اب میں خانہ نشین تھا۔ روز چوک میں جا کر منشی نثار حسین کی دوکان پر سیر وتفریح کے لئے بیٹھا کرتا۔ اور دوستانہ طور پر ان کے مطبع اور رسالہ

پیام یار کے ادبی وتحریری کام کر دیا کرتا۔

اس دوران میں انھوں نے مشورہ دیا کہ میں کوئی ناول لکھوں جس کو وہ اپنے مطبع میں چھپوائیں اور پیام یار میں اشتہار دیں۔فروخت میں جتنا روپیہ وصول ہو، نصف میرا اور نصف ان کا۔ میں نے اس کو قبول کیا اور ناول ''دلچسپ'' کا پہلا حصہ لکھا۔ جو میری پہلی تصنیف ہے''

(دلگداز، مارچ ۱۹۳۴ء ص ۵۴)

''دلچسپ'' عوام میں بہت مقبول ہوا اور بہت جلد اس کی تمام کاپیاں فروخت ہو گئیں اور مطبع کو اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

شرر کی ابتدائی ادبی زندگی میں منشی نثار کی حیثیت ایک محسن اور مشفق کی سی تھی۔منشی نثار کے پاس ایک قومی پریس بھی تھا چنانچہ شرر نے بنکم چٹرجی کے ناول ''درگیش نندنی'' کا ترجمہ اردو میں کیا تو اسے بھی منشی نثار نے اپنے ہی مطبع میں چھاپا اور پیام یار میں اس کا متعدد بار اشتہار بھی شائع کیا۔ان اشتہاروں کا جو نتیجہ نکلا خود شرر سے سنئے۔

''خصوصاً منشی نثار حسین صاحب اس کو قومی پریس میں چھاپنے کو تیار ہو گئے۔ ان کے مجبور کرنے سے میں نے اس ترجمے پر نظر ثانی کی۔ اور قومی پریس میں چھپا۔ پیام یار میں اس کا اشتہار جیسے ہی شائع ہوا کثرت سے درخواستیں آنے لگیں''۔

www.urduchannel.in

(دلگاز، مارچ ۱۹۳۴ءص ۵۵)

ناول ''دلچسپ'' اور ''درگیئں نندنی'' شائع ہونے کے بعد شرر کو معاشی اعتبار سے قدرے فراغت حاصل ہوگئی تھی۔ اس ضمنی میں وہ اپنے حالاتِ زندگی اور اپنے رفیق منشی نثار کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''غرض ۱۸۸۴ء سے ۱۸۸۶ء کے آخر تک میری (زندگی) یوں بسر ہوئی کہ مذکورہ ناولوں کی اشاعت سے مجھے بسر کرنے کے لئے تھوڑا بہت پیسہ مل جاتا اور مجھے نوکری کی تلاش پر مجبور نہیں ہونا پڑا۔ منشی نثار حسین صاحب سے واقع یہ ہے کہ مجھے مالی اور اشتہاری مدد ملی۔ اور میں نے بھی ان کے پریس میں اور ان کی ادبی اشاعتوں میں کافی مدد دی''۔

(دلگداز، مارچ ۱۹۳۴ءص ۵۶)

شرر کا مشہور و معروف ناول ''فردوس بریں'' بھی منشی نثار کے مطبع میں شائع ہوا جس کا اشتہار پیام یار کے کئی پرچوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ایک تاریخی ناول ہے اس کو لوگوں نے غیر معمولی ذوق وشوق سے پڑھا اس کو بہت شہرت ومقبولیت بھی حاصل ہوئی۔ پیام یار کے کئی شماروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناول کی اس غیر مقبولیت اور شرر کی شہرت میں اس گلدستہ نے بہت مدد کی۔ ان ناولوں کے علاوہ بھی شرر نے جتنے ناول لکھے ان میں بیشتر کا اشتہار پیام یار میں مسلسل شائع ہوتا رہا۔ غرض شرر کو بحیثیت ناول نگار شہرت دینے میں منشی نثار نے ہر وہ ممکن مدد کی جو کوئی صرف اپنے مخلص دوست کے لئے کرسکتا ہے۔

www.urduchannel.in

ناولوں کے علاوہ مولانا کے مضامین بھی پیام یار میں شائع ہوتے تھے جس کو پیام یار کے قارئین بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ شرر کے جن مضامین کو پیام یار میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی وہ ''زمانہ''، ''ضد'' اور ''روح'' ہی مضامین کے ساتھ ان کی نیچرل نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ان کی نظموں میں ''شب وصل'' اور ''شب غم'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

پیام یار ہی کے ذریعے مولانا شرر نے یہ بحث شروع کی تھی کہ مثنوی گلزار نسیم حقیقتاً خواجہ علی آتش کی تصنیف تھی۔ جو انھوں نے اپنے سعادت مند شاگرد پنڈت دیا شنکر نسیم کا مرتبہ بلند کرنے کے لئے انھیں کے نام سے منسوب کردی تھی۔ اس بحث میں پنڈت برج نرائن چکبست پیش پیش رہے۔ اور دونوں جانب خوب لے دے ہوئی۔ یہاں تک کہ اس وقت کے تمام ادیب اور شاعر دو گروہ میں منقسم ہو گئے تھے اور یہ ادبی معرکہ ایک مدت تک گرم رہا۔ شرر کے دعوے کی دلیلیں اکثر پیام یار میں شائع ہوتی تھیں جن کے جوابات مزاحیہ انداز میں اودھ میں پنچ میں شائع ہوتے تھے۔

گلدستہ پیام یار کی یہ خوش نصیبی تھی کہ ابتدا ہی سے اسے اردو کے بلند پایہ شاعروں اور ادیبوں کا قلمی تعاون حاصل رہا۔ اس کے ساتھ اس نے نو خیز شعرا اور مصنفین کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ اور ان کو بہترین ادب تخلیق کرنے کے مواقع بھی فراہم کئے۔

مولانا شرر نے شعر اور نثر کے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر ان کا اصل میدان ناول نویسی ہے اور اس میں ان کے جوہر کھلے ہیں انھوں نے اردو میں تاریخی ناول کا آغاز کیا اور ان ناولوں کے لئے ایسا پیرایہ اختیار کیا جو ان کے ناولوں کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔ ادب میں شرر تقلید کے قائل نہیں تھے چنانچہ انھوں نے اپنے معاصر

www.urduchannel.in

انشا پردازوں سے الگ ہٹ کر ایک نیا رنگ ایجاد کیا۔ انھوں نے انگریزی انشاپردازوں کی خوبصورت اور دلکش بندشیں اپنے ناولوں میں استعمال کیں مگر تشبیہات و استعارات ایشیائی ہی رکھیں اور خیالی مضامین کو ایسے دلکش پیرائے میں ادا کیا کہ اردو میں ایک نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ جس کے موجد خود شرر تھے۔

شرر نے تصوراتی اور خیالی مضامین انگریزی ادب کے مشہور مضمون نگاروں کی پیروی کی اور انھیں بڑی خوبصورتی سے ادبیات اردو میں سمویا بھی۔ مولانا شرر کے مضامین اور ناولوں میں جذبات کی برجستگی اور بے ساختگی ہے۔ عبارت بھی سنجیدگی اور پاکیزگی کے جوہر سے بھری ہوئی ہے۔ اور روزمرہ محاوروں کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا ہے اس کے علاوہ پلاٹ کی وسعت، حقائق کی عکاسی اور خیال کی ندرت بیان کی صفائی ان کا وصف خاص ہے۔

مولانا شرر کی تصانیف کا دائرہ خاصہ وسیع ہے۔ موضوع کے اعتبار سے ان کی تصانیف کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن تمام تصانیف کی اسم نویسی یہاں مقصود نہیں، صرف ان کی تصانیف کی مجموعی تعداد ان کے مضامین کے لحاظ سے دینا ہی مناسب ہے۔

اقسام تصانیف	تعداد تصانیف
۱ سوانح عمریاں مثلاً ابوبکرؓ، جنید بغدادی وغیرہ	۲۱
۲ تاریخی ناول مثلاً ایام عرب اور بابک خرمی وغیرہ	۲۸
۳ اخلاقی ناول مثلاً حسن کا ڈاکو اور غیب دان دلہن وغیرہ	۱۴
۴ تاریخ مثلاً تاریخ سندھ، عصر قدم وغیرہ	۱۰

www.urduchannel.in

۵ نظم ڈرامہ مثلاً شب غم، شب وصل اور شہید وفا وغیرہ ۴

٦ متفرق ١٨

شرر کا جو تعلق پیام یار سے ۱۸۸۴ء میں قایم ہوا تھا، وہ پیام یار کی آخری اشاعت جاری رہا۔ اگرچہ ۱۸۸۷ء میں شرر نے خود اپنا رسالہ دلگداز جاری کیا اور اپنے اشاعتی کاموں میں خاصے مشغول ہو گئے لیکن منشی نثار مدیر پیام یار سے ذاتی تعلق ہمیشہ قائم رہا۔ منشی نثار صاحب، شرر کے مداح اور شرر منشی نثار کے خلوص کے قدردان تھے۔ ان دونوں کے درمیان خلوص و یگانگت کا یہ تعلق شرر کی بیکاری کے زمانے میں قائم ہوا تھا، آخر تک باقی رہا۔

٦۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی:

عشرت لکھنوی پیام یار کے اہم معاونین میں سے ایک تھے۔ انھوں نے پیام یار کے لئے صرف مشہور و معروف نظمیں ہی نہیں کہیں بلکہ اس کے لئے مضامین بھی قلم بند کئے۔ پیام یار میں ریاض خیرآبادی کی طرح عشرت لکھنوی کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ دفتر پیام یار میں جو طرحی غزلیں آتی تھیں ان پر نظر ثانی کے لئے ایک کمیٹی کی گئی تھی۔ یہ کمیٹی دو ممبروں حضرت ریاض خیرآبادی اور خواجہ عبدالرؤف لکھنوی پر مشتمل تھی۔ لہذا یہ لوگ جو غزلیں منتخب کرتے وہی پیام یار میں شائع کی جاتیں۔ اس طرح خواجہ صاحب کی حیثیت پیام یار میں ایک معاون کی تھی۔

شعر و ادب سے گہری دلچسپی کے سبب مدیر پیام یار کے تعلقات اپنے زمانے کے بیشتر اہم شعرا سے بہت خوشگوار تھے۔ خواجہ صاحب سے بھی منشی نثار کا گہرا تعلق تھا۔

www.urduchannel.in

خواجہ صاحب ''انجمن اصلاح سخن'' کے سکریڑی تھے اور مدیر پیام یار اس انجمن کے سرگرم رکن ۔ اس کے علاوہ چوک میں ان دونوں لوگوں کی دوکانیں تھیں ۔ ان دوکانوں کو لکھنو کی ادبی دنیا میں بڑی اہمیت حاصل تھی ۔ ان میں سے کوئی ایک کی سرشام دوکانداری بند ہو جاتی تھی اور اہل سخن کا مجمع لگ جاتا تھا۔ جہاں پر شعر وسخن کا چرچا رہتا۔ الفاظ و محاورات کی تحقیق ہوتی تھی ۔ اور زبان اردو کے مشکل مسائل ہوتے تھے ۔ اس سلسلے میں رئیس احمد جعفری ''رند بارسا'' میں رقمطراز ہیں ۔

> ''چوک میں ریاض کے دو مرکز تھے ۔ پیام یار کا دفتر اور خواجہ عبدالرؤف عشرت کی دوکان ۔ شام کو ان میں سے کسی جگہ نشست ہوتی تھی ریاض صاحب، مولانا عبدالحلیم شرر، خواجہ عشرت لکھنوی، جناب وسیم، امانت لکھنوی (واسوخت امانت والے) کے فرزند فصاحت صاحب اور لکھنو کے دوسرے ارباب زبان ادب مجتمع ہوتے تھے یہاں بس شعر وشاعری کا چرچا ہوتا تھا'' ۱۵؎

یہ گلدستہ پیام یار اپنے زمانے کے تمام گلدستوں میں معیاری ہونے کی وجہ سے خواجہ صاحب کو بے حد عزیز تھا چنانچہ وہ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود گلدستہ کے لئے مضامین اور نظمیں لکھتے جو پیام یار میں شائع ہوتی تھیں ۔ پیام یار میں ان کے جو مضامین ہمیں دستیاب ہوئے ہیں ان کے عنوانات اور ان کی سنہ اشاعت کی نوعیت مندرجہ ذیل ہیں ۔

مضامین	سنہ اشاعت
۱ مرحوم سال کی لائف	دسمبر ۱۹۰۶ء

www.urduchannel.in

۲	معذرت	جولائی اگست ۱۹۰۸ء
۳	قدیم چین پر ایک سرسری نظر (۱)	ستمبر اکتوبر ۱۹۰۸ء
۴	قدیم چین پر ایک سرسری نظر (۲)	نومبر ۱۹۰۸ء
۵	برما کا دلکش نظارہ	دسمبر ۱۹۰۸ء
۶	اردو کی مختصر لائف	اگست ستمبر ۱۹۰۹ء
۷	انجمن اصلاح سخن کے چارہ گر	نومبر دسمبر ۱۹۰۹ء
۸	واقعہ ارتحال جلال لکھنوی	نومبر دسمبر ۱۹۰۹ء
۹	اصلاح زبان اردو	مئی جون جولائی ۱۹۱۱ء
۱۰	انحطاط زبان اردو	اگست ستمبر اکتوبر ۱۹۱۱ء
۱۱	حضور نظام دکن کی وفات	نومبر ۱۹۱۱ء
۱۲	شاہی دربار	دسمبر ۱۹۱۱ء
۱۳	ایام گذشتہ	جنوری ۱۹۱۲ء
۱۴	زبان سے سلطنت کا سلوک	فروری ۱۹۱۲ء
۱۵	صرف نحو اردو	مارچ ۱۹۱۲ء
۱۶	صرف ونحو	اپریل ۱۹۱۲ء
۱۷	صرف نحو اردو	جون ۱۹۱۲ء
۱۸	علم قافیہ	جنوری ۱۹۲۰ء
۱۹	متروک الفاظ	فروری ۱۹۲۰ء

www.urduchannel.in

۲۰	سرمایہ اردو	مارچ ۱۹۲۰ء
۲۱	میر کلو عرش مرحوم	جولائی ۱۹۲۰ء

فہرست بالا کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بیشتر مضامین ادبی ہیں جو صرف ونحو اور فن عروض کے متعلق لکھے ہیں۔ اور تین مضامین واقعہ ارتحال جلال لکھنوی حضور نظام دکن کی وفات اور میر کلو عرش مرحوم وفیات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ مضمون تاریخی بھی ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ خواجہ صاحب پیام یار نیچرل نظموں سے بھی برابر نوازتے رہے نظموں کے عنوانات اور ان کی سنہ اشاعت کی نوعیت حسب ذیل ہیں۔

	نظم	سنہ اشاعت
۱	چاند اور اس کی روشنی	ستمبر ۱۹۰۶ء
۲	شمع محفل	نومبر ۱۹۰۶ء
۳	خیابان آرزو	فروری ۱۹۰۸ء
۴	کرشمہ انتظار	اگست ستمبر اکتوبر ۱۹۱۱ء
۵	مایوسی	نومبر ۱۹۱۱ء
۶	انگریزی لباس	دسمبر ۱۹۱۱ء
۷	تاریخی دلچسپیاں	فروری ۱۹۱۲ء

عشرت لکھنوی کا پورا نام عبدالرؤف تھا۔ عشرت تخلص کرتے تھے۔ خواجہ صاحب ۱۸۶۸ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ عبدالشکور تھا جو عالم باعمل تھے۔ عشرت نے اپنی تعلیم کی ابتدا عربی اور فارسی سے کی اور بہت جلد ہی ان

www.urduchannel.in

زبانوں میں اچھی استعداد پیدا کرلی۔ اس زمانے میں انھیں شعروشاعری کا شوق ہوا۔ اور شیخ محمد جان شار پیرومیر کے سامنے زانوئے تلمذ نہ کیا۔ رفتہ رفتہ خود استاد کا درجہ حاصل کرلیا۔ معاش کی خاطر انھوں نے ملازمت بھی کی۔ ابتدا میں لینگویج کالج لکھنؤ میں خواجہ صاحب اسٹینٹ پرسنبل مقرر ہوئے اور جب تک کالج قائم رہا وہ اسٹنٹ کے عہدے پر فائز رہے۔ لیکن جب کالج ٹوٹ گیا تو خواجہ صاحب پر فیض امتحان دینے والے طلبا کو علم عروض بطور ٹیوشن پڑھانے لگے۔ یہ درس وتدریس کا سلسلہ کافی دنوں تک چلتا رہا اس کے علاوہ ان کے پاس لکھنؤ چوک میں کتابوں کی ایک دوکان بھی تھی جس کی آمدنی معقول تھی۔ اس دوکان کا اشتہار اکثر پیام یار میں شائع ہوتا تھا۔

ایک زمانے میں لکھنؤ میں زوروں کی بارش ہوئی۔ بہت سے مکانات وغیرہ منہدم ہوگئے۔ اس طوفان میں خواجہ صاحب کی دوکان بھی گرگئی اور تمام تصانیف وکتب وغیرہ ضائع ہوگئیں۔ جس سے ان کو بے حد تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد خواجہ صاحب کو جتنا وقت ملتا تھا وہ زبان کی تحقیقات، کتابوں کا مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں صرف کرتے تھے۔ لکھنؤ کے مشاہیر شعرا کی سعی سے لکھنؤ میں فروغ زبان اردو کی غرض سے ایک انجمن ''انجمن اصلاح سخن'' قائم ہوئی تو اس کے سیکریڑی خواجہ عبدالرؤف عشرت ہوئے۔

خواجہ صاحب نے لکھنؤ کے متعلق مختلف عنوانات پر بے شمار مضامین لکھے۔ لوگ ان کے مضامین کے بہت گرویدہ رہتے۔ رسائل واخبارات کے ایڈیٹر حضرات ہمیشہ ان سے مضمون اور نظم کے لئے درخواستیں کرتے تھے۔ خواجہ صاحب نے یوں تو متعدد موضوعات پر مضامین لکھے ہیں لیکن اودھ اور لکھنؤ پر انھوں نے جو مضامین قلم بند کئے وہ عروض بے حد مقبول ہوئے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک اور محبوب موضوع صرف و

www.urduchannel.in

نحو اور فن عروض تھا جس میں انھوں نے اپنے قلم کی جولائی دکھائی ہے۔ دراصل خواجہ صاحب اودھ لکھنو کے کسی بھی موضوع پر قلم اٹھاتے تو اس کا پورا پورا حق ادا کر دیتے تھے۔ صرف، نحو اور عروض پر ان کی گہری نظر تھی۔ ان موضوعات پر انھوں نے جو کچھ لکھا وہ انتہائی معلومات افزا اور بصیرت افروز ہے۔ زبان وادب کے ان موضوعات پر لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کے ذہن میں ان مباحث کو محفوظ کر دینے کا بھی خیال رہا ہوگا جن سے لوگوں کی دلچسپی رفتہ رفتہ کم ہوتی جارہی تھی۔

اردو زبان کی تحفظ اور بقا کے لئے ''انجمن اصلاح سخن'' کی ایک شاخ بہار کے ضلع گیا بمقام ندرہ میں ''انجمن چشمۂ سخن'' کے نام سے قائم ہوئی تو اس کے صدر خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی مقرر ہوئے۔ انھوں نے اردو کی بھلائی کے لئے بہت سارے مضامین اور نظمیں بھی لکھیں اس طرح خواجہ صاحب اردو کی خدمت کرتے ہوئے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ خواجہ صاحب نے یوں تو جملہ اصناف سخن طبع آزمائی کی ہے مگر ان کی طبیعت کا اصل میلان نیچرل نظموں کی طرف تھا۔ اور انھیں ان کے جوہر بھی کھلتے تھے۔ انھوں نے نظموں میں ایشیائی شاعری کی نزاکتیں پیدا کیں۔ ان کے اشعار صاف اور سلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس قتیج رعایت لفظی سے پاک بھی ہوتے ہیں جو اس زمانے میں لکھنوی شاعری کا طرہ امتیاز سمجھی جاتی تھی۔ اضافتوں کا زیادہ استعمال نہیں کرتے تھے۔ پھر بھی معنوی اعتبار سے ان کے اشعار کمزور نہیں ہوتے۔ ان کی نثر زمانے کے مطابق رنگین ہونے کے باوجود سادہ اور سلیس ہے۔ محاوروں کا استعمال بھی خوب ہے۔

پیام یار میں شائع مضامین اور نظموں کے علاوہ خواجہ صاحب نے مختلف موضوعات پر کتابیں بھی لکھی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ آب بقا، ۲۔ قواعد میر، ۳۔ اصلاح زبان واردو، ۴۔ شاعری کی پہلی، دوسری، تیسری

www.urduchannel.in

اور چوتھی کتاب، ۵۔ترجمان پارس، ٦۔لغات اردو، (یہ چار جلدوں پر مشتمل ہے) ۷۔ تذکرہ ہندوشعرا، ۸۔ہجولی (یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے)، ۹۔مضمون نویسی۔

اس کے علاوہ زبان دانی، جانِ اردو اور اصول اردو تین کتابچے ہیں۔

زبان کی صرف ونحو اور لغات کے سلسلے میں خواجہ صاحب کی خدمات بہت گرانقدر ہیں۔ مذکورہ تصانیف اور پیام یار میں شائع ان کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان سے خواجہ صاحب کا تعلق بہت گہرا اور سچا تھا۔ وہ اس زبان کی اصلاح اور ترقی کے لئے جو بھی کوشش کر سکتے تھے تاحیات کرتے رہے۔

۷۔اکبرالہ آبادی:

پیام یار کو جہاں روز اول سے اردو کے بلند شاعروں اور ادیبوں کا قلمی تعاون حاصل رہا ہے وہیں اس گلدستے نے نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے اور ان کی مدد بھی۔ ایسے شعرا کی تعداد خاصی ہے جو اپنی زندگی کے آغاز ہی سے پیام یار سے وابستہ تھے اور بعد میں اردو ادب کے مایہ ناز شاعر ہوئے۔ ایسے شعرا میں اکبرالہ آبادی کا نام بھی شامل ہے۔ اگرچہ وہ اودھ پنچ کے خاص شرکاء میں سے تھے لیکن ان کے ابتدائی دور کا طنزیہ ومزاحیہ کلام پیام یار میں شائع ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ اس سلسلے میں مصنف ''موج کوثر'' رقمطراز ہیں۔

> ''سرسید کی مخالفت میں ''اودھ پنچ'' کے بہترین ترجمان سید اکبر حسین اکبر تھے۔ جنھوں نے پہلے پہل ''اودھ پنچ'' اور پیام یار کے صفحات میں شہرت حاصل

www.urduchannel.in

کی۔ اور پھر رفتہ رفتہ اپنی طبع خدا داد کی مدد سے ترقی
کرتے ہوئے اردو کے مقبول عام شاعر ہو گئے'' ۱۴؎

منشی نثار اور اکبر الہ آبادی میں خاصے مراسم تھے چوک میں نثار دوکان تھی۔ جہاں تمام اہل سخن شام ہوتے ہی جمع ہو جاتے تھے اور شعر و ادب پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ جب اکبر کا قیام لکھنو میں ہوتا تو اس دوکان پر مسلسل ان کی بیٹھک رہتی۔ جس سے مدیر پیام یار اور اکبر سے اچھے تعلقات ہو گئے تھے۔ حکیم عبدالوالی کا بیان بالکل صحیح ہے کہ

''چوک میں سید حسین خان کے چھاٹک کے پاس عطر اور تیل کی دوکان تھی جو کسی زمانے میں شام کو مشہور مصنفین و شعرا کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ سرشار (افسانہ آزاد)، سجاد حسین شرر (مولانا عبدالحلیم ریاض، مرزا بیگ ستم ظریف، اکبر الہ آبادی، شبلی سب اس دوکان پر دل بہلانے بیٹھ چکے ہیں'' ۱۷؎

پیام یار کے لکھنے والوں میں اکبر الہ آبادی کو کافی شہرت ملی۔ ان کا کلام یار کے متعدد پرچوں میں شائع ہوتا تھا غزلوں کے علاوہ ہمیں ان کا کلام جو مل سکا ہے اس کی اشاعت کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

۱۔ قطعہ	نومبر ۱۹۰۶ء
۲۔ کلام اکبر	دسمبر ۱۹۰۸ء
۳۔ کلام اکبر	جنوری ۱۹۰۹ء

اکبر نے تہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے بہت سے اشعار

www.urduchannel.in

قلم بند کیئے۔ جب ان کی نظمیں اور قطعات پیام یار میں شائع ہوتے تو اکبر کی شوخی و ظرافت کا عوام کے درمیان خوب چرچا رہتا تھا۔ جب تک پیام یار نکلتا رہا اس وقت اسے اکبرالہ آبادی کا قلمی تعاون حاصل رہا۔

اکبرالہ آبادی کا پورا نام سید اکبر حسین تھا۔ اور اکبر تخلص کرتے تھے یہ ۱۸۴۶ء میں بمقام بارہ الہ آباد (یوپی) میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام مولانا سید تفضّل حسین تھا، جو نائب تحصیلدار تھے۔ اکبر کی ابتدائی فارسی اور عربی تعلیم گھر پر ہوئی تھی اس کے بعد پھر مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ ریاض سے ان کو بہت دلچسپی تھی چنانچہ بہت کم عمری میں ریاض میں اچھی خاصی مہارت پیدا کرلی۔ اس کے علاوہ فارسی اور عربی کی استعداد بھی اچھی تھی۔ انگریزی انھوں نے خود سیکھی۔ اکبر ۱۸۶۹ء میں نائب تحصیلدار مقرر ہوئے۔ پھر وکالت کا امتحان پاس کر کے ۲۶ر نومبر ۱۸۸۰ء کو مصنف ہوگئے۔ اس کے بعد ۱۸۸۸ء میں صدرالصدور ہوئے اور ۱۸۹۳ء میں خفیفہ کے جج مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے ۱۸۹۴ء میں سیشن جج کے عہدے پر فائز ہوئے۔ انھیں مئی ۱۸۹۸ء کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ اور ۱۹۰۳ء میں انھوں نے پینشن لے لی، اور ۹ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو دارفانی سے کوچ کر گئے۔

اکبر کو بچپن سے ہی شعر وشاعری کا ذوق تھا۔ وہ سن شعور سے آتش کے شاگرد غلام حسنین وحید الہ آبادی کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور انھیں سے اصلاح سخن لینے لگے۔ غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے اکبر بہت جلد مشاعروں میں شریک لگے تھے۔ ان مشاعروں میں خوب دادسخن دیتے تھے اس طرح ان کی شاعری روز بروز ترقی کرنے لگی تھی۔ اکبر کی شاعری کے موضوعات مغربی تہذیب کے نقائص اور ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی مذہب سے بیگانگی، آزادی نسواں سرسید کی تحریک وغیرہ ہیں۔ ان

www.urduchannel.in

موضوعات کو انھوں نے مضحک انداز میں اپنے کلام میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان کی شاعری کا مقصد محض خوش طبعی نہیں ہے۔ بظاہر وہ ہنستے ہیں مگر وہ قوم کی حالت زار پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے شاعری میں اپنے عہد کی اہم سیاسی تحریکوں پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اور طنز و مزاح کے پیرائے میں انگریزوں کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ ان کی شاعری میں کہیں کہیں تصوف اور روحانیت بھی جلوہ گر ہے۔

اکبر کے مخاطب عوام اور خواص دونوں تھے، لہذا وہ اسی طرح کی زبان بھی استعمال کرتے تھے کہ عوام بھی اس کو سمجھ سکیں اور خواص بھی لطف اندوز ہوں۔ انھوں نے کسی بھی قسم کے خیالات ادا کرنے کے لئے سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی ہے۔ اس میں روزمرہ اور محاوروں سے لطف بھی پیدا کیا ہے۔ اکبر نے اپنے کلام میں ادو فارسی کے علاوہ بھاشا، انگریزی اور کہیں عربی الفاظ کو بخوبی جذب کیا ہے۔ ان کا کمال یہ بھی ہے کہ اگر وہ بھدے الفاظ اور سوقیانہ محاوروں کو اپنے کلام میں استعمال کرتے ہیں تو وہ ناگوار اور نامناسب معلوم نہیں ہوتے ہیں۔ سلاست و روانی بے تکلفی اور عمدہ تشبیہیں اکبر کے کلام کی خصوصیات ہیں۔

اکبر الہ آبادی کی تصانیف جو خاصی مشہور ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ کلیات اکبر (حصہ اول، دوم، سوم اور چہارم)

۲۔ گنج پنہاں۔

۳۔ گاندھی نامہ

اکبر الہ آبادی عدلیہ کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہونے کے باوجود انھوں نے اپنا تعلق شعر و ادب سے ہمیشہ قائم رکھا۔ اور اپنے کلام سے پیام یار کو برابر عزت بخشتے رہے۔

www.urduchannel.in

مذکورہ بالا شرکاء کے علاوہ پیام یار کو جن شاعروں اور ادیبوں کا قلمی تعاون ہمیشہ سے حاصل تھا اور جن کی تخلیقات وغیرہ گلدستہ میں بار بار شائع ہوتی تھیں ان کی تفصیلات یہاں پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ذیل میں ان شعرا اور ادبا کی فہرست دی جا رہی ہے جن کی تخلیقات کم سے کم پندرہ بار میں شائع ہوئی ہیں۔ (شعری تخلیقات میں صرف وہی کلام شمار کئے گئے ہیں جو پوری ایک غزل کی بنیادی شرط پورا کرتے ہیں۔ یعنی کم از کم پانچ شعر ہوں۔ جن شعرا کے ایک دو تین یا چار اشعار درج انھیں شمار نہیں کیا گیا ہے)۔

	شاعر/ادیب کا نام	تعداد اشاعت
۱	سید ذاکر حسین یاس لکھنوی	۴۶ غزلیں
۲	حکیم سید محمد مہدی کما	۴۳ غزلیں
۳	مولوی عبد الاحد شمشاد لکھنوی	۳۳ غزلیں
۴	حکیم محمد عابد علی کوثر	۲۸ غزلیں
۵	محمد یحییٰ علی عامی	۲۶ غزلیں
۶	رحمت اللہ رحمت	۲۳ غزلیں
۷	بال کرشن قمر	۲۲ غزلیں
۸	تجمل حسین تجمل	۲۰ غزلیں
۹	سید ابوالحسن ناطق	۱۷ غزلیں
۱۰	احسان علی خان احسان	۱۷ غزلیں
۱۱	نثار حسین نثار (مدیر پیام یار)	۱۷ غزلیں

www.urduchannel.in

اب ایسے شعرا اور ادبا کے ناموں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے جن کی تخلیقات کم سے کم دس بار پیام یار میں شائع ہوئی تھیں۔ ایسے شرکاء کی تعداد ۲۶ ہے جو حسب ذیل ہے*۔

۱۔ مولوی امیر اللہ تسلیم، ۲۔ مولوی ممتاز علی ممتاز، ۳۔ محمد کریم بخش کریم، ۴۔ سید مہدی مہدی، ۵۔ عبدالواحد واحد، ۶۔ سید امداد علی امداد، رشید احمد رشید، ۸۔ سید آصف علی آصف، ۹۔ عابد حسین عابد، ۱۰۔ موسیٰ بھائی مال، ۱۱۔ عبدالجلیل شیفتہ، ۱۲۔ حاجی مرتضیٰ وسیع، ۱۳۔ محمد عظیم الدین عظیم، ۱۴۔ تفضّل حسین بیخود، ۱۵۔ شمشیر بہادر اخگر، ۱۶۔ فضل حسین خان منصر، ۱۷۔ محمد عبدالرحمٰن خان منیر، ۱۸۔ سید انور حسین آرزو، ۱۹۔ ارادت حسین اظہر، ۲۰۔ سید رشید الزمان امید، ۲۱۔ محمد اسحٰق مائل، ۲۲۔ بابو گووند تسلیم، ۲۳۔ سید امداد حسین فصاحت، ۲۴۔ وسیم خیرآبادی، ۲۵۔ منظر خیرآبادی، ۲۶۔ مولوی مختار مختار۔

------

www.urduchannel.in

*شعری تخلیقات میں صرف وہی کلام شمار کئے گئے ہیں جو پوری ایک غزل کی بنیادی شرط پوری کرتے ہیں یعنی کم از کم ایک مکمل غزل کے لئے پانچ شعر ہونا چاہئیں۔ جن شعرا کے ایک دو تین یا چار اشعار درج تھے ان کے نام اس میں شمار نہیں کئے گئے ہیں۔

ماخذ

۱۔رند پارسا۔رئیس احمد جعفری۔ص ۹۷۔انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، ۱۹۴۵ء

۲۔ایضاص ۲۹

۳۔ایضاص ۹۷، ۹۸

۴۔ایضاص ۴۰۹۴

۵۔ایضاص ۲۹

۶۔مکاتیب امیر مینائی۔مرتب احسن اللہ خان ثاقب۔ص ۱۱۳۔مطبع ادبیہ لاٹوش روڈ لکھنو۔

۷۔ایضاص ۱۲۹

۸۔ایضاص ۱۴۰

۹۔رند پارسا۔رئیس احمد جعفری۔ص ۹۸۔انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء

۱۰۔ریاض رضوان۔ریاض خیر آبادی۔مرتب دیباچہ ص ۵۳۔

۱۱۔رند پارسا۔رئیس احمد جعفری۔ص ۸۹۔انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء

۱۲۔تاریخ ادب اردو۔رام بابو سکسینہ۔ص ۴۴۸۔اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۱۹۶۶ء

۱۳۔رند پارسا۔رئیس احمد جعفری۔ص ۹۲۔انجمن ترقی اردو ہند۔دہلی ۱۹۴۵ء

۱۴۔ایضاص ۴۰

www.urduchannel.in

۱۵۔ایضاً ص ۳۹، ۴۰

۱۶۔موج کوثر۔شیخ محمد اکرام۔ص ۲۱۳۔مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور۔ ۱۹۸۴ء

۱۷۔رند پارسا۔رئیس احمد جعفری۔ص ۹۷، ۹۸۔انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۵ء

-----

www.urduchannel.in

بابِ سُوم

پیام یار کے شعری مشمولات

۱۔ غزلیات

۲۔ منظومات

۳۔ قطعات

www.urduchannel.in

غزلیات

جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذکورہ ہوا، پیام یار شعروشاعری کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا۔ جس میں عام طور سے طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ شعرا کی ایک کمیٹی ہوتی تھی جو پیام یار کے لئے مصرع طرح مقرر کرتی تھی۔ مقررہ مصرع پر تمام شعرا غزل کہہ کر گلدستہ پیام یار میں بغرض اشاعت بھیجتے تھے۔ لیکن پیام یار میں منتخب غزلیں ہی شائع ہوتی تھیں۔ غزلوں کے انتخاب کے لئے بھی شعرا کی ایک کمیٹی مقرر تھی اور گلدستہ پیام یار میں صرف وہی غزلیں قابل اشاعت ہوتی تھیں جو کمیٹی منتخب کرتی تھی۔ غزلوں کا انتخاب اس سختی سے کیا جاتا تھا کہ بعض دفع استاد شعرا کی غزل کا صرف ایک ہی شعر قابل اشاعت طے پاتا تھا۔ اس طرح اس میں شائع ہونے والی غزلوں کا معیار ہم عصر تصورِ شعر کے مطابق خاصا بلند تھا۔

پیام یار کا بیشتر کلام طرحی غزلوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس گلدستہ کے جو نسخے ہمیں دستیاب ہوئے ہیں ان میں کل دو ہزار آٹھ سو ستاسی طرحی غزلیں شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ غیر طرحی غزلیں بھی پیام یار میں شائع ہوتی تھیں۔ جن کی تعداد بیاسی ہے۔ جن شعرا کا کلام پیام یار میں شائع ہوتا تھا ان کی ایک فہرست گذشتہ باب میں دی جا چکی ہے۔ ان میں داغ امیر مینائی، جلال لکھنوی، ریاض خیرآبادی، اکبرالہ آبادی، جلیل مانک پوری، مصطر خیرآبادی، عشرت لکھنوی، اور تسلیم لکھنوی کا نام کافی نمایاں ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ماسوائے داغ پیام یار میں چھپنے والے تمام شعرا کا تعلق دبستان لکھنو سے رہا۔ جہاں کی شاعری کی سب سے بڑی

www.urduchannel.in

خصوصیت یہ تھی کہ شعرا، کلام میں معنی سے زیادہ الفاظ کے درد بست پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ پیام یار کی تمام غزلیں لکھنئو شاعری کی خوبیوں سے معمور نظر آتی ہیں۔

جس وقت پیام یار نکل رہا تھا اس وقت غزل گوئی کی امانت امیر اور داغ کے ہاتھوں میں تھی۔ داغ کی عشقیہ اور امیر کی پر تکلف شاعری کا تعلق جذبات کی اصلیت سے زیادہ زبان و محاورات سلاست اور عام فہمی سے تھا۔ یہ رنگِ شاعری مخصوص تہذیبی صورتحال کے سبب عوام میں بہت مقبول ہوا۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلی جنگ عظیم کے کئی سال بعد تک نہ صرف مشاعروں بلکہ منتخب صحبتوں میں جس قسم کی غزل پر سر درہنا چار رہا تھا وہ وہی تھی جو مدرسہ داغ و امیر سے سند لے کر نکلی تھی۔

اس ادنیٰ درجے کے سطحی عیش کوئی اور ابتز ال کی لے اس قدر تیزی سے بڑھی کہ امیر و داغ اور ان کے شاگرد ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چھا گئے تھے۔ اس وقت لوگ جس قسم کی غزل سنتے اور سنانے کے خوگر تھے اس کا تعلق ایک عیار اور دغا باز معشوق کے عامیانہ اور بازاری حرکت وسکنات سے تھا۔ پھر اس میں عاشق کی ہوس کارانہ دل باختگیوں کا بے حجابی کے ساتھ بیان بھی ہوتا تھا۔

منھ چھپانے کو وہ تھے چوم لیا منھ ہم نے
اب نقاب آتی ہے رخ پر کہ عناب آتا ہے
بوسے گل کر نہیں لیتے کبھی معشوقوں کے
ہمیں گنتی نہیں آتی نہ حساب آتا ہے

(ریاض خیر آبادی)

www.urduchannel.in

آغاز جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے
اٹھتی ہوئی کوپل کا مزہ اور ہی کچھ ہے
اے چرخ حسینوں کی جفا اور ہی کچھ ہے
معشوق کی چھیڑوں میں مزہ اور ہی کچھ ہے
چہرے کو چھپائیں وہ بدن کو بھی چرائیں
آنکھیں کہتی ہیں حیا اور ہی کچھ ہے

(امیر مینائی)

تم ہی بتلاؤ اس اٹھتے ہوئے جوبن پہ کبھی
لے کے انگڑائی رقیبوں میں حیا بھی آئی
تم نے نہ آئے مرے بالیں یہ زمانہ آیا
تھا وہ عالم کہ ترس کھا کے قضا بھی آئی
نزع میں گیسوؤں کی یاد بھی آئی تسلیم
موت کے ساتھ مرے سر پہ بلا بھی آئی

(تسلیم لکھنوی)

گلے سے ہم تو انھیں ہر ادا پہ لپٹا لیں
جگر پہ ہاتھ دھرے ہیں اٹھا نہیں سکتے
ہمارا کینہ بھلا ان کے دل میں کیا چھپتا
رقیب کی تو محبت چھپا نہیں سکتے

www.urduchannel.in

ہم آس بن گئے اپنی کہ جا نہیں سکتے
وہ ہوش ٹھہرے ہمارے کہ آ نہیں سکتے

(جلال لکھنوی)

دولت دیدار لوٹوں یہ مقدر میں نہ تھا
وہ جب آئے اپنے وعدے پر تو میں گھر میں نہ تھا

دل چرا لینا مگر جانا بگڑنا روٹھنا
قصف یہ تو اب سے پہلے بندہ پرور میں نہ تھا

دل کو کیوں عشرت نے زلف یار میں الجھا دیا
پہلے سودا تو اس کمبخت کے سر میں نہ تھا

(خواجہ عشرت لکھنوی)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں پیام یار میں غزلیں طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ شعرا کی ایک با قاعدہ کمیٹی ہوتی تھی، جو مصرع وضع کرتی تھی۔ اور تمام شعرا اس مصرع طبع آزمائی کرتے اور پوری پوری غزلیں کہتے تھے۔ پیام یار کے تمام پرچوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو مصرع دئے جاتے وہ اکثر چھوٹی بحروں میں اور آسان زمینوں میں ہوتے تھے اور اس میں قوافی اور ردیف ایسے ہوتے کہ قافیہ کے زیادہ سے زیادہ ہم قافیہ الفاظ تلاش کرنے میں دشواری نہ پیش ہو۔ ساتھ ہی قوافی کا ردیف سے اتصال بھی آسان ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی مصرع کی ردیفیں خاصی لمبی تھیں۔ ایک بار طرح ہوا ع کسی کا مدعا کیا جانے کیا ہے اس میں ''کیا جانے کیا ہے'' ردیف طے ہوئی۔ اس ردیف میں جلال لکھنوی کی ایک غزل شائع ہوئی جس کے دو شعر یہ ہیں۔

www.urduchannel.in

مرض ہے یا قضا کیا جانے کیا ہے   یہ درد لا دوا کیا جانے کیا ہے

نہ پوچھو مدعی کس امر کے ہیں   ہمارا مدعا کیا جانے کیا ہے

اس ردیف میں اکبرالہ آبادی کا مقطعہ ہے۔

کوئی اکبر سا ناداں ہے نہ ذی ہوش   ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

اس طرح ایک بار اور مصرع طرح تھا ع اٹھتی ہوئی کویل کا مزا اور ہی کچھ ہے۔اس میں ردیف ''اور ہی کچھ ہے'' مقرر ہوئی۔اس ردیف میں امیر مینائی کی ایک غزل شائع ہوئی جس کے دوشعر یہ ہیں۔

آغاز جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے
اٹھتی ہوئی کویل کا مزا اور ہی کچھ ہے
کیا جانے کسے دیکھ رہا ہوں جنون میں
آنکھوں میں ہے کچھ دل میں بسا اور ہی کچھ ہے

اسی ردیف میں تسلیم لکھنوی کی بھی ایک غزل چھپی جس کے دوشعر ملاحظہ ہوں۔

میں کیا کہوں کیوں کوستے ہیں ناز سے مجھ کو
جس کی یہ سزا ہے وہ خطا اور ہی کچھ ہے
اے چارہ گرو درد نہ ہو مفت میں بدنام
بیمار محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے

ایڈیٹر پیام یار منشی نثار کی بھی اسی ردیف میں ایک غزل شائع ہوئی جس کے دوشعر یہ ہیں۔

www.urduchannel.in

دیکھا ہے اسے آنکھ سے سو بار لگا کر　　　معشوق کا نقش کف پا اور ہی کچھ ہے

تو بادہ پیے ایک ہے عالم　　　کافر تری مستانہ ادا اور ہی کچھ ہے

پیام یار میں چند اشعار اور دیکھے جا سکتے ہیں جن کی ردیفیں لمبی ہیں۔ مثال کے طور پر ریاض خیر آبادی کی غزل کا دو شعر ملاحظہ ہو، جن کی ردیف ہے ''تو کچھ نہ تھا''۔

مانگے دیا تھا آپ کو بیجا تو کچھ نہ تھا

دل تھا مرا وہ مفت کا سودا تو کچھ نہ تھا

اس کی گلی کو چھوڑ کے جاتا جو سوئے دشت

دیوانہ میں نہ تھا مجھے سودا تو کچھ نہ تھا

یہ محض چند مثالیں ہیں قرنی پیام یار کی تمام ''طرحوں'' میں اس قسم کی مثالیں کثرت سے مل سکتی ہیں۔ جن کی ردیفیں خاصی لمبی ہوتی ہیں۔

پیام یار کی غزلوں کے موضوعات نئے اور ذاتی تجبات پر مبنی نہیں ہیں بلکہ پرانے ہیں جو اگلے شعرا کہہ چکے ہیں وہی باتیں دہرائی گئی ہیں۔ موضوعات کے قعتبار سے پیام یار کی غزلیں نہایت پست اور صوفیانہ ہیں۔ سطحی جذبات محبوب کے خدوخال، زلف کمر، چشم و ابرو وغیرہ کا بیان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وصل کا لطف، ہجر کا رونا، شراب، ساقی، بہار، خزاں اور فلک کی شکایت وغیرہ خاص خاص موضوعات ہیں۔ جن کا اول تو شعرا کے ذاتی تجیے سے کوئی تعلق نہیں، ریاض اور امیر مینائی، اپنی ذاتی زندگی میں انتہائی پاک سیرت اور نیک دل لوگ تھے۔ دوئش ان روایتی تصورات کو جن استادوں کی مدد سے نظم کیا گیا ہے وہ اکہرے اور معنی کی تقریباً نثری و منطقی ترتیب کے قریب ہیں۔

البتہ اشعار کی فنی خوبی یہ ہے کہ ان کی بندش نہایت چست اور دلکش ہیں۔ کلام

www.urduchannel.in

پیام یار کو اس کے عہد کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔ اس دور میں جس قسم کی اردو شاعری ہوئی اس میں تحلیل جذبات سے زیادہ زور زور حسنِ الفاظ پر دیا گیا اور عشقیہ مضامین کثرت سے نظم کئے گئے۔ مگر ان میں عام طور پر اشارات و کنایات کا فقدان ہے اور کلام میں کسی قسم کا فکری عمق بھی نہیں ہے۔ یہ غزلیں اپنے زمانے کی روایت اور تصور کی پابند ہیں۔ لیکن ان میں زبان ابیان کا اور عروض وقواعد کی جملہ خوبیاں موجود ہیں۔ مگر وہ کسی خاص بصیرت اور حقیقت خالی ہیں پھر بھی پیام یار کی شاعری اپنے زمانے کے مزاج اور تقاضوں کی آئینہ دار ہے۔

گلدستہ پیام یار کی غزلوں کا طرہ امتیاز زبان کی سلاست اور روانی ہے۔ ان غزلوں میں سقیل الفاظ مشکل سے نظر آئیں گے۔ زبان کے اعتبار سے یہ غزلیں زبان ناسخ کے بہت نزدیک ہیں۔ زبان میں ایسی روانی اور بے تکلفی ہوتی ہے کہ پیام یار کی پوری غزلیں پڑھنے سے بھی ذہن بار نہیں گذرتا ہے اس گلدستہ تمام غزلوں میں سہل ممتنع کی خوبیاں موجود ہیں۔ اس قسم کے چنداشعار ملاحظہ ہوں۔

نکلے گا روز حشر کو کاغذ حساب کا　　یارانہ ہوگا ہم کو سوال و جواب کا

کچھ کچھ ہے یاد ہم کو زمانہ شباب کا　　اتنا خیال ہے کہ وہ عالم تھا خواب کا

کھٹکا لگا ہوا ہے جو روز حساب کا　　ہاتھوں سے چھوٹ پڑتا ہے ساغر شراب کا

جیسا کہ ہم جانتے ہیں پیام یار کی غزلیں زبان و بیان کے اعتبار سے سادہ اور بے تکلف ہوتی تھیں لہذا شعرائے پیام یار اپنے کلام میں صنائع و بدائع اور مشکل تراکیب استعمال کرنے اور استعارہ سے احتراز کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ روانی و بے تکلفی کے علاوہ بے ساختگی پیام یار کی غزلوں کی اہم خصوصیات ہیں۔ ان سب کے علاوہ غزلوں کا طرہ امتیاز زبان و بیان کی چستی و رسلاست روانی ہے۔ جو کلام پیام یار کے

www.urduchannel.in

اسلوب کا خاص دلکش و دلاویز پہلو ہے۔

پیام یار کی غزلیں سہل ممتنع کی خوبیوں سے معمور ہوتی تھیں لہذا اشعرا اس میں مانوس اور مشکل تشبیہات و استعارات استعمال کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ فنِ شعر تشبیہہ و استعارا جہاں شعر کے حسن میں اضافی کرتے ہیں وہاں کبھی کبھی فنکار کے عجز کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ تشبیہہ و استعارہ زندگی کے ٹھوس اور خام تجربات کو جمالیات کے پیرائے میں ڈھالنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ لیکن جب شاعر کے یہاں یہی چیز اصل مقصد ہو جائے تو پھر شاعر کے اشعار کی تاثیر بھیکی پڑ جاتی ہے اور شعر محض صناعی کا نمونہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ پیام یار کے شرکاء نے اپنی غزلوں میں جہاں بھی اس وسیلے کا استعمال کیا ہے وہاں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ شعر صرف بازی گری کا نمونہ ہو کر نہ رہ جائے۔ چنانچہ شعرائے پیام یار نے تشبیہیں کم استعمال کی ہیں اور جو تشبیہیں استعمال ہوئی ہیں وہ آسان اور سادہ ہیں۔ تشبیہیں کے چند ملاحظہ ہوں۔

تم رشک گل ہو رنگ تمہارے شباب کا　　　گویا کھلا ہوا ہے چمن اک گلاب کا

بزم میں ہوگا جو تو گرم سخن　　　شمع کی آتش بازی جائے گی

دیکھتے ہم بھی قیامت کا تماشا اک دن　　　تیری رفتار سے عالم تہہ و بالا ہوتا

ہائے سبزے میں سیاہ بوتل　　　کبھی ایسی گھٹا اٹھی ہی نہیں

-----

www.urduchannel.in

یہ کون آ گیا عرصہ حشر میں قیامت بپا ہوگئی

اوپر جو اشعار نقل کئے گئے ہیں ان میں جو تشبیہیں استعمال ہوئی ہیں وہ عام مشاہدات سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی طرح شعرا اپنے اپنے کلام میں استعارہ بھی بہت کم استعمال کرتے تھے اور جو استعمال ہوتے تھے وہ گرانبار نہیں بلکہ آسان اور مانوس ہوتے تھے۔ مثلاً

آیا وہ ماہ لاؤ پیالہ شراب کا مہتاب کے ہو ساتھ طلاع آفتاب کا

شعرائے پیام یار کے یہاں موضوعات روایتی اور مقرر ہیں پیام یار کی غزلوں کا موضوع عشق و عاشقی ہے۔ جو اردو غزل کا سب سے پرانا اور مقبول موضوع ہے۔اسی کے گرد پیام یار کی غزلیں رقص کرتی ہیں جس محبوب کے خدوخال کے بیان کے علاوہ شراب اور ساقی وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔ پیام یار کے شاعروں کا کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ اپنے شعر پر فنی اعتبار سے کتنا داد حاصل کر سکتے ہیں۔اس میں شعر کے اعلیٰ ہونے کا تعین موضوع کے جدید ہونے یا فطری بلندی سے نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ زبان و بیان کا استعمال کس طور پر ہوا ہے اور پیکر تراشی کس حسن و خوبی سے کی گئی ہے گویا ان شاعروں کا سارا زور شعر کے فن پر ہوتا تھا۔

یہ شاعری اب ہمیں اس قدر متاثر نہیں کرتی جس طرح ایک زمانے میں لوگوں پر اثر انداز ہوتی تھی۔ رہی تصور شعر تو یہ عین مطابق ہے اور ہمیں اس کی قدر و قیمت متعین کرتے وقت تصورِ شعر کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

منظومات

جدید اردو نظم کا باقاعدہ آغاز انجمن پنجاب کے مشاعرہ سے ہوا تھا۔ اس انجمن کی داغ بیل مولانا محمد حسین آزاد نے کرنل ہالرائڈ کی ایما پر سرزمینِ پنجاب میں ۱۸۷۴ء میں ڈالی تھی۔ اس مشن میں حالی بھی پیش پیش رہے۔ انجمن کے ذریعے ایک ماہانہ نئے طرز کا مشاعرہ ہوتا تھا۔ اس مشاعرہ میں بجائے مصرع طرح دینے کے نظموں کے عنوان دئے جاتے تھے۔ اور انھیں عنوانات پر شعرا نظمیں کہہ کر مشاعرے میں پڑھتے۔

جلسۂ پنجاب میں شاعری کا جو تصور پیش کیا گیا تھا، اس میں پرانے روایتی اور پیش یا افتادہ مضامین کے بجائے نئے مضامین کو ربط و تسلسل کے ساتھ پیش کیا جات تھا۔ اس جلسے میں آزاد، حالی اور دوسرے نظم نگاروں نے جو نظمیں پڑھیں وہ موضوع کے اعتبار سے جدت اور تازگی رکھتی تھیں۔ ان نظموں کی اپنی خصوصیت بھی ہوتی تھی اور وہ یہ ہے کہ ان نظموں میں روایتی موضوعات، روایتی انداز میں نہیں پیش کئے جاتے تھے۔ بلکہ ان میں کسی ایک مستقل موضوع کو نئے اندز میں پیش کیا جاتا تھا۔ اور ان میں ربط وارتقا بھی ہوتا تھا۔ موضوعاتی نظمیں لکھنے کا یہ نیا تجربہ سب سے پہلے اس جلسہ کے ذریعے آزاد اور حالی نے کیا۔ اور اسے پروان چڑھایا۔

کرنل ہالرائڈ کی ایما پر جس نظم کی بنیاد آزاد اور حالی نے ڈالی تھی، وہ انیسویں صدی کے اواخر میں شاعری کی ایک اہم صنف بن گئی اور بیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوتے یہ نیچرل نظم عوام کے درمیان مقبول ہو چکی تھی۔ اس طرح اس زمانے میں نیچرل

www.urduchannel.in

نظمیں لکھنے کا رواج عام ہوا۔ اور بیشتر شعرا نیچرل نظم لکھنے میں مصروف نظر آنے لگے۔ گویا ہر چہار جانب اردو شاعری میں انقلاب عظیم آ گیا اور ہر کس نا کس نظمیں لکھتا اور اسے رسائل و جرائد میں چھپواتا۔

پیام یار اگر چہ قدیم شاعری کا دلدادہ اور علمبردار تھا لیکن اس انقلاب سے وہ بھی اپنا دامن نہ بچا سکا اور منشی نثار اس میں نیچرل نظمیں شائع کرنے لگے۔ اس کے لئے وہ با قاعدہ نظموں کے عنوان تجویز کرتے اور حاصل شدہ نظموں کو پیام یار میں بڑے اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ اس طرح اردو نظم نگاری کے فروغ میں پیام یار نے بھی اہم رول ادا کیا۔ پیام یار میں نیچرل نظمیں سب سے پہلے ستمبر ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئیں۔ اس کے بعد گلدستہ جب تک نکلتا رہا اس وقت تک نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ مدیر پیام یار نے نیچرل نظموں سے اپنے ناظرین کو مندرجہ ذیل الفاظ متعارف کرایا ہے۔

> ''اس (نیچرل) قسم کی نظموں کی اب ضرورت ہے۔ خصوصی جب کہ انگریزی مذاق والے الزام دے رہے ہیں کہ اردو شاعری صرف اس کا نام ہے کہ بحر اور ردیف قافیہ بتا دیا گیا تا کہ لوگ تک سے ملا لائیں معانی اور کسی خیال و کیفیت پر طبع آزمائی کرنا شعرائے اردو کا کام نہیں۔ یہ اعتراض صحیح ہو یا غلط لیکن اس میں شک نہیں کہ فی الحال ضرورت ہے کہ شعرا عمدہ اور اچھوتے سبجیکٹوں پر طبع آزمائی کرنے کی عادت ڈالیں لہذا ہم...... چند نئے سبجیکٹ بھی پیش کئے دیتے ہیں کہ سخن سنج شعرا توجہ فرما کے ان پر اپنے نیچرل خیالات کو

www.urduchannel.in

موزوں کر کے مرحمت فرمائیں۔ وہ سبجیکٹ ہیں۔شمع
محفل،شہرخموشاں، چراغ دیر،شمع حرم ہمیں امید ہے کہ
ہمارے احباب ان سبجیکٹوں پرضرورطبع آزمائی کریں
گے''۔

(پیام یار،ستمبر ۱۹۰۶ءص ۱)

پیام یار میں دستیاب نظموں کی کل تعداد ۲۹ ہے جو پیام یار کے متعدد پرچوں میں شائع ہوئی ہیں۔ یہ سب نیچرل نظمیں ہیں۔ نیچرل نظم سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ فطری جذبات کے تحت فطری انداز میں لکھا جائے پیام یار میں سب سے زیادہ تعداد میں خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کی نظمیں شائع ہوئی ہیں۔خواجہ صاحب کی سات نیچرل نظمیں پیام یار کی زینت ہیں۔اس کے بعد سب سے بڑی تعداد سید ابوالحسن ناطق کی نظموں کی ہے ان کی کل چھ نظمیں پیام یار میں شائع ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ محمد افتخار علی جگر لکھنوی اور جگر صدیقی کی دو دو نظمیں پیام یار کے ذریعے مشتہر ہوئیں۔ بقیہ بارہ شاعروں کی ایک ایک نظم شامل گلدستہ ہے۔ پیام یار کی سب ہی نظمیں کافی دلچسپ اور اہمیت کی حامل ہیں۔ یہ تمام نظمیں مجموعی اعتبار سے سادہ، صاف اورشستہ ہیں۔روانی بیان ان کا سب سے بڑا وصف ہے۔خیال میں ربط اورارتقا تقریباً ہرنظم میں موجود ہے۔ یہ نظمیں صاف طور پر آزاد اور حالی سے متاثر ہوکر لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جو بالکل فطری موضوعات کو فطری انداز میں پیش کرتی ہیں۔

جیسا پچھلے صفحات میں ذکر ہوا ہے کہ پیام یار میں سب سے زیادہ خواجہ عشرت لکھنوی کی نظمیں شائع ہوتی تھیں۔ان کی شائع شدہ نظموں کے عنوان حسبِ ذیل ہیں۔
۱۔ چاند اوراس کی روشنی،۲۔شمع محفل،۳۔خیاباں آرزو،۴۔کرشمۂ انتظار، ۵۔ مایوسی،

www.urduchannel.in

۶۔انگریزی لباس ،۷۔تاریخی دلچسپیاں۔

مذکورہ سب ہی نظمیں اپنے اپنے موضوع کے اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہیں اور انداز بیان بھی دلاویز ہے۔لیکن ان میں ایک نظم شمع محفل اپنے موضوع اور طرزِ ادا کے اعتبار سے کافی دلچسپ اور دلکش ہے جو پیام یار نومبر ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی ہے۔ آنسو نکلنے سے دی ہے۔

شاعر اس نظم کی ابتدا میں جس محفل کا بیان کرتا ہے وہ شادی کی ایک تقریب ہے۔ جہاں نوشاہ کے سب دوست واحباب موجود ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں۔اسی محفل میں وہ شمع سے مخاطب ہوتا ہے اور سوال کرتا ہے۔

اشک کیوں آنکھ سے اے شمع ترے جاری ہے
بزم میں بیٹھی ہے پر بزم سے بیزاری ہے
روتی ہے زار و قطار آہ یہ غم کس کا ہے
محفل عیش و مسرت میں الم کس کا ہے

نظم کی زبان تکلف اور مبالغہ سے پاک ہے

اس میں زبان و بیان کی روانی

بھی ہ اور خیالات کا تسلسل بھی۔انداز بیان سادہ اور شستہ ہے۔زبان آسان سلیس اور بے تکلف ہے۔طرز ادا نہایت نیچرل ہے۔فضول مبالغہ اور دور از کار استعاروں سے زبان بوجھل نہیں ہے صنائع بدائع کا استعمال نہیں ہے۔دراصل بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب کسی بھی خیال کو آسانی اور روانی کے ساتھ نظم کرنے میں کافی قدرت رکھتے تھے اوران کی طبیعت میں کافی موزونیت بھی تھی۔

www.urduchannel.in

اردو شاعری کی تدریجی ترقی کے سلسلے میں خواجہ صاحب کی اہمیت مسلم ہے۔ مگر یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ وہ باوجود کوششِ بسیار کوئی انفرادی رنگ نہیں رکھتے تھے۔ اپنی قادرالکلامی اور مشاقی کے سبب انھوں نے ہر طرح کے موضوعات کو نظم کے پیرایہ ڈھالا ہے۔ خواجہ صاحب کی اس کے علاوہ اور جو نظمیں ہیں وہ مکمل اور مربوط نظم کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔ لیکن اس نظم پر آزاد اور حالی کی نظموں کا اثر نمایاں ہے۔

خواجہ صاحب کی نظم ''شمع محفل'' پڑھنے کے بعد ان کے فکر و تحصیل کی بلندی مشاہدے کی تازگی اور فنی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس نظم کا موضوع بہت اہم اور نیا نہیں ہے یا اپنے زمانے کی ایک روایتی نیچرل نظم ہے۔ اس کے باوجود خواجہ صاحب نے اپنے مشاہدہ اور فکر کی ہم آہنگی سے اسے موثر، دلچسپ اور دلکش بنا دیا ہے۔ اس نظم کو تخلیق کرنے میں خواجہ صاحب نے حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ نظم میں خیال اور جذبے کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ ارتقا اور تعمیر کا حسن برقرار رہے۔ قاری نظم کو بڑھ کر شمع کی عظمت اور افادیت کا قائل ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں پیام یار میں کثرت سے شائع ہونے والے نظم نگار سید ابوالحسن بھی تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل چھ نظمیں پیام یار کے متعدد پرچوں میں شائع ہوئی تھیں۔ ۱۔ شمع بزم، ۲۔ چراغ دیر، ۲۔ شہر خموشاں، ۴۔ بیوہ، ۵۔ بار امانت، ۶۔ پیارا نظارہ۔

ان نظموں کے خیالات میں شروع سے آخر تک ربط اور تسلسل ہے۔ انداز بیان بھی دلچسپ اور دلکش ہے زبان سادہ اور سہل ہے ان ہی نظموں میں ایک دلچسپ نظم ''بیوہ'' ہے۔

www.urduchannel.in

اس نظم میں ہندوستانی بیوہ کی جگر خراش تصویر پیش کی گئی ہے۔اس میں بیوہ خود اپنے شوہر کی جدائی میں اپنی پر درد داستان بیان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اب میری جینے کی کوئی خواہش نہیں ہے۔

جہاں چھوٹا ہے ٹوٹین جب مجھ سے چوڑیا میری
سراپا انتظار و شوق مرگ ناگہاں ہوں میں
بنی جان پر میری بس اے آرسی رخصت
مجھے کیا فائدہ اس سے اگر جان جہاں ہوں میں

یہ پوری نظم بیوہ کی زندگی کے درد و کرب اور محرومی کی مظہر ہے۔اس نظم میں سید ابوالحسن ناطق نے نوجوانوں بیوہ کی تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کو حقائق کی روشنی میں بیان کیا ہے اس نظم میں جذبات واحساسات کی جو تصویر پیش کی گئی ہے۔اس سے شاعر کے گہرے مشاہدے اور بیان پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نظم میں ناطق نے بیوہ کی پر درد داستاں بیان کی ہے جو ابھی نوجوان ہے۔ شوہر کے جدا ہونے سے پوری نظم میں بیوہ خود اپنی مایوسیوں، محرومیوں اور ناکامیوں کو بیان کرتی ہے۔اور جب ہر طرح سے مایوسیوں کی گھٹا میں گھر جاتی ہے اور پریشانیاں و ناکامیاں اس کو زندگی سے فراز سکھاتی ہیں تو وہ ''امید'' سے سفارش کرتی ہے کہ اے امید تیرے پاؤں پڑتی ہوں تو مجھے تمام مایوسیوں سے بچالے کیوں کہ ابھی میں نوجوان ہوں

نہ کر مایوس اے امید تیرے پاؤں پڑتی ہوں
ابھی اٹھتی جوانی ہے ستمگر نوجوان ہوں میں

نظم کے آخری حصے میں وہ اپنے آلام وآفات کی شکایت کسی سے نہیں کرنا چاہتی ہے، وہ

www.urduchannel.in

اتنا بے چین و بے قرار ہے کہ اپنے سے خود بے گمان ہے۔ چنانچہ وہ کہتی ہے کہ آج میرا رات کا غم اتنا بڑھ گیا ہے کہ دل قابو میں نہیں ہے اور اسی بے قراری کے عالم میں وہ خدا سے مخاطب ہوتی ہے۔ کہ اے باری تعالیٰ میں وہ کون سا راستہ اختیار کروں جس سے دل کو قرار مل جائے۔ اس نظم میں ایک ہندوستانی بیوہ کا کردار ابھرتا ہے جس کا دل اپنے شوہر کے لئے وفا و پیار کے جذبات سے دھڑک رہا ہے اور بیوہ شوہر کی جدائی میں اضطراب اور کرب کے لمحے گزار رہی ہے۔ ناطق نے شوہر کی جدائی میں بیوہ کے غم، درد، کرب اور خوف کے مختلف جذبات کی بخوبی عکاسی کی ہے نظم میں بیوہ کی مخفی جذبات کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔

شب غم بڑھ بی ہے دل نہیں آتا ہے قابو میں
الٰہی آج میں کیا چیز رکھ لوں اپنے پہلو میں

اس نظم کا موضوع نیا نہیں بلکہ روایتی ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں اصلاحی اور اخلاقی تحریکوں سے متاثر ہو کر حالی نے اس قسم کی نظمیں لکھنے کی بنیاد ڈالی تھی۔ انھوں نے 'مناجات بیوہ''، ''چپ کی داد'' اور اسی نوع کی دوسری نظمیں لکھی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ نظم کا موضوع ہے لیکن ناطق نے اپنے موثر انداز بیان سے اس کو کافی دلچسپ بنا دیا ہے اور دلاویز بھی۔

نیچرل شاعری میں شاعرانہ پیچیدگیاں نہیں ہوتی ہیں اور مبالغہ آرائی بھی نہیں۔ بلکہ نیچرل نظموں میں مبالغہ سے بچ کر صاف ستھری زبان میں بات صاف صاف کہی جاتی ہے۔ اس نظم کی زبان عام فہم اور سلیس ہے۔ انداز بیان بھی صاف اور شستہ ہے۔ تشبیہہ و استعارہ کا استعمال کم لیکن قرینے سے ہوا ہے۔ صنائع بدایع کا دور دور تک پتہ نہیں ہے۔ نظم قدیم اور نامانوس ترکیبوں سے بھی پاک ہے۔ پوری نظم دلچسپ پیرایے

www.urduchannel.in

میں ہے۔طرز بیان موضوع سے مکمل ہم آہنگ ہے۔نظم کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ شروع سے آخر تک دلچسپ ہے۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

قطعات

اردو شاعری کی ابتدا میں جو اصناف عام طور پر رائج تھیں ان میں ایک صنف قطعہ بھی ہے اس کے ذریعے شعرا اپنے خیالات و جذبات کا آج تک اظہار کرتے چلے آرہے ہیں۔ قطعہ میں ہر قسم کے مضامین نظم کئے جاتے ہیں۔

قطعہ، غزل کی ہئیت میں لکھے ہوئے ایسے اشعار کے مجموعے کو کہتے ہیں جس کے اشعار مربوط اور مسلسل ہوتے ہیں۔ غزل اور قصیدہ کی طرح قطعہ میں مطلع نہیں ہوتا ہے اور نہ اس میں اشعار کی تعداد کی کوئی پابندی ہی ہوتی ہے۔ البتہ کم سے کم دو شعر ہونا ضروری ہے۔ غزل مسلسل اور قطع میں یہ فرق ہوتا ہے کہ غزل مسلسل میں مطلع ہوتا ہے اور اس کا ہر شعر اپنا ایک معنی اور مطلب رکھتا ہے جب کہ قطعہ میں سب ہی شعر مل کر ایک معنی و مطلب پورا کرتے ہیں۔

پیام یار کی شعری مشمولات میں غزلوں اور نیچرل نظموں کے علاوہ قطعات بھی شائع ہوتے تھے۔ جو قطعات ہمیں دستیاب ہوئے ان کی تعداد چھ ہیں ان میں تین قطعات کے موضوع تاریخی ہیں اور ایک غیر تاریخی۔ بقیہ ایک قطعہ نئی تہذیب کی مخالفت میں ہے اور ایک قطعہ ونفسیاتی ہے۔ ان قطعات میں دو قطعے پیام یار کی تعریف و توصیف اور اس روز افزوں ترقی کے متعلق اکتوبر ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئے اور جن کو حکیم محمد رسول حاذق نے نظم کیا تھا۔ ان دونوں قطعات کا یہاں جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پیام یار کے متعلق جو پہلا قطع ہے اس میں حاذق یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ گلدستوں میں صرف پیام یار کو دائمی زندگی ملی ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے

www.urduchannel.in

گلدستہ کو نصیب نہیں پیام یار کے زمانہ میں سینکڑوں گلدستے نکلے مگر جو شہرت و عزت پیام یار کو ملی کسی دوسرے گلدستہ کو میسر نہیں۔ ادھر بھی چند سالوں سے دو چار گلدستے اور نکلے مگر ان کی حیثیت ایسی ہی تھی کہ ادھر نکلے ادھر بند ہو گئے۔ اس کے علی الرغم پیام یار ایک ایسا گلدستہ ہے جو جہاں میں خوب مقبول ہے چنانچہ پیام یار کی مقبولیت کو دیکھ کر ہر ایک یہ ہی کہتا ہے کہ پیام یار کی اس دنیا میں خوب قدر و منزلت ہوئی۔

یہی جہاں میں مقبول خاص و عام ہوا　　　پیام یار کو بے شک ہے بے زوال عروج
پیام یار کا عالم میں خوب نام ہوا　　　روش کو دیکھ کر اس کے ہر ایک کہتا ہے

پیام یار کے متعلق جو دوسرا قطعہ ہے اس کو بھی حکیم محمد رسول حاذق ہی نے قلم بند کیا ہے۔ اس میں پیام یار کی بے مثال ترقی کو حقائق کی روشنی اور دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شاعر گلدستہ پیام یار کی خوبیوں کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ یہ گلدستہ اپنے زمانے کا بے نظیر اور بے مثل گلدستہ ہے اس کے مقابلے میں سینکڑوں گلدستے مگر کوئی بھی پیام یار کے مقابلے میں نہ ٹھہر سکا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اس زمانہ کا کون ایسا بزلہ سنج شاعر و نثار ہے جو اس گلدستہ کا معاون مددگار نہ ہو اور جن کی تخلیقات پیام یار میں نہ شائع ہوئی ہوں اس کے بعد وہ ان تمام شاعروں اور ادیبوں کا نام بنام ذکر کرتے ہیں جو پیام یار کے معاون رہے اور قطعہ کے آخر میں حاذق خدا تعالیٰ سے پیام یار کی دائمی زندگی کے لئے دعا گو ہیں۔

رکھ پیام یار کو تو بے زوال　　　اے خدا تجھ سے یہی ہے التجا

جیسا کہ ہم جانتے ہیں حاذق نے پیام یار کے متعلق دو قطعہ لکھے تھے، جو کافی معلوماتی ہیں اور دلچسپی سے پر بھی۔ ان کے موضوع میں شروع سے آخر تک ربط اور تسلسل برقرار ہے۔ موضوع سے اسلوب کی ہم آہنگی بھی ہے۔ زبان سادہ سہل اور عام

www.urduchannel.in

فہم ہے۔طرز ادا صاف اور شستہ ہے۔قدیم تشبیہات و استعارات کا استعمال بہت ہی کم ہوا ہے۔صنائع بدائع کے استعمال سے دونوں قطعہ پاک ہیں۔ربط تسلسل اور دلچسپی ہی ان قطعات کی سب سے بڑی خوبی ہے۔جب کہ سلاست بیان ان کا وصف خاص ہے۔

پیام یار میں ایک اور دلچسپ قطعہ نومبر ۱۹۰۶ء میں اکبرالہ آبادی کا شائع تھا اکبر نے ایسے وقت میں نظم کیا تھا، جب ہمارے ملک میں برٹش حکومت مستحکم ہوچکی تھی۔ انگریزی خیالات، تعلیم اور انگریزی کلچر پوری شدت کے ساتھ ہندوستانیوں پر اثر انداز ہورہا تھا اور لوگ، اپنے قومی وملی تعدن، مذہب اور اخلاق سے بیگانہ ہوتے جارہے تھے۔حتیٰ کہ ہماری قوم کے نوجوان اپنے قومی کردار کو مسخ کررہے تھے۔اکبر بہت حساس دل شاعر تھے۔ وہ اس پامالی کو دیکھ کر بہت مضطرب تھے۔لہٰذا مغربی تہذیب وتعلم پر انھوں نے کئی نظمیں لکھیں اور قطعات بھی نظم کیئے۔

قطعہ کے ابتدائی حصہ میں اکبر ایک نوجوان جس کا نام انور تھا کا مضحکہ اڑایا ہے۔اس کو انھوں نے انگریزی لباس میں ملبوس ایک بزم میں دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں اگر ہماری تہذیبی، تمدنی اور اخلاقی قدریں ایسے ہی پامال ہوتی رہیں تو ایک دن ہماری یہ حالت ہوجائے گی کہ ہم اپنے مذہب سے بیگانہ ہی نہیں ہوجائیں گے بلکہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے بھی شرمائیں گے اور ہم مذہب اسلام سے کافی دور ہوجائیں گے۔جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری آسان زندگی دشوار ہوجائے گی۔اکبر یہ سمجھ رہے تھے کہ انگریزی کی اندھی تقلید سے نہ ہم مکمل مغربی بن پائیں گے اور نہ مشرقی ہی رہ پائیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کے رہیں گے اور نہ گھاٹ کے اسی کو انھوں نے اس طرح نظم کیا ہے۔

آخر کو رہوگے نہ ادھر کے نہ ادھر کے

www.urduchannel.in

انگریز بھی کھینچتے رہیں گے قوم بھی بیزار

اس کے بعد قطعہ کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جس میں انور جواب دیتا ہے۔ کہ جناب کا انداز گفتار دراصل مدح کے قابل ہے لیکن انھوں نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کو ہم صحیح اور درست نہیں سمجھتے کیوں کہ ظاہری زیبائش سے صحت اخلاق کا کوئی حقیقی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ جو جس کی فطرت ہے وہ ویسا ہی رہے گا اور قطعہ کے ابتدائی حصے میں جو بیان کیا گیا ہے اس سے بھی ہم اتفاق نہیں کرتے۔ کیوں کہ انسان کا اصل جو ہر درستی اخلاق اور پاکیزگی دل ہے لہذا الباس سے کسی کی سیرت پر کوئی پڑتا ہے انور اپنی بات کی مظبوطی کے لئے شیخ سعدی کا ایک قول نقل کرتا ہے اور اسی قول پر قطعہ کا اختتام ہوتا ہے۔

حاجت پہ کلاہِ برکی داشتن نیست   درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

زیرنظر قطعہ میں اکبر کو ہندوستانی اور خصوصاً اسلامی کلچر کے تباہ ہونے کا درد اور کسک ہے چنانچہ وہ قوم کے نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کی کورانہ تقلید سے دور رہیں، اور اپنے قومی وملی روایات کو نہ بھولیں۔ اور نہ ہی اپنے مذہب اور خدا سے بیگانگی اختیار کریں۔ شروع سے آخر تک قطعہ میں طنز ومزاح کا ایک خوشگوار امتزاج موجود ہے۔

اکبر کا طرز بیان س قدر دلچسپ اور دلکش ہے کہ ان کا جا بجا طنز کرنا بھی تلخ نہیں معلوم ہوتا ہے کیوں کہ وہ طنز بھی نصیحت آمیز ہے۔ یہ قطعہ زور بیان اور قادرالکلامی کا بے مثل نمونہ ہے۔ کلام میں سادگی صفائی اور چٹخارہ پن ہے۔ تصنع اور نازک خیالی کا استعمال نہیں ہوا ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ انگریزی لفظوں کا عمدہ استعمال ہے اکبر نے موضوع کی مناسبت سے نئے الفاظ اور نئے طرز بیان سے قطعہ کو خوب اور دلکش بنا دیا ہے۔

www.urduchannel.in

باب چہارم
پیام یار کی نثری مشمولات

۱۔ ناول

۲۔ انشائیہ

۳۔ مضامین اور خبریں

www.urduchannel.in

ناول

قصہ سننا اور سنانا انسان کی فطرت ہے۔ چنانچہ لوگ سماجی زندگی کے ابتدائی زمانے سے قصے اور کہانیاں کہتے اور سنتے آئے ہیں۔ جو عام طور سے جنون، پریوں اور دیوؤں بھوتوں کے قصے ہوتے تھے۔ ان قصوں کا ہیرو کوئی شہزادہ یا امیرزادہ ہوتا تھا۔ اور ہیروئن کوئی شہزادی ہوتی تھی یا وزیرزادی۔ ان کی مدد کے لئے غیبی طاقتیں ہوتی تھیں وغیرہ۔ ایسے ہی قصے کو ہم داستان کہتے ہیں۔

داستانیں ایسے دور کی پیداوار تھیں، جب لوگوں کے پاس نسبتاً آج سے زیادہ فرصت اور فراغت حاصل تھی۔ لوگ بےفکری کی زندگی گزارتے تھے۔ اور اپنی زندگی کی معمولات میں مافوق الفطرت عناصر کی موجودگی اور ان کے عمل دخل کے قائل تھے۔ انھیں غیبی طاقتوں کے سہارے داستانیں مرتب کی جاتی تھیں، جو بزم میں سنی اور سنائی جاتی تھیں۔ لوگ لطف اندوز ہوتے تھے اس طرح داستانیں لوگوں کے دل بہلانے اور وقت گزارنے کا بہترین ذریعہ ہوتی تھیں۔

دراصل استانیں ایک مخصوص زمانے کے پیداوار تھیں لیکن جب زمانے نے کروٹ لی تو حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ لہذا لوگوں کے پاس پہلی جیسی فرصت و فراغت نہ رہی۔ نئے تعلیم کے فروغ نے سوچنے سمجھنے کے انداز میں تبدیلی کردی۔ اب بھوت پری کے قصے خواب معلوم ہونے لگے اور داستانیں بےوقت کی راگنی لگنے لگیں۔ چنانچہ ج دور نے داستانوں کو جنم دیا اور انھیں پروان چڑایا تھا، وہ ختم ہوگیا۔ اسی دور کے خاتمے کے ساتھ ہماری محفلوں سے داستانیں بھی رخصت ہوگئیں۔ اور ان کی جگہ قصہ

www.urduchannel.in

گوئی کا ایک نیا اسلوب رائج ہوا جس میں مافوق الفطرت عناصر کی جگہ ہمارے ارد گرد پھیلی ہوئی حقیقی زندگی کا ذکر ہوتا ہے۔ مغرب میں قصہ گوئی کا یہ طرز نو ''ناول'' کہلایا۔ ناولوں نے زندگی کی حقیقتوں کو پیش کیا۔

ناول بجا طور پر عہد نو کی پیداوار ہے۔ جو مغربی ادب کے زیر اثر اردو ادب میں آیا۔ اور اس نے بہت ہی کم وقت میں مقبول صنف کی حیثیت حاصل کر لی۔ آج ناول کو جو غیر معمولی درجہ حاصل ہے اس کہ وجہ محض یہ نہیں ہے کہ داستان ایک صنف پارینہ بن چکی ہے بلکہ یہ کہ ناول اپنی حقیقت نگاری کے سبب ہماری آج کی زندگی کے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔

انگریزی ناول کے موجد ریچرڈسن اور فیلڈنگ مانے جاتے ہیں۔ یورپ میں ناول کے خط اٹھارویں صدی میں واضح ہونے لگے تھے اور انیسویں صدی میں یہ صنف مغربی ادبیات میں اپنا ایک مقام بنا چکی تھی۔ جب کہ اردو ناول انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ اوردو کے سب سے پہلے باقاعدہ ناول نگار نذیر احمد تھے۔ انھوں نے قصوں اور کہانیوں کو حقیقی زندگی کے قریب لانے کی کوشش کی اور اپنے دور کے مسائل سے متاثر ہوکر کئی ناول لکھے۔ ان کا سب سے پہلا ناول ''مراۃ العروس'' ہے جو ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے ''بنات النعش''، ''توبۃ النصوح''، ''ابن الوقت'' اور ''فسانہ مبتلا'' وغیرہ کا کامیاب ناول قلم بند کئے۔ ان تمام ناولوں میں نذیر احمد متوسط طبقے کے مسلمانوں کی تعلیمی، اخلاقی، سماجی، مذہبی، اصلاحی اور سیاسی مسائل اٹھائے ہیں۔ لیکن کردار نگاری اور مربوط پلاٹ کے اعتبار سے ان کے ناول اعلیٰ درجے کے نہیں ہیں۔

اردو کے دوسرے ناول نگار سرشار ہیں۔ نذیر احمد کی ناولوں میں جو خامیاں

www.urduchannel.in

تھیں ان کو کسی حد تک سرشار نے اپنے ناولوں کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے فسانۂ آزاد، سیر کوہ سار، جام سرشار وغیرہ کئی ناول لکھے۔لیکن ان کا سب سے اچھا اور کامیاب ناول فسانۂ آزاد ہے۔اس میں انھوں نے لکھنؤ کی مٹتی ہوئی تہذیب اور گرتی ہوئی معاشرتی حالت اور اودھ کی زوال آمادہ تہذیب کی نہایت کامیاب تصویر کشی کی ہے۔فسانۂ آزاد پہلے اخبار میں بالاقساط چھپا تھا۔لیکن بعد میں یعنی ۱۸۸۰ء میں ناول کی شکل میں شائع ہوا۔اسی ناول سے سرشار کی اردو ادب میں نمایاں حیثیت ہوئی۔

اردو ناول نگاری کے بانیوں میں شرر وہ پہلے ناول نگار ہیں جنھوں نے بقول قمر رئیس، شعوری طور پر ناول نگاری کے فن کو سمجھنے، اپنانے اور برتنے کی کوشش کی ہے اور تاریخی ناول کا آغاز کیا ہے اور اسے پروان بھی چڑھایا ہے۔شرر انگریزی اور فرانسیسی ادب سے متاثر تھے لہذا انھوں نے مغربی ناول کی ٹیکنک کو اردو ناول نگاری میں خوب رائج کیا۔اسی لئے ان کے ناولوں میں بیان واقعہ کا وہ اسلوب ملتا ہے، جو انگریزی ناولوں کا خاصہ ہے۔شرر تاریخی، معاشرتی اور اصلاحی ناول لکھے مگر ان کی ناول نگاری کا اصل میدان تاریخ ہے۔ ان کے مشہور ناول منصور موہنا، فردوس بریں، ملک العزیز ورجنا اور حسن کا ڈاکو وغیرہ ہیں۔شرر ناول میں کردار نگاری کے بہت زیادہ قائل نہیں تھے لیکن قصے کی ساخت اور پلاٹ کی ترتیب وتشکیل پر بے حد توجہ کرتے تھے۔اسی لئے ان کے ناولوں کے پلاٹ کافی مضبوط اور چست ہوتے ہیں۔

شرر کا سب سے پہلا ناول ''دلچسپ'' ہے۔اس ناول کو پیام یار کے مدیر منشی نثار کی فرمائش پر شرر نے قلم بند کیا تھا۔نثار نے اسے اپنے قومی پریس لکھنؤ سے پہلی بار شائع بھی کیا تھا، جو عوام میں کافی مقبول ہوا تھا۔اس سلسلے میں شرر خود لکھتے ہیں۔

''انھوں نے مشورہ دیا کہ میں کوئی ناول لکھوں جس کو وہ

www.urduchannel.in

اپنے مطبع میں چھپوائیں اور پیام یار میں اشتہار دیں۔
فروخت میں جتنا روپیہ وصول ہو، نصف میرا اور نصف
ان کا۔ میں نے اس کو قبول کیا اور ناول دلچسپ کا پہلا
حصہ لکھا جو میری پہلی تصنیف ہے''۔

(دلگداز، مارچ ۱۹۳۴ء ص ۴)

ابھی اردو ناول اپنے ابتدائی دور سے گزر رہا تھا کہ اسی زمانے میں انگریزی ناولوں کا اردو ترجمہ کرنے کا رواج شروع ہوا۔ شرر، ریاض اور دوسرے ادیبوں نے انگریزی ناولوں کے ترجمے کئے اور اسے آگے بھی بڑھایا۔ پیام یار اگرچہ شعروشاعری کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا اس کے باوجود اس نے ترجمہ کے فن کو فروغ دینے میں برابر کا حصہ لیا۔ تاکہ ترجمہ کرنے والوں کا حوصلہ بڑھنے اور عمدہ ناولوں کا ذخیرہ ہماری زبان میں آجائے۔ اس کے پیش نظر مدیر پیام یار کو اپنے گلدستہ میں ناول کے ترجمہ شائع کرنے کا خیال ہوا۔ چنانچہ انھوں نے گلدستۂ پیام یار میں ''پیام یار میں ناول'' کے عنوان سے ۱۸۹۳ء میں ایک مضمون قلم بند کیا جس میں انھوں نے لکھا ہے۔

''بناوٹ بھی ایک فن ہے جو جانتا ہے تری سادگی کچھ ہمیں جانتے ہیں

واقعی ناول بھی عجب ہی دلکش چیز ہے اس کے سیدے
سادھے طرز میں خدا جانے کا کچھ بھر دیا جاتا ہے کہ
ادھر ادھر تو حسرت پسند طبیعتوں اس کے صفحوں پر کھنچے
ہوئے پاس آمیز سین میں بھرے ہوئے سادگی آمیز
رنگ چھیڑ چھیڑ کر تڑپا یا کرتے ہیں ادھر دل بھی جن کے
سروں میں معاشرت وغیرہ کی اصلاحوں کا سودا سمایا ہوا

www.urduchannel.in

ہے اس کے نیچرل طرز پر ہر وقت آنکھوں میں پھرنے
والے واقعات کے بیان سے نکلے ہوئے نتیجوں سے
بہت ہی اچھی طرح ایک ناصح مشفق کا کام لے لیتے
ہیں۔ یہی سبب ہے کہ یہ رنگ ہر رنگ میں کھپ کر عام
مقبولیت کے درجے تک پہنچ جاتا ہے''۔......... کچھ
خیال آ گیا اور قصد کر لیا کہ جنوری ۱۸۹۴ء سے پیام یار
کے ساتھ ایک جزو ناول بھی ہوا کرے ۱۸۹۴ء کے لئے
ادارہ ہے کہ مسٹر رینالڈس کے ناول ''کینن بری ہوس''
کا ترجمہ لکھنؤ کی چھبتی ہوئی زبان میں کیا جائے آئندہ
کے لئے اوریجنل ناول اور ترجمہ میں سے جسے مقبول
عام دیکھیں گے وہی طرز اختیاز کیا جائے گا اس جزو
کے لئے پیام یار کے خریداروں سے صرف ایک روپیہ
سالانہ پیام یار کی قیمت سے المناعف لیا جائے گا''

(پیام یار، اکتوبر ۱۸۹۲ء ص ۲۰)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ تو واضح ہو جاتا ہے کہ پیام یار میں ناول کی اشاعت کی ابتدا جنوری ۱۸۹۴ء میں رینالڈس کے ناول ''کینن بری ہوس'' کے ترجمہ سے ہوئی لیکن اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے مترجم کون تھے حتیٰ کہ پیام یار کی تمام فائلوں کی ورق گردانی کے باوجود بھی کہیں اس کے مترجم کا نام نہیں ملتا ہے۔

میر حسن نے اپنی کتاب ''مغربی تصانیف کے اردو تراجم'' میں رینالڈس کے ناولوں کے تراجم کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رینالڈس

www.urduchannel.in

کے ناولوں کا اردو ترجمہ سب سے پہلے ریاض خیرآبادی نے کیا تھا۔انھوں نے رینالڈس کے ناول LOVES OF HARAM کا اردو ترجمہ ''حرم سرا'' کے نام سے ۱۸۹۰ء میں کیا۔اس کے علاوہ رینالڈس کے ایک اور ناول MISS ELLUM PIRSY کا اردو ترجمہ ''نظارہ'' کے عنوان سے ۱۸۹۱ء میں بھی کیا۔

گذشتہ باب میں ذکر آچکا ہے کہ پیام یار میں قسط وار ناول کے تراجم شائع ہوتے تھے یہ ترجمہ انگریزی ناول کے ہوتے تھے اور رینالڈس کے ناولوں ہی کا ترجمہ اکثر شائع ہوتا تھا۔ پیام یار میں اشتہاروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ناول ''راز و نیاز کامل'' ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا تھا جس میں انگلستان کے ملکہ الزینہ کے بہت سارے رازوں کو ناول کے پردے میں فاش کیا گیا ہے اس ناول کو پیام یار میں شائع ہونے کی خبر مدیر پیام یار اپنے ناظرین کو اس طرح کرتے ہیں۔

> ''راز و و نیاز یہ کامل دلچسپ ناول پیام یار ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۰ء کے ساتھ شائع ہوا تھا۔اس میں ملکہ الزینیہ کے پوشیدہ رازوں کی خوب دھجیاں ناول کے پردے میں اڑائی گئی ہیں''۔

لیکن گلدستہ پیام یار کا ایک پرچہ (جولائی ۱۸۹۴ء) کے علاوہ ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۰ء کا کوئی شمارہ باوجود تحقیق و جستجو کے دستیاب نہیں ہوسکا۔اس سلسلے میں متعدد کتب خانے اس غرض سے بھی دیکھے گئے کہ یہ تخلیق کہیں ناول کی شکل میں ہاتھ آجائے مگر اس سے بھی مایوس ہوئی لہذا ناول روا و نیاز کامل پر کسی بھی قسم کی گفتگو ممکن نہیں البتہہ رینالڈس کا ایک دوسرا ناول ''میری اسٹوراٹ کا ترجمہ دلربا'' کے نام سے پیام یار ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے ہمراہ شائع ہونے کا اشتہار رہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

www.urduchannel.in

> ''مشہور عوام پسند جادو نگار رینالڈس کے ناول میری
> اسٹوراٹ کا ترجمہ ''ملکۂ اسٹوراٹ'' کی لائف مستند
> کتابوں سے اخذ کر کے آخر میں لگا دی گئی ہے اور جو
> پیام یار ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا اور ملک میں
> نہایت عزت اور دلچسپی سے دیکھا گیا''۔

(پیام یار، فروری ۱۹۰۸ء ص ۱۹)

پیام یار ۱۹۰۶ء کی تمام فائل دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ناول کا کوئی بھی حصہ شامل نہیں ہوا ہے۔ البتہ پیام یار ۱۹۰۵ء کے متعدد پرچوں میں باب اول، دوم، چہارم کا مکمل حصہ چھپا ہوا ملتا ہے اور باب پنجم کا صرف ابتدائی ایک صفحہ ہی موجود ہے۔ بقیہ صفحات اور ابواب مذکورہ اشتہار کے مطابق پیام یار ۱۹۰۶ء کے پرچوں میں ہونا چاہیے لیکن ۱۹۰۶ء کے تمام پرچوں کی ورق گردانی سے مایوس ہوتی ہے۔ لہذا پورے ناول دلربا کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ناول کے مذکورہ ابواب کا یہاں جائزہ لیا جائے گا۔

''دلربا'' ایک سوانحی ناول ہے جو مسٹر رینالڈس کے ناول ''میری اسٹوراٹ'' کا ترجمہ ہے۔ اس میں اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری اسٹوراٹ کی سانح افسانہ اور قصہ کے روپ میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ملکہ اسٹوراٹ کی عمر صرف تئیس سال ہے اس کی شادی ڈافن آف فرانس سے ہوئی تھی۔ لیکن شوہر کے انتقال کے بعد ملکہ بیوہ ہوگئی اور پانچ سال تک وہ بیوہ رہی، اور تقریباً چار سال سے ملکہ اسکاٹ لینڈ کے تخت پر رونق افروز ہے بیوہ ہوتے ہی ملکہ اسٹوراٹ کے تمام احباب اور رشتہ داروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنی مدد کے لئے

www.urduchannel.in

دوسری شادی کرلے۔ مگر ملکہ نے کسی کی کچھ نہ سنی اور دوبارہ شادی کرنے سے انکار کردیا۔ ملکہ کے اس منفی رویہ پر اس کے کچھ رشتہ دار ناراض بھی ہوگئے۔ بالخصوص انگلستان کی ملکہ ایلزابیتھ نے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا تھا۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد ملکہ اسٹوراٹ کو ہنری ڈارنل کے نام کے نوجوان سے محبت ہوگئی۔ ہنری بھی ملکہ کو خوب چاہتا تھا چنانچہ دونوں میں رفتہ رفتہ اس قدر محبت بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے سے شادی کرنے کے لئے رضامند ہوگئے۔ مگر رضامندی کا اظہار کرنے کے ساتھ ہی ملکہ نے ایک شرط لگادی کہ وہ شہنشاہ پوپ سے شادی کرنے کی اجازت لے لے۔ چنانچہ روم کے شہنشاہ پوپ کی خدمت میں اپنی شادی کے متعلق ملکہ اسٹوراٹ نے ایک تفصیلی خط پیش کیا۔ شہنشاہ پوپ نے خط پاتے ہی فوراً منظوری دیدی۔ اور نامہ ہز ہائنس شہزادہ کیسٹوڈی رمنی کی نگرانی میں فوج کی ایک ٹکڑی کے ہمراہ ملکہ اسٹوراٹ کے پاس بھجوادی۔ اس فوج میں ایک بے حد خوبصورت، فہیم، دیانتدار اور بہادر نوجوان بھی تھا۔ جس کا نام سرلوشو گالڈی تھا یہ اٹیلین تھا۔ اور کیسٹوڈی رمنی کا گہرا دوست بھی تھا یہ فوجی دستہ پسوپ کا اجازت نامہ لے کر ہیمبرگ تک بڑی آسانی اور کامیابی سے آیا اور اسکاٹ لینڈ میں داخل ہونے کے لئے جہاز پر سوار ہوگیا۔ ابھی جہاز تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سمندر میں بہت زبردست طوفان آیا اور جہاز غرق آب ہوگیا۔ اور علاوہ سرلوسو گالڈی کے پورا فوجی دستہ ڈوب گیا۔ شاہی اجازت نامہ گالڈی کے پاس ایک لوہے کے صندوقچہ میں محفوظ تھا۔ نوجوان گالڈی اس اجازت نامہ کو لے کر بڑی مشکلوں سے ملکہ اسٹوراٹ کے پاس پہنچا اور صندوقچہ ملکہ اسٹوراٹ کی خدمت میں پیش کردیا۔ یہ رہا ناول دلربا کے پانچ ابواب سے بھی کم کا پلاٹ۔ اب ناول کے متعارف کردار کا جائزہ لیا جائے گا۔

www.urduchannel.in

کردار

۱ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری اسٹوراٹ — ناول کی ہیروئن

۲ ہنری ڈارنل کے — ملکہ کا عاشق اور ہونے والا خاوند

۳۔میری سٹین، میری بیٹن، میری فلمینگ اور میری لونگ سٹون — ملکہ کی سہیلیاں (مصاحبہ)

۴ سینیر ڈیوڈ ریوز — ملکہ کا پرسنل سکریٹری

۵ میری ڈاگلس — ملکہ کی ہمدد جاسوس

۶ اول اوف میورے — ملکہ کا سوتیلا بھائی۔ (ملکہ کے تخت نشین ہونے کا کٹر مخالف)

۷ سرلوشوگالڈی — اٹلین باشندہ، شاہ پوپ کا نوجوان سپاہی، ملکہ کا ہمدرد، اور میری ڈاگلس کا عاشق۔

اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے کردار ہیں جو ناول کے افق پر آتے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے کردار سوائے میر کا مالک، مسافر، محافظ، ارل اوف گائل اور ڈبوک اوف چیٹیل وغیرہ ہیں۔ ناول میں ان کرداروں کی حیثیت ثانوی ہے۔

اس ناول کا تعلق سرزمین اسکاٹ لینڈ سے ہے اس لئے وہاں کے مختلف مناظر ناول میں خوب دیکھنے کو ملتے ہیں انھیں مناظر میں کہانی پروان چڑھتی ہے۔ ناول

www.urduchannel.in

میں جا بجا پر فیلی چٹانوں اور برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ، جنگل اور چشمہ وغیرہ کا ذکر بار بار ہوتا ہے، جو نہایت ہی دلکش اور خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں۔ یہاں کامیاب منظر نگاری کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''اس وقت سورج نکل آیا ہے کوئی آٹھ بجے کا وقت ہوگا آفتاب کی سنہری سنہری کرنیں اپنا عکس برف کی سفید اور شفاف نہ پر ڈال کر دھوپ چھاؤں کا عالم دکھا ہی ہیں۔ ہوا میں وہ خشکی اور ٹھنڈک نہیں رہی ہے جو چند گھنٹے پیشتر معلوم ہوتی تھی بلکہ اب اس میں ایک قسم کی گرمی آچلی ہے جو ایسے وقت میں اور خاص کر ایسے مقام جہاں برفانی پہاڑوں میں تمام اطراف پر اپنا اثر ڈالدیا ہو، نہایت ہی خوشگوار معلوم ہوتی ہے اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ قدرت کے فراغ منظر میں اب وہ سناٹا اور خاموشی ہے جو صبح کے وقت قدرتی طور پر ہوا کرتے ہیں۔ جا بجا چشموں کے بہنے کی آوازوں نے صحرائی درندوں کی چیخوں اور پہاڑی طائروں کی نغمہ سرائیوں سے مل کر ایک قسم کا شور پیدا کر دیا ہے جو دن کے ساتھ ہی بڑھتا جاتا ہے۔ آسمان پر بعض جگہ بادل کا پھٹا ہوا جال پھیلا ہوا ہے جس کو ہوا ادھر اڑائے لیے پھرتی ہے۔ اور یہ بات اس سین میں اور بھی دلچسپی پیدا کر رہی ہے''۔

www.urduchannel.in

چونکہ دلربا رینالڈس کے ناول میری اسٹوراٹ کا اردو ترجمہ ہے لہذا اس ناول کو اردو ترجمہ نگاری کے نقطہ نظر سے جانچنا زیادہ وزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ناول کے مترجم کا نام کافی تحقیق وتنقید کے باوجود معلوم نہیں ہو سکا ناول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ناول میں ترجمہ کے تمام آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہےاور ناول کے جذبات میں کسی قسم کی تعریف نہیں کی گئی ہے۔

ناول میں زبان کی سادگی اور شائستگی سے انداز بیان بھی صاف اور شستہ ہو گیا ہے۔عبارتیں عام فہم اور سہل ہیں۔مشکل الفاظ اور اضافت ترکیبی یا توصیفی سے کافی حد تک بچنے کی کوشش کی گئی ہے۔البتہ روزمرہ اور محاورات کا استعمال موقع ومحل کے اعتبار سے ہوا ہے جس سے عبارت میں اور جان آگئی ہے۔ناول کا ترجمہ اس صفائی وسادگی اور فطری انداز بیان میں ہوا ہے کہ ناول ترجمہ نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ اوریجنل تخلیق کا گمان ہوتا ہے۔یہی ترجمہ کا فن اور ناول کی کامیابی کی دلیل ہے۔

مترجم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اصل کی ہو بہو نقل دوسری زبان میں کر دے اور اصل تخلیق میں کبھی بھی اپنی بات ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔اس اعتبار سے بھی ناول دلربا ایک کامیاب ناول ہے۔اس ناول کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مترجم نے موضوع کی مناسبت سے انداز بیان اختیار کیا ہے جس سے ناول کے مکالمے وغیرہ دلچسپ اور دلکش ہو گئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سقاری ایک ہی ریڈنگ میں پورا ناول ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

انشائیہ

سرسید تحریک کے متعدد فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ تحریک نثر نگاری کے لئے ایک قومی محرک ثابت ہوئی۔ سرسید کے زمانے تک اردو نثر میں معنی و مطالب کو ثانوی اور طرز بیان کو اولیت دی جاتی تھی۔ مگر انھوں نے معنی کو اولیت دی اور اردو و نثر کو الفاظ کے گورکھ دہندوں سے نکال کر بے تلکف اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اس سے اردو نثر کی حدیں وسیع تر ہوتی گئیں اور زبان اس لائف ہوگئی کہ اس میں ہر نوع بخوبی ادا کئے جا سکیں۔ خود سرسید نے تمام اہم موضوعات پر قلم اٹھایا اور اس کا حق ادا کر دیا۔ سرسید بجا طور پر اردو میں مضمون نگاری کے بانی ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ۔

> ''اردو میں مضمون نگاری کی صف کے بانی بھی سرسید ہی تھے۔ ادب کی یہ صنف جس کا انگریزی نام ایسے (ESSAY) ہے یورپ ہی سے حاصل کی گئی ہے''۔[۱]

اردو نثر سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کیا اور اس کو عام فہم و سلیس بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان بنایا۔ اسی مقصد حصول کے لئے سرسید نے مضمون نگاری کی با قاعدہ بنیاد ڈالی اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک رسالہ ''تہذیب الخلاق'' ۱۸۷۰ء میں جاری کیا۔ اس رسالہ میں خود سرسید نے متعدد موضوعات پر مضامین لکھے اور اپنے احباب سے بھی لکھوائے۔ اس

۱۔ سرسید احمد خان اور انکے نامور رفقا کی اردو نثر کا فی اور فکری جائزہ ڈاکٹر عبداللہ۔ ص ۴۲ جدید پریس لاہور ۱۹۸۶ء

www.urduchannel.in

طرح اردو میں باقاعدہ مضمون نگاری کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کی مقبولیت روز بروز بڑھنے لگی۔ اس دور کے تمام رسائل و جرائد نے مضمون نگاری میں تہذیب الخلاق کے طرز کی تقلید کی۔ تہذیب الاخلاق کے علاوہ رسائل نے مضمون نگاری کو فروغ دینے میں حصہ لیا ان میں صلائے عام (دہلی)، زمانہ (کانپور)، دلگداز (لکھنو)، اودھ (لکھنو)، ادیب (آگرہ)، مخزن (لاہور)، اردو معلیٰ (علی گڑھ اور کانپور) کے نام صیت سے لئے جاسکتے ہیں۔ ان رسائل و جرائد میں عموماً چھوٹے مضامین، شذرات یا انشائیہ چھپتے تھے۔ پیام یار اگر چہ ایک گلدستہ تھا جس میں طرحی غزلیں شایع ہوتی تھیں لیکن منشی نثار نے غزلیات کے ساتھ بطور ضیمہ مضامین بھی شائع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح مضمون نگاری کے فروغ میں پیام یار نے اہم رول ادا کیا۔ اس نے اپنے معاصر انشا پردازوں کے مضامین بہت اہتمام سے شائع کیے۔ پیام یار میں کل ۸۰ر مضامین شایع ہوئے جنھیں موضوع کے اعتبار سے مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ادبی

۲۔تاریخی

۳۔سوانحی

۴۔وفیات وفیاتی

۵۔معلوماتی اور اطلاعاتی

اس کے علاوہ کبھی کبھی سائنسی مضامین بھی چھپتے تھے۔ پیام یار میں سب سے زیادہ ادبی مضامین چھپتے تھے جن خاصا تنوع ملتا ہے۔ ان میں کچھ انشائے ہیں اور کچھ مناظرانہ ہیں تو کچھ زبان و بیان کے متعلق خاصے علمی مضامین ہیں۔ ان مضامین قدر

www.urduchannel.in

مشترک ان کا اعلیٰ ادبی معیار ہے۔

پیام یار میں کثرت سے چھپنے والے دوسرے مضمون تاریخی نوعیت کے ہوتے تھے جو نہایت معلوماتی اور جامع ہیں۔ان مضامین کا اختصار ہی سب سے بڑا احسن ہے۔ ان مختصر مضامین میں تاریخی معلومات کا وہ ذخیرہ موجود ہے کہ مضمون نگار کے قدرت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

سوانحی مضمون بھی پیام یار میں بہت زیادہ نہیں چھپتے تھے اس قبیل کے جتنے مضامین ہیں وہ سب باوقار شخصیات کے متعلق ہیں۔مضمون نگار جس شخصیت پر قلم اٹھاتا اس کو اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کی شخصیت کا کوئی بھی پہلو تشنہ بیان نہیں رہتا اور اس کے لئے وہ نہایت مدلل اور جامع طرز بیان اختیار کرتا۔

پیام یار میں وفیاتی مضامین بھی شایع ہوتے تھے۔ اس میں عام طور سے والیانِ ریاست یا مشہور شاعر و ادیب کی وفات پر مضامین لکھے جاتے تھے۔جنھیں ہم تعزیاتی یا وفیاتی مضمون کہہ سکتے ہیں۔ پیام یار میں وفیاتی مضامین بہت ہی کم ملتے ہیں اور جو ملتے ہیں وہ بھی کسی نواب یا کسی بڑے شاعر و ادیب کے متعلق ہوتے ہیں۔اس قسم کے مضمون میں مرنے والے کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اس کی حالاتِ زندگی اور اس کے کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور وفات اظہار افسوس کیا جاتا ہے۔

پیام یار میں سائنسی مضمون مشکل سے نظر آتے ہیں لیکن جو ہیں وہ نہایت جامع اور معلوماتی ہیں سائنسی کے طالب علم اس سے بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔اور یہ معلومات عامہ کے لئے بھی سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ ذک آیا ہے پیام یار میں سب سے زیادہ ادبی مضامین شایع ہوتے

www.urduchannel.in

تھے ان میں سے بیشتر انشائے ہیں اور انشائیوں کے موضوع میں خاصا تنوع ہے مثلاً کتب بینی، انتظار، دم، صحبت برہم، نمک، زمانہ، ضد، ترقی معکوس، عاشق کی تمنا، کیا عشق پہلے معشوق کے دل میں ہوتا ہے اور ریش سفید شیخ میں ہے ظلمت فریب۔ اس مکر پیمانہ بہ نہ کرنا گمان صبح۔ ان انشائیوں میں مولوی عبدالحلیم شرر کا ایک انشائیہ ''صحبت برہم'' بہت اہم ہے۔ اس کے علاوہ بھی انھوں نے پیام یار میں دم، زمانہ، اور ضد کے عنوان سے انشائیہ لکھے تھے مگر ان کا سب سے اچھا انشائیہ ''صحبت برہم'' ہی ہے۔

صحبت برہم پیام یار کے آٹھ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۰۵ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ یہ شرر کا بڑا دلچسپ انشائیہ ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ جب انسان بستر مرگ پر پڑا ہوا موت کا انتظار کرتا ہے اس دوران وہ بستر پر پڑے پڑے اپنے من کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنی بھولی و بسری یادیں تازہ کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک کے بعد دیگرے وہ تمام صحبتیں دا ی آتی ہیں جن کا وہ لطف اٹھا چکا ہوتا ہے۔ اس مضمون میں سب سے پہلے انشا پرداز، بچپن کی گزری ہوئی صحبتوں کا ذکر کرتا ہے پھر عالم شباب کی ان تمام صحبتوں کو یاد کرتا ہے جن میں وہ بڑے مزے اور لطف اٹھا چکا ہے۔ اس کے بعد عالم پیری کی صحبتوں کا بیان کرتا ہے پھر وہ بسترِ مرگ پر تنہا پڑا موت کا انتظار کرتا ہے اور اس بستر پر لیٹے لیٹے وہ قبر اور قیامت کے حساب و کتاب سے خائف ہوتا رہتا ہے۔ اس خوف سے آزاد ہونے کے لئے وہ بار بار اپنی گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کرتا ہے۔ اور انھیں صحبتوں کی یادیں تازہ کر کے اپنا دن کاٹتا ہے۔

صحبت برہم کی ابتدا میں گزری ہوئی صحبتوں کی لذتوں کا بیان کیا گیا ہے اس کے بعد بھول اور نسیان جیسی مسلک بیماری کی خامیاں گنانے کے جبائے خوبیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ بھر مضمون نگا صحبت برہم کو ایک البم تصور کر کے اس کی ورق گردانی کرتا

www.urduchannel.in

ہے۔ البم کا پہلا صفحہ الٹتا ہے تو اسے اپنا بچپن ملتا ہے۔ اور بچپن کو وہ اپنی زندگی کی پہلی صحبت تسلیم کرتا ہے۔ پھر بچپن کے تمام خصوصیات کو نہایت دلچسپ انداز میں پیش کرتا ہے۔

بچپن کا تفصیلی بیان کرنے کے بعد مضمون نگار البم کے دوسرے ورق کو الٹتا ہے اس میں اس زمانے کی تصویریں پاتا ہے جب وہ شیر خوار کی درجہ کو طے کر کے بڑے لڑکوں کی صف میں شامل ہوتا ہے جہاں وہ مدرسوں اور مکتبوں میں تعلم حاصل کرتا ہے۔ وہاں وہ مختلف قسم کی متعدد صحبتیں اٹھاتا ہے اور جب یہ صحبتیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ افسردہ ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے۔ پھر وہ البم کا تیسرا ورق الٹتا ہے اور اپنی زندگی کا عہد شباب پاتا ہے اس عہد کی پر لطف صحبتوں کا خوب خوب ذکر کرتا ہے پھر کف افسوس ملتا ہے اور اس تمنا کا اظہار کرتا ہے کہ دور ایک بار دیکھا اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔ عالم شباب کی صحبتیں گزر جانے کے بعد مضمون نگار کو بہت افسردگی اور مردہ دلی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد البم کا آخری ورق الٹتا ہے اور اپنے کو پیری کے عالم میں پاتا ہے مگر فرشتے اجل کچھ دنوں کے بعد اس دور کو ختم کر دیتا ہے۔ اب وہ قبر میں آرام کرنے اور قیامت آنے کا انتظار کرتا ہے اس عرصہ میں اسے مختلف قسم کی گزری ہوئی صحبتیں یاد آتی رہتی ہیں اور وہ ان پر لطف صحبتوں کو یاد کر کے اپنا دل بہلاتا رہتا ہے۔ اس کے بعد مضمون نگار یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ بعد از مرگ اگر چہ زندگی کی تمام صحبتیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان سے لوگوں کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا پھر بھی ان کی یاد دم نکلنے پر بھی جاتی اور دل و دماغ پر چھائی رہتی ہیں۔

شرر ایک ہمہ جہت Versatile تخلیق کار تھے۔ تاریخ، سوانح، مذہب و اصلاح علمی و ادبی مسائل اور ناول غرض کہ انھوں نے ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس

www.urduchannel.in

طرح ان کی جولانیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ان کا مطالعہ وسیع، حافظہ قوی اور قوت آخزہ بہت تیز تھی۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے بلا تکلف لکھتے اور خوب لکھتے تھے۔ اپنے تجربات، تاثرات اور تخئیلات سے موضوع کا حق ادا کردیتے تھے۔

اس مضمون میں انشائیے کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ ایک اچھا مضمون اصولاً کسی خیال کا متقاضی ہوتا ہے جس کے اردگرد خیالات کا تاروپود خود بخود تیار ہوتا رہتا ہے۔ یہ خوبی اس مضمون میں پائی جاتی ہے۔ صحبتِ برہم کی ابتدا ''جو مزا گزری صحبتوں میں تھا وہ موجودہ صحبتوں میں نہیں ہے'' سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک خیال سے دوسرا خیال پیدا ہوتا چلا جاتا اور پڑھنے والے کا دل مضمون کی تہوں میں الجھتا جاتا ہے، اور بات دل میں بیٹھتی جاتی ہے۔

شرر کا سب سے بڑا آرٹ یہ ہے کہ وہ پیش یا افتادہ، موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں۔ صحبت برہم، زمانہ اور ضد بظاہر ایسے موضوعات ہیں جس پر عام لوگ توجہ بھی دیتے لیکن شرر اس قسم کی اشیا میں بھی اپنا موضوع تلاش کر لیتے ہیں شرر کے انشائیوں میں ہمیں تاثراتی انداز بھی نظر آتا ہے زیر نظر مضمون صحبت برہم میں انھوں نے عام مذاق کی نفی کی ہے۔ بھول اور نسیان مہلک بیماریاں ہیں اق سے بچے رہنے کی دعا ہر شخص کرتا ہے لیکن شرر اپنے زور استدلال سے مہلک امراض کی ستائش کرتے ہیں۔

''بھول اور نسیان بھی خدا کی بڑی بھاری رحمتیں ہیں یہ نہ ہوتیں اور حافظہ کا یہ ہوشربا اور جگر خراش منظر ہر گھڑی نظر کے سامنے ہی رہتا تو ہم جی نہ سکتے۔ نسیان اپنے خیال کے تھیٹر میں پردوں کا کام دیتا ہے اس کی برکت ہے کہ ایک سین کے ہٹنے کے بعد ہم دوسرے سین کی

www.urduchannel.in

کرشمہ سازیوں میں محو ہو جاتے ہیں اور گذشتہ سین کی دلچسپیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔اور حقیقتاً نسیان ہی ہے جو موجودہ زمانہ اور اس پیش نظر حالت کو ہماری نگاہ میں دلچسپ بنائے ہوئے ہے''۔

انشا پرداز کا اسلوب اس کے طرز فکر اور اس کے مافی الضمیر کی آئینہ داری کرتا ہے۔جس قسم کے خیالات انشا پرداز کے ذہن میں ہوتا ہے وہی اسلوب کے ذریعے اس کی نگارشات میں ظاہر ہوتا ہے۔انھوں نے جہاں واقع کی تصویر کشی کی ہے وہاں جملوں کی ترتیب س طرح رکھی ہے کہ ذہن پر زور دیئے بغیر بات واضح چلی جاتی ہے۔اسلوب بیانیہ اختیار کرکے انھوں نے چھوٹے چھوٹے جملے لکھے ہیں انھیں چھوٹے جملوں سے واقعات کی سچی تصویر کھینچتے چلے جاتے ہیں۔

''آہ شباب کا خیال آتے ہی خدا جانے کون کون صحبتیں یاد آ گئیں؟ کبھی پری وشوں کے جھرمٹ تھے۔ نازآفرینی و ناز برداری کی صحبت گرم تھی۔ اور کبھی یاران بزلہ سنج میں نشت و برخاست تھی اور یہ حالت تھی ''کھانا بے دلگی نی پچتا تھا''۔اور لطف یہ کہ دونوں جگہ ہماری سرگرمی ایسی بڑھی چڑھی تھی کہ ہمیں کو مزہ نہیں آتا تھا۔ بلکہ ہم سے اور سب لوگ ویسا ہی لطف اٹھاتے تھے۔ بے وفا کا فرماجراؤں کے فراق میں اگر ہم بیتاب رہتے تھے تو ہمارے بغیر ان سنگدلوں کو بھی چین نہ پڑتا تھا.......آہ یہ صحبت افسوس کیسے برہم ہوئی نہ ہم

www.urduchannel.in

میں وہ ناز برداری، نہ ان میں وہ بگڑنے اور منہ تھوتھا
لینے کا مزہ رہا اور ہم میں اس چھیڑ چھاڑ اور دست
درازی کا لپکا''۔

ان کی تحریروں کی بنیادی خصوصیت نفاست و صفائی، سلاست روانی اور نزاکت و شگفتگی ہے۔ ان کی عبارتوں میں نہ بے ربطی ہے اور نہ خشکی بلکہ ان میں ایک خوش آہنگی ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنے انشائیوں میں اسلوب کی رنگینی کی شعوری کاوش نہیں کی ہے۔ وہ تشبیہات و استعارات سے صرف اتنا کام لیتے ہیں کہ ان سے موضوع میں نکھار پیدا ہو جائے اور بس۔

زیر نظر مضمون میں شرر نے بہت سادہ اور عام فہم زبان لکھنے کی کوشش کی ہے۔ بازاری، سوقیانہ اور مبتزل الفاظ کا استعمال کرنے سے احتراز کیا ہے۔ عبارتوں کو کہیں کہیں سنجیدہ بنانے کے لئے عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنو کے محاوروں کا استعمال بھی جا بجا کیا ہے جس سے عبارت میں حسن پیدا ہو گیا ہے۔ موضوع کو موثر اور دلچسپ بنانے کے لئے جگہ جگہ اشعار بھی لکھے ہیں۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in

مضامین اور خبریں

ہر وہ نثری بارہ، جس میں کوئی خیال، منطقی ربط تسلسل کے ساتھ پیش کیا جائے مضمون کہلاتا۔ ہے۔ اخلاقی، تاریخی، مذہبی، مقالے، انشائیے اور خاکے سب ہی اس صنف شامل کئے جاسکتے ہیں۔

گلدستہ پیام یار کے حصہ نثر میں مضامین بھی شایع ہوتے تھے عبدالحلیم شرر کے ابتدائی دور کے بہترین انشائے اسی کے ذریعے منظر عام پر آئے۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کے صرف ونحوار دواورزبان وبیان پرادبی اور علمی مضامین اکثر پیام یار ہی میں شائع ہوتے تھے۔ مثنوی گلزارنسیم کے متعلق مولوی شرراور چکبست کے درمیان جو تحریری معرکہ پیش آیا تھا اس کے اکثر مضامین پیام یار ہی میں چھپتے تھے۔ اس کے علاوہ اس دور کے ادیبوں اور انشاپردازوں کے متعدد مضامین شایع ہوئے۔ پیام یار میں خصوصیت سے چھپنے والے ادیبوں اور انشاپردازوں کے نام اس طرح ہیں۔ مولوی عبدالحلیم شرر، خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی، حکیم برہم گورکھپوری حسن افضل بدر، محمد عمر جاذب لکھنوی، حکیم محمد رسول حاذق، سید انور آرزو لکھنوی، محمد نصیر احمد عباسی، محمد عظمت علی حسرت لکھنوی، اور پروفیسر نقاد بی اے۔

ادبی مضامین

گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ پیام یار میں ادبی مضامین شایع ہوتے تھے۔ یہ مضامین اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف نوعیت کے ہوتے تھے۔ انشائیے کے

www.urduchannel.in

علاوہ کچھ مناظرانہ ہوتے تو کچھ صرف نحو اردو کے متعلق ہوتے ان میں کچھ قسط وار بھی شایع ہوتے تھے۔ پیام یار میں جو ادبی مضامین ملتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

گلزار نسیم مولانا اور شرر اور اودھ پنچ، سجاد نرائن جی اور ہم، گلزار نسیم کی چھتاڑ، گلزار نسیم پر ایک تازہ ریویو، مثنوی گلزار نسیم کا نیا ایڈیشن [1]، شرر اور شرشار، نیچرل شاعری، اردو انشا پردازی، اصلاح زبان اردو، انحطاط زبان اردو، صرف نحو اردو [2]، صرف علم قافیہ، متروک الفاظ، ظرافت وشاعری، متروکات غلط فہمی [3]

مذکورہ بالا مضامین گزار نسیم مولانا شرر اور اودھ پنچ، سجاد نرائن جی اور ہم، گلزار نسیم کی چھتاڑ، نقاد کی کساد بازی، گلزار نسیم پر ایک تازہ ریویو، مثنوی گگلزار نسیم کا نیا ایڈیشن، شرر اور سرشار، صناعی، سادگی اور بناوٹ یہ سب مناظرانہ مضامین ہیں۔ ہمارے یہاں (اردو ادب میں) پہلے مناظرانہ بحث ادباء وشعراء کی ادبی نشستوں، جلسوں اور مشاعروں میں براہ راست ہوتی تھی مگر گلزار نسیم کی بحث نے مناظرہ کو تحریری شکل میں رواج دیا۔ اس بحث میں گلزار نسیم کو لے کر جو لے دے ہوئی وہ معرکہ ادبی حلقوں میں بہت مشہور رہا تھا اس معرکہ کی ابتدا اس طرح ہوئی۔ کہ

جنوری ۱۹۰۵ء میں پنڈت برج نرائن چکبست نے مثنوی فلزار نسیم کا ایک صحیح نسخہ حاصل کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس پر مولوی عبدالحلیم شرر نے پیام یار میں ایک ریویو لکھا، جس میں اپنے نقطہ نظر سے زبان ومحاورات کی اغلاظ کی نشاندہی کرنے کے علاوہ اس بات کا دعوی بھی کیا کہ مثنوی گلزار نسیم دراصل پنڈت دیاشنکر نسیم کی لکھی ہے۔ بلکہ ان کے استاد خواجہ حیدر علی آتش کی تصنیف ہے جو انھوں نے پنڈت نسیم کا مرتبہ بڑھانے کے لئے دیدی تھی اس طرح اس مثنوی کو حیدر علی آتش کی تصنیف بتایا۔

۱۔۲۔۳۔ یہ مضامین قسطوار شایع ہوئے ہیں۔

www.urduchannel.in

چنانچہ اس سلسلے میں جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہوا تو شاعر و ادیب دو گروپ میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروپ شرر کا طرف دار تھا تو دوسرا چکبست کا حامی۔ یہ قلمی معرکہ اپنے زمانے میں بڑا دلچسپ رہا اس میں حصہ لینے والے مشہور ادیبوں اور شاعروں کے نام اس طرح ہیں۔ مولانا عبدالحلیم شرر، برج نرائن چکبست، منشی سجاد حسین، حکیم برہم گورکھپوری، مولانا حسرت موہانی، ریاض خیرآبادی، جلیل مانکپوری، منشی احمد علی شوق، حسن افضل بدر، پروفیسر نقاد بی اے اور طیش بلگرامی۔

اس معرکہ یں بعض اہل قلم نے سنجیدہ تنقیدیں کیں اور مفید مضامین لکھے۔ جو عام طور سے پیام یار، دلگداز، اودھ اخبار، ریاض الخبار، زمانہ، اور اردوے معلیٰ وغیرہ میں شایع ہوئے۔ اور بعض مشاہیر ادب نے ومزح کے پیرائے میں مضامین قلم بند کئے جو اودھ پنچ اور زمانہ وغیرہ میں شایع ہوتے تھے۔ یہ دور لکھنو کے شاعروں اور ادیبوں کے لئے بڑے لطف کا تھا۔

جیسا کہ ذکر آچکا ہے پیام یار میں مناظرانہ مضامین کے علاوہ اردو وقواعد اور زبان و بیان کے متعلق بھی مضمون چھپتے تھے۔ اردو قواعد اور زبانِ اردو کی بحث میں جو مضمون چھپتے تھے وہ نہایت جامع، ٹھوس اور علمی ہوتے تھے۔ اس شایع شدہ مضامین کے عنوانات حسب ذیل ہیں۔

صرف نحو اردو، صرف نحو، اصلاح زبان اردو، انحطاط زبان اردو، متروک الفاظ اور متروکات میں غلط فہمی۔ ان میں اول الذکر دو مضامین اردو قواعد کے متعلق ہیں اور آخر کے چار مضامین جیسا کہ عنوان ہی سے زبان و بیان کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اردو قواعد کی بحث میں پیام یار کا اہم مضمون ''صرف ونحو اردو'' ہے۔

اس مضمون کو خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے بڑی لیاقت محنت اور

www.urduchannel.in

دیانتداری سے قلم بند کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اسم فاعل کے چند قواعد کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اسم فاعل اردو کے بنانے کی ترکیب جو صرفیوں نے لکھی ہے وہ محض فارسی کا ترجمہ ہے اور اصل قاعدے کسی نے نہیں لکھے۔ چنانچہ وہ صرفیوں کی بنائی ہوئی ترکیب اور قاعدے پر خوب تنقید کرتے ہیں اور خود اسم فاعل بنانے کے چند قواعد درج کرتے ہیں۔

خواجہ صاحب اپنے زمانے کے اردو قواعد کی صورتحال کی طرف سے خاصے متفکر تھے۔ انھوں نے گورنمنٹ صیغۂ تعلیم درخواست کی تھی کہ اردو کی درسی اور نصابی تصانیف میں آئندہ ایسے ذی علم حضرات کی آراء سے ضرور استفادہ کرے جو اردو زبان پر قدرت رکھتے ہوں اور اہل زبان ہوں، اور اردو کی ان تمام کتابوں میں ترمیم کر دی جائے جو اردو کی صحیح زبان سے ناواقف ہیں تاکہ اردو زبان انحطاط کی کیفیت سے دوچار نہ ہو۔ وہ اپنے ملک میں اردو صرف ونحو کی ایک ایسی کتاب کی اشد ضرورت محسوس کرتے تھے جو محض اردو زبان و بیان اور قواعد کی خوبیوں کے لحاظ سے تصنف کی گئی ہوں۔

اس کے بعد اردو زبان کی خصوصیت پر خواجہ صاحب نے روشنی ڈالی ہے اور ان اسباب کا ذکر کیا ہے جس سے اردو روز بروز ترقی کرتی ہوئی ہر دلعزیز زبان ہوتی جا رہی ہے۔ اور آخر میں پر ایک بار اظہا افسوس کیا ہے کہ امیر مینائی مرحوم نے لغت تیار کی اور صرف ونحو کی کوئی کتاب نہ لکھی۔ جب کہ لغت سے زیادہ ضرورت صرف ونحو کی ہے۔

تاریخی مضامین

انسان کو تاریخ سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ ماضی کے گزرے ہوئے واقعات اور اس کی دادیں نہ صرف ایک خوشگوار فضا میں لے جاتی ہیں بلکہ ہمیں زندہ رہنے کی

www.urduchannel.in

قوت فراہم کرتی ہیں اور آگے بڑھنے کا حوصلہ بھی بخشتی ہیں۔تاریخ کی اس افادیت کے پیش نظر مدیر پیام یار کو یہ خیال پیدا ہوا کہ تاریخی واقعات کا سلسلہ کچھ نہ کچھ ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اسی لحاظ سے پیام یار کے صفحات کو تاریخی مضامین سے آراستہ کیا گیا اور متعدد تاریخی مضامین شایع کئے گئے۔

پیام یار میں جو تاریخی مضامین ملتے ہیں وہ شاہ کابل ہندوستان میں، سودیشی تحریک، قدیم چین پر ایک سرسری نظر، برہما کا دلکش نظارہ، شاہی دربار زبان سے سلطنت کا سلوک، تاریخ ہند کا ایک ورق اور اردو کی مختصر لائف ہیں۔ یہ سب ہی مضمون خاص اہمیت کے حامل ہیں لیکن ان میں ایک مضمون ''برہما کا دلکش نظارہ کافی معلوماتی اور دلچسپ ہے۔جو پیام یار کے چار صفحات پر مشتمل دسمبر ۱۹۰۸ء میں شایع ہوا ہے۔اس مضمون کو خواجہ صاحب نے کافی تحقیق و دریافت کے بعد قلم بند کیا ہے تاریخی مضمون عموماً خشک ہوتے ہیں لیکن انھوں نے اسے بڑی شگفتہ نثر میں لکھا ہے اور اپنے زور بیان سے اس کو کافی دلچسپ اور لائق مطالعہ بنا دیا ہے۔

''برہما کا دلکش نظارہ'' میں خواجہ صاحب نے سب سے پہلے جغرافیائی اعتبار سے برہما کا تعارف کرایا ہے۔شہر رنگوں کے تفصیلی ذکر کے علاوہ اس ملک کے اور دوسرے خاص خاص شہروں کا بھی تعارف کرایا ہے پھر برہما کی سماجی زندگی کا ذکر کیا ہے برہما میں کسی ذات و برادری کے لوگ آباد ہیں اس پر روشنی ڈالی ہے اس کے ساتھ سورتی مسجد کا ذکر آیا ہے جو برہما کی نہایت مشہور اور تاریخی مسجد ہے۔اس کے بعد دارالسلطنت کے ایک نہایت شاندار قلعہ کا تعارف کرایا ہے۔ساتھ ہی یہاں کی کاشتکاری اور عمارات وغیرہ کے بارے میں خاصی معلومات فراہم کی گئی ہے۔ پھر برہما کے جانوروں کے متعلق ذکر ہے۔

www.urduchannel.in

خواجہ صاحب برہما کے چار تہواروں کا تعارف بہت دلچسپ انداز میں کرایا ہے۔ یہ چار تہوار الہابوی، سایہ می بوی، می ٹھوم بوی اور تاگوتھمی بوی ہیں۔ ان تہواروں کو برہما میں وہی درجہ حاصل ہے جو ہمارے ملک میں عید، بقرعید، ہولی اور دیوالی کو حاصل ہے۔ ان سب ہی تہواروں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اس کے بعد برہما کے مسلمانوں کی مذہبی اور دینی حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مضمون کے درمیانی حصے میں برہمیوں کے خوراک اور ان کی غذا کے متعلق اطلاعات ہیں۔ یہاں کی خاص غذا مچھلی اور چاول بتائی جاتی ہے لیکن چینیوں کی تقلید میں مینڈک اور کچھوے کے اچار کھانے کا بھی ذکر ہے یہاں سب مل جل کر ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ ان لوگوں کے یہاں چھوت چھات کا کوئی تصور نہیں ہے یہاں کے لوگ پان کثرت سے کھاتے ہیں جٹ بہت پیتے ہیں۔

اس مضمون میں برہمیوں کی شادی بیاہ کی رسم پر بھی سیر حاصل بحث ہے۔ یہاں شادی کرنے اور طلاق دینے کی مالک ومختار عورت ہوتی ہے۔ برہما کی نوجوان لڑکیاں اپنے واسطے مرد خود تلاش کرتی ہیں شادی بیاہ کی رسم ناچ گانے کے ساتھ ہندوستانی طریق پر ادا کی جاتی ہے لیکن شادی کے بعد مرد، عورت کے گھر میں رہتا ہے۔ شادی بیاہ کے ذکر کے بعد خواجہ صاحب نے برہمیوں کے تجہیز وتکفین کی رسم کے متعلق تمام معلومات فراہم کی ہیں۔ موت کے متعلق برہمیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایک مقرر ہے جو ہر جاندار کی روح قبض کرتا ہے۔ جب کوئی برہمی مرتا ہے تو اس کی لاش کو چاک کر کے تمام آلائش نکال ڈالتے ہیں پھر اس کو ابرق سے مڑھ کر اور متعدد قسم کے پھولوں سے ڈھک کر جلوس کے ساتھ ناچتے گاتے ایک مخصوص جگہ لے جاتے ہیں جہاں عام طور پر مردے کو جلا دیتے ہیں یا دفن کر دیتے ہیں۔ مضمون کے آخر میں وہاں کے

www.urduchannel.in

آمدورفت کے ذرائع اور صنعتوں کے بارے میں کافی باتیں بتائی گئی ہیں۔

اس مضمون میں برہما کی جغرافیائی اور تاریخی تصویرکشی کی گئی ہے اس میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ملکی اور قومی حلیے کے پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس مضمون کا سب سے بڑا کمال دلچسپ انداز اور دلکش بیان ہے۔ اس کے اعلیٰ ہونے کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوسکتا ہے جب ہم برہما کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور وہاں کی سیر کریں۔

سوانحی مضامین

مدیر پیام یار نخل علم کی ہر شاخ سے دلچسپی رکھتے تھے۔ کوئی اہم اور مفید موضوع ایسا نہیں جس سے انھیں دلچسپی نہ رہی ہو۔ پیام یار کے صفحات ایسے تمام مضامین کے لئے حاضر رہتے جو عوام کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے مفید بھی ہوں۔ اس ضمن میں انھوں نے مشہور و معروف شخصیات کا تعارفی سلسلہ شروع کیا تھا۔ پیام یار میں شایع ہونے والے سوانحی مضمون کی فہرست حسب ذیل ہے۔

	مضمون	مضمون نگار
۱	عبداللہ ابن مبارک	محمد عمر لکھنوی
۲	ابراہیم حبی	محمد عمر لکھنوی
۳	منتظم الدولہ نواب مہدی علیخان بہادر	محمد عظمت علی حسرت لکھنوی
۴	عشرہ عبسی	خواجہ عشرت لکھنوی
۵	میر کلاعرش موحوم	خواجہ عشرت لکھنوی

محمد عمر لکھنوی کا دوسرا مضمون ''ابراہیم حربی'' کے متعلق ہے۔ یہ مضمون پیام یار کے دو صفحات پر مشتمل نومبر ۱۹۰۵ء میں طبعہوا ہے۔ مضمون کا مطالعہ کرنے سے معلوم

www.urduchannel.in

ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے ابراہیم حربی کے متعلق کافی تحقیق وتنقید کے بعد قلم اٹھایا ہے۔

اس مضمون میں محمد عمر نے سب سے پہلے ارشاد نبوی کا ذکر کر کے یہ بتانے کی کوش کی ہے کہ ابراہیم حربی جیسا نامور شخص ان مقدس لوگوں میں تھا جو سب سے اچھے زمانے میں پیدا ہوا۔ مطالعہ کی آسانی کے لئے اس مضمون کو دوحصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا حصہ ابراہیم حربی کے خاندان اور حالات زندگی سے متعلق ہے اور دوسرا حصہ چند اخلاقی واقعات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون میں محمد عمر نے ابراہیم حربی کی ایک خاص خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے حالات ہمیشہ دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ کے شاگردوں کے درمیان ایک شاگرد موجود نہ تھا تو اس کی خیر گیری کسی دلچسپی سے کرتے ہیں خود مضمون نگار کی زبانی سنئے۔

> ''ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کا ایک شاگرد تلامذہ کے مجمع میں نہ تھا آپ نے دریافت فرمایا تو آپ کے شاگردوں نے معمولی جواب سے ٹالنا چاہا تو آپ کا اصرار بڑھا اور فرمانے لگے کہ ''اگر وہ بیمار ہے تو عیادت کو جاؤنگا اگر قرضدار ہے تو اس کا قرضہ ادا کرنے کی فکر کرونگا اگر وہ قید ہوگیا ہے تو اس کی رہائی کی فکر کرونگا''۔ اس پر آپ کے شاگردوں نے جواب دیا کہ حضرت وہ تو کسی زلف گرہ کا اسیر ہوگیا اور کسی کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کا جادو اس پر چل گیا ہے۔ یہ سن کر آپ رنجیدہ ہوئے اور دریافت کرنے لگے کہ ''آپ کو اس کی توضیع سے کیا فائدہ آپ ایسے بزرگ

www.urduchannel.in

ہوکر ایسا سوال کیوں کرتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا کہ تم
نہیں جانتے کہ بدصورت معشوق عاشق کے واسطے
منجانب اللہ بلا ہے جس نے اس کو اس پر مسلط کردیا ہے
اور اگر کوئی حسین ہے تو دراصل جناب باری عزاسمہ کی
نوازش اور عنایت ہے''۔

مضمون کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مضمون کی غرض وغایت اخلاقی ہے اس وجہ سے ہیرو کی شخصیت کی مکمل اور صحیح تصویر مضمون نگار کا نصب العین بلکہ ابراہیم حریف کی زندگی کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرنا ہے جو نزکیہ اخلاق میں مفید ثابت ہوں۔ اس مختصر سے مضمون میں ابراہیم حربی کے چند حالات وواقعات بیان کرکے ان کے سوانح کی جو جھلک مضمون نگار نے پیش کی ہے وہ بہرحال قابل توجہ ہے۔

وفیاتی مضامین

جیسا کہ ذکر آچکا ہے پیام یار میں وفیاتی مضامین بھی طبع ہوتے تھے۔ یہ مضمون عام طور سے نوابین یا بڑے شاعروں اور ادیبوں کے متعلق ہوتے تھے۔ پیام یار میں وفیات کے متعلق تین مضامین ملتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

ا۔شاعر خوش بیان کا ماتم ہے　　　داغ معجز بیان کا ماتم ہے
۲۔ واقعہ ارتحال جلال لکھنوی　　　۳۔حضور نظام کی وفات

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مذکورہ بالا مضامین میں پہلا مضمون داغ دہلوی مرحوم کے متعلق ہے جو تین صفحات پر مشتمل فروری ۱۹۰۵ء میں شایع ہوا تھا۔ مدیر پیام یار (منشی نثار) کو داغ مرحوم سے بے حد عقیدت محبت تھی اور داغ دہلوی بھی اپنی تازہ غزلوں سے

www.urduchannel.in

پیام یار کو برابر نوازتے رہتے تھے چنانچہ اس مضمون کو ایڈیٹر پیام یار نے خود قلم بند کیا ہے۔ منشی نثار، داغ کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے مضمون کی ابتدا میں لکھتے ہیں۔

''صاحبو آج دنیائے شاعری کا وہ پاکیزہ بیان شاعر خوش نوا رخصت ہوتا ہے جس کی طبیعت باغ و بہار تھی اور جس کی زبان کی شیرنی اور خوش بیانی پر جہاں فریب حسینان روزگار مٹے ہوئے تھے، کون شخص ہے جو کچھ بھی ذوق سخن رکھتا ہے اور جس کے دل میں سخن فہمی کی قوت ہے وہ حضرت فصیح الملک کی فصاحت بیان کا شیدا نہیں''۔

اس میں مضمون نگار نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ داغ کی وفات پر پورا ہندوستان ماتم کدہ بنا ہوا ہے ان کے بچھڑنے کا سوگ ملک کے ان گھروں میں بھی ہے جہاں ان کے کلام کی بھنک لوگوں کے کانوں میں پڑ گئی ہے اس طرح وہ اپنا تاثر بیان کرنے کے بعد داغ مرحوم کی موت پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔

''آہ ایسے شاعر کی موت کیا قیامت برپا نہیں کی اور کیا ستم نہیں ڈھایا۔ موت سب کے لئے ہے اور سب مرجائیں گے مگر ایک سخن سنج کا مرنا شاعری کی دنیا میں قیامت سے کم نہیں ہوتا''۔

منشی نثار اپنے رنج وغم کا اظہار کرنے کے بعد داغ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کرتے ہیں جس میں داغ کی تعلیم اور ان کی شاعری کی ابتدا پر خصوصی روشنی ڈالتے ہیں ساتھ ہی رامپور اور حیدر آباد کی ادبی صحبتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں اس کے بعد داغ اور پیام یار کے تعلق

www.urduchannel.in

پر اظہار خیال کرتے ہیں اور خاص طور سے ان پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں جس سے یار کو ہمیشہ عزت ملتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی مضمون نگار نے داغ کی شاعری اور ان کے شاگردوں کے متعلق بھی بحث کی ہے اور نظام دکن سے شفارش کی ہے کہ مرحوم کی یادگار میں ایک مقبرہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

آخر میں مضمون نگار مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور دعائے مغفرت کرنے سے پہلے ایک اعلان کرتا ہے جسے آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

> ''جناب مرحوم کے ماتم میں جو کلام ہمارے پاس آئے گا اس کا انتخاب بھی پیام یار میں درج کریں گے۔ اخباروں میں درج ہونے سے بہتر ہے کہ پیام یار کے صفحوں بر ایسا کلام رہے اور ردی میں نہ جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''۔

اسی کے ساتھ مضمون کا اختتام ہوتا ہے۔

اطلاعاتی اور معلوماتی مضامین

پیام یار میں ادبی تاریخی سوانحی اور وفیاتی مضامین کی طرح اطلاعاتی اور معلوماتی مضامین بھی شایع ہوتے تھے۔ اس قسم کے مضمون عام طور سے ایڈیٹر پیام یار لکھتے تھے جن کی نوعیت اداریہ کی ہوتی ہے یہ مضمون عموماً پیام یار کے متعلق ہوتے ہیں، جس میں پیام یار کی روز افزوں ترقی کی باتیں ہوتی ہیں یا کبھی ایڈیٹر کی طبیعت علیل ہوگئی اور پیام یار وقت مقررہ پر منظر عام پر نہ آسکا تو اس کا معذرت نامہ ہوتا گویا اس طرح

www.urduchannel.in

اکثر مضامین پیام یار اور مدیر پیام یار کے متعلق ہوتے ہیں۔ اس گلدستہ میں جو ہمیں اطلاعاتی اور معلوماتی مضامین ملتے ہیں ان کے عنوان حسب ذیل ہیں۔

ہم اور آپ، عرض حال، پیام یار میں ناول، معذرت، انجمن اصلاح سخن لکھنو قدردان پیام یار، ہماری مصٰبت، ایام گذشتہ، اسباب تعویق، معذرت، انجمن اصلاح سخن کے چارہ گر اور مرحوم سال کی لائف۔

ان مضامین میں ایک مضمون ''ہم اور آپ'' اطلاعاتی بھی ہے اور معلوماتی بھی۔ اس ے مطالعہ سے ہمیں پیام یار اور پیام یار کے مدیر کے متعلق بہت ساری باتیں معلوم ہوتی ہیں اس میں مدیر نے اپنی علالت اور پیام یار کے مسلسل چھ مہینے بند ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی دوبارہ شایع ہونے کی اطلاع بھی دی ہے۔

''ہم اور آپ'' پیام یار کے چھ صفحات پر مشتمل مارچ ۱۹۰۵ء میں شایع ہوا تھا جس کو مدیر پیام یار (منشی نثار) نے بڑی لیاقت اور دیانت داری سے تحریر کیا ہے مضمون کی ابتدا میں تقریباً ایک صفحہ کی تمہید ہے۔ اس کے بعد منشی نثار پیام یار کی بائیس سالہ خدمات کا تذکرہ ہے۔ پھر پیام یار اور مخالفین پیام یار کا ذخر کرتے ہیں اور اظہار افسوس کرتے ہیں کہ آجکل کے کچھ ایسے نوجوان ہیں جو پرانی شاعری کو اچھی نہیں سمجھتے اور پیام یار کی طرف انگی اٹھاتے ہیں۔ جب کہ وہ پیام یار ہی کو بڑھ بڑھ کے اس قابل ہوئے ہیں کہ مفید اور غیر مفید شاعری کی تمیز کرسکیں۔ چنانچہ منشی نثار گمراہ نوجوانوں پر سخت تنقید کرتے ہیں اور ان کے اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیتے ہیں اور پیام یار کی تمام خدمات کو ایک بار پھر سراہتے ہیں۔ اس کے بعد نوجوانوں کے سوال و جواب سے نکل کر منشی نثار پیام یار کے چھ مہینہ مسلسل بند ہونے کے اسباب بیان کرتے ہیں اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے اپنی جسمانی و روحانی مصائب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس نوع کے آلام و

www.urduchannel.in

مصائب کا ذکر کرنے کے بعد مدیر قدردانیاں پیام یار کو چند انتظامی مسائل کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں اور دفتر پیام یار کے تجربہ کار منشی اور محرر کی شکایت بیان کرتے ہیں۔

> ''جنھوں نے منشی نثار کی مصیبتوں کو دیکھے بغیر یکا یک نوکری چھوڑ دی، جس سے محبانِ پیام یار سے خط و کتابت کا سلسلہ کلینا مسدود ہوگیا اور چار مہینے گزر گئے پیام یار کا ایک پرچہ بھی نہ شایع ہوا''۔

ان پریشانیوں کے باوجود منشی نثار نے جنوری فروری اور مارچ کے تین پرچے نکالے اور مئی اور جون کے پرچے مستقبل قریب میں نکالنے کا وعدہ کیا مگر ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مہربان پیام یار جان جان و دل سے توجہ نہ فرمائیں گے تو اکیلی میری کوشش کیا کرسکتی ہے لہذا درخواست ہے کہ ہمارے کرم فرما اور قدردان اپنے اگلے اور پچھلے حساب فوراً بیباق کردیں اور اپنے دوستوں کو بھی پیام یار کی خریداری کے لئے مجبور کریں۔

اس کے بعد شعرا حضرات کی خدمت میں منشی نثار یہ التجا کرتے ہیں کہ وہ براہ کرم اپنی غزل کے شروع میں اپنے معجز نام کو ترتیب سے لکھیں یعنی پہلے نام پھر تخلص۔ نام کے پہلے جناب، مولوی، منشی یا قاضی یا جیسی بھی صورت ہو اور نام اور تخلص کے درمیان صاحب کا لفظ تحریر فرمایا کریں۔ اس طرح منشی نثار داستان غم اور اپنی آرزوئیں پیش کر کے مضمون کا اختتام کرنا چاہتے ہیں مگر ختم کرنے سے پہلے دفع مہربان پیام یار کو پھر تاکید کرتے ہیں کہ حساب کی بیباقی کو نہ بھول جائے گا کیوں کہ اسی پر میری امیدوں کا دارومدار ہے۔

www.urduchannel.in

خبریں

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے پیام یار میں خبریں بھی شایع ہوتی تھیں۔ پیام یار طرحی غزلوں کا ایک ماہانہ گلدستہ تھا لہذا ابتدائی دور کے پرچوں میں نثر کا کوئی حصہ دیکھنے کو ملتا ہے، تو صرف اشتہاروں اور اعلانوں میں۔لیکن جب ہر چہار جانب لوگوں نے خبروں کی افادیت واہمیت کو تسلیم کیا تو پیام یار نے بھی خبریں شایع کرنا شروع کیا۔اس گلدستہ میں وہی خبریں شایع ہوتی تھیں جو اس زمانے کے مزاج و ماحول سے مناسبت رکھتی تھیں۔

جاگیردارانہ سماج میں راجہ اور نواب طاقت اور اقتدار کا سرچشمہ ہوتے تھے۔ لہذا اس زمانے کے اخباروں اور رسالوں میں خبروں کے کالم میں رجواڑوں اور نوابوں کے حالات بڑی توجہ کا مرکز ہوتے اور اس نوع کی خبروں کو کافی اہتمام سے شایع کیا جاتا تھا۔اس دور کے اخبارات ورسائل میں اداریے لکھنے کا رواج عام نہیں تھا کیوں کہ اس زمانے میں آج کل کی طرح صفحات ترقی یافتہ نہیں تھی۔لہذا جو اداریے لکھے گئے ان کی بھی پہچان مشکل تھی اسی طرح اداریوں کی طرح مراسلات اطلاعات، اعلانات اور خبروں کی درجہ بندی کرنا بھی کافی دشوار ہے۔اس دور کی خبروں میں ایڈیٹر اکثر دو چار جملوں میں تبصرہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔اور اپنی آراء بھی پیش کر دیا کرتے تھے۔ پیام یار میں جو خبریں شایع ہوتی تھیں مطالعہ کی آسانی کے لئے اسے ہم دو حصوں میں منقسم کر سکتے ہیں۔

۱۔واقعاتی خبریں ۲۔نیم واقعاتی خبریں

واقعاتی خبروں میں واقعہ کا بیان مرکزی اہمیت رکھتا ہے اور وقائع نگار واقعہ کو بے کم و کاست قارئین کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ جیسے کسی آدمی کا قتل، چوری کی

www.urduchannel.in

واردات، اغوا یا سیاسی لیڈر کی تقریر وغیرہ۔ پیام یار میں شایع ہونے والی بیشتر خبریں واقعاتی ہوتی ہیں۔ مثلاً دربار کی پوشاک، ترکی سباہ کے لئے ہوائی جہازات، بال گنگا دھر تلک کی رہائی، چندہ امداد اہل ایران، مدراس کا تعلیمی عطیہ، قطب شمالی، کلکتہ میں اسٹرائک، کلکتہ میں چیچک، یونیورسیٹوں کی اصلاح اور نرخ اجناس و قیمت حصص روٹی کا بازار۔ ان کے علاوہ ''مختلف خبریں'' کے عنوان سے نومبر ۱۹۰۸ء کے پیام یار میں دو واقعاتی خبریں اور شایع ہوئی تھیں جو حسب ذیل ہیں۔

ا۔ یہ بات کہ ڈاکٹر راج بہادری گھوش نیشنل کانگریس کے پریسیڈنٹ قرار پائے بلکل غلط ہے۔

۲۔ کنائی لال دتا کو علی پور جیل میں منگل کی صبح کو پھانسی دی گئی پھانسی کے بعد اس کی لاش کا دم ٹولہ گھاٹ پر خالص صندل اور گھی سے جلائی گئی۔ طلباء نے اس کے ماتم میں بازاروں میں جلوس نکالا۔ پیر وسر ننگے تھے اسکولوں میں آنے نہ پائے۔

نیم واقعاتی خبروں میں واقعہ کے انسانی دلچسپی کے عنصر کو بنیادی اہمیت اور اس کو اجاگر کرنے کے لئے خبر کو زیادہ دلچسپ انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں واقعہ کا بذات خود بہت اہم ہونا اہمیت نہیں رکھتا اور اکثر واقعہ کے نتیجہ کو پیش کیا جاتا ہے۔ پیام یار میں اس نوع کی متعدد خبریں شایع ہوتی تھیں مثلاً بادشاہ سلامت نیپال کی ترائی سے شکار کھیل کر واپس تشریف لا رہے تھے اور شاہی گاڑی کی آمد میں کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی چنانچہ وہ ایک اسٹیشن پر انتظار کرنے لگے اور شام ہوگئی سلامت اپنی سواری سے اتر کر عوام کے روبرو آگئے تاکہ عوام ان کے دیدار سے فیضیاب ہوں۔ یہ جنوری ۱۹۱۲ء کے پیام یار میں ''الطاف خسروانہ'' کی سرخی کے تحت چھپی ہوئی۔

اسی نوع کی ایک اور خبر چھپی تھی جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ ہمارے ملک میں

www.urduchannel.in

بے شمار تاریخی مصالحہ گذشتہ صدی کے اندر فنا ہو چکا تھا یا ملک کے باہر جا چکا تھا چنانچہ اس کی حفاظت کے لئے لارڈ کرزن کے حکم سے ایک کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا یہ خبر جنوری ۱۹۲۰ء کے پیام یار میں ''کمیشن تحقیقات آثار تاریخی'' کی سرخی سے شایع ہوئی۔ اسی قسم کی ایک اور خبر ''حضور'' کی سرخی سے بھی شایع ہوئی تھی۔ جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ حضور وائسرائے لیڈی منٹو نے دو سیاہ ہرنوں کا شکار کیا تھا۔

واقعاتی خبریں پیام یار میں کثرت سے شایع ہوتی تھیں۔ جب کہ نیم واقعاتی خبریں بہت کم چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ یہ خبریں معلومات عامہ کے لئے کافی مفید ثابت ہو سکتی ہیں اور محقق کے لئے کارآمد بھی۔ ان خبروں کے مطالعہ سے اس زمانے کی صحافت کے معیار اور مزاج کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

www.urduchannel.in